exponovels

کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے نا؟ کہ ہاتھ سے قیمتی گلدان گر کر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔ رملی نے گھونگھٹ کیا ہٹایا۔ اس کے خوابوں کا گلدان چھنک سے ٹوٹا اور پاؤں میں گر کر کرچی کرچی ہو گیا اور جو...... مارے گھبراہٹ کے آدمی ان کرچیوں پر پاؤں رکھ دے تو تلوے بھی لہولہان ہو جاتے ہیں۔

پر قیمتی گلدان کے غم میں اپنا لہو سستا لگتا ہے۔

رملی نے اپنی ہتھیلیوں کو دیکھا جو مہندی کے گہرے عنابی رنگ میں ڈوبی لال گلال ہو رہی تھیں یہ مہندی نہیں۔ سچ مچ کا لہو ہے اس نے سوچا۔

پھر اس نے چاہا، کھرچ کر سارا رنگ اتار دے اور اپنی ہتھیلیاں صاف ستھری کر لے...... سفید سفید...... گوری گوری...... جیسے شادی سے ایک دن پہلے تک ہوا کرتی تھیں۔

دراصل وہ مہندی کے رنگ کو نہیں کھرچنا چاہتی تھی بلکہ اپنی زندگی کے کورے کاغذ پر لگی ہوئی تقدیر کی مہر مٹانا چاہتی تھی۔ ایک دم سے۔

مگر تقدیر کی مہر حساب کا سوال تو ہوتی نہیں کہ ذرا سی غلطی پر ربڑ اٹھا کر مٹا دیا جائے۔ تقدیر بہت سوچ سمجھ کر مہر لگاتی ہے۔ پھر دنیا میں کوئی ہاتھ اس مہر کو مٹا نہیں سکتے۔ اپنے نفس پر جبر کیا ہوتا ہے؟

گھڑی کے ایک پل میں اسے پتہ چل گیا۔

جذبات چھپانے کا سلیقہ آتے آتے آتا ہے......!

یہ کیا مذاق ہے کہ تقدیر چاہتی ہے۔ ایک ہی رات میں عورت تجربات کے پل صراط سے گزر جائے اور رات بھی وہ......!

جو پوری جوانی کی اساس ہے۔ اس ایک رات پہ عورت اپنا حسن اور جوانی لٹا دیتی ہے۔ یہی ایک رات اس کی زندگی کی کتاب میں سنہرے حروف میں لکھی جاتی ہے۔ باقی سب کچھ وقت کے ساتھ ساتھ دھندلا جاتا ہے۔

اُفوہ!

اسے سب شاعروں اور ادیبوں پر بے تحاشہ غصہ آیا۔ جو اس رات کے حق میں رطب اللسان ہیں۔

اس کی زندگی کی یہ بدصورت ترین اور بھیانک ترین رات بن گئی تھی۔

اس نے معاذ کا چہرہ دیکھتے ہی آنکھیں تو بند کر لی تھیں مگر دل کی چیخوں پر ہاتھ نہیں رکھ سکتی تھی۔ دل برابر واویلا کر رہا تھا اور کان باہر کی آوازیں سننے سے عاری ہو گئے تھے۔ پتہ نہیں معاذ نے کیا کچھ کیا ہوگا؟ معاملات تک پہنچتے پہنچتے اس نے کس طرح راہ ہموار کی ہوگی؟ اس کے تن پر تو صرف زیوروں کا بوجھ رہ گیا تھا۔

ایک ایک گہنا لوہے کا بن گیا اور لوہا بھی ایسا جو آگ میں تپ رہا ہو۔ جان کنی کے عالم میں پوری پہلی رات گزر گئی۔

For more visit (exponovels.com)

exponovels

صبح بے حد مکروہ تھی۔معاذ کے چہرے کی طرح۔

صبح اٹھتے ہی نظر بھی تو اس کے چہرے پر پڑی تھی۔وہ اس کے قریب بے سدھ سو رہا تھا۔کیسے سو رہا تھا۔اس نے غور نہیں کیا.....اس کی نظر تو چہرے میں الجھ گئی تھی۔

یا اللہ یہ بدصورت ترین انسان میری قسمت میں لکھ دیا گیا ہے؟تیری اتنی بڑی اور اتنی خوبصورت دنیا میں کیا میرے لئے یہی مرد تھا......؟میں نے کیا قصور کیا تھا کہ مجھے سیاہ رات کے آنچل میں باندھ دیا گیا ہے۔

سونیا نے رخصتی سے ذرا پہلے اس کے کان میں آ کر کہا تھا۔

اری ذرا دل کڑا کر کے اپنے دولہا کو دیکھنا۔ایسا نہ ہو کہ خوف کے مارے بے ہوش ہو جائے اور اس کی ساری رات پنکھا جھلنے میں بیت جائے......اس نے سمجھا سونیا مذاق کر رہی ہے......سونیا کو مبالغہ آمیز مذاق کرنے کی ہمیشہ عادت تھی۔کیونکہ اس نے گھر میں ہمیشہ اس قسم کے فقرے سنے تھے۔

رملی جیسی حسین لڑکی کے لئے دولہا کہاں سے آئے گا؟

اسے ایسا شخص تو ہو جو اس کے قریب بیٹھا اچھا لگے۔

اسے اپنے بہن بھائیوں اور والدین سے یہی توقع تھی کہ کسی ایسے شخص سے اس کا بیاہ رچائیں گے جو نہ صرف اس کے پاس بیٹھا اچھا لگے بلکہ اس کے دل کو بھی اچھا لگے۔

ویسے تو ہر خوبصورت لڑکی کے لاشعور میں یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کا دولہا اس سے زیادہ خوبصورت نہ ہو تا کہ زندگی بھر وہی حاوی رہے مگر ایسے مکروہ صورت دولہا کی تمنا کون کرسکتا ہے،جیسا معاذ تھا۔

چلو جی۔رنگ تو برداشت ہو جاتا ہے۔ویسے بھی مرد تو سانولے سلونے ہی اچھے لگتے ہیں۔معاذ کا رنگ سانولا نہیں سیاہی مائل تھا اور رملی کے قریب بیٹھا ہوا ایک دم کالا لگتا تھا۔صرف رنگ کی بات نہیں تھی۔اس کے چہرے پر چیچک کے داغ بھی تھے۔

رملی کو ابکائی آ گئی......جیسے سیاہ مٹی کے اوپر بارش کے قطرے گرے ہوں۔کیسی جاہل اور گنوار ماں کا بیٹا تھا۔ایسے زمانے میں جب کہ طبی امداد کے مرکز چھوٹے چھوٹے سے قصبے میں بھی کھل گئے ہیں۔اس کی ماں نے بچپن میں اسے چیچک کا ٹیکہ نہیں لگوایا تھا اور اسے دیکھو۔چیچک جیسے موذی مرض کے وار سے بچ گیا۔

وہ نفاست سے پلی ہوئی لڑکی۔

اپنی چار بہنوں میں سب سے چھوٹی تھی اور سب سے لاڈلی بھی تھی۔

تین بہنوں کی بہت پہلے شادی ہو گئی تھی۔درمیان میں دو بھائی تھے وہ بھی بیاہے گئے تھے۔

For more visit (exponovels.com)

وہ بی۔اے کر کے گھر بیٹھی تھی۔سب بہنوں میں حسین تھی۔اپنا بہت خیال رکھتی تھی۔چہرہ ہمیشہ بیسن سے دھوتی۔رات کو کریم کی جگہ دودھ کی بالائی چہرے اور گردن پر لگاتی تھی۔ہاتھوں پر کئی قسم کے لوشن استعمال کرتی۔نتیجہ اس کے ہاتھ چہرے سے بھی زیادہ خوبصورت ہو گئے تھے۔

ذرا کی ذرا بازار سے ہو کر آتی تو چہرے پر فوراً ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارتی تاکہ بازار کا گندا گرد چہرے کے مساموں سے نکل جائے اور آنکھیں بھی صاف ہو جائیں۔لمبی پلکوں پر کیسٹر آئل لگایا کرتی۔ہونٹ ٹماٹر سے صاف کرتی۔نہاتے وقت پانی میں خوشبو ملا لیتی...... بہت پیار تھا اسے اپنے وجود اور چہرے سے......اور اپنا اس طرح خیال رکھتی جس طرح گلاب کے پودے کا خیال رکھتے ہیں......اس تر و تازہ گلاب کے لئے وہ کسی پر کشش آفاقی شہزادے کا انتظار کر رہی تھی جس کے شبستان میں وہ اپنے تن کا فانوس روشن کرنا چاہتی تھی۔اس نے اگلے زمانے کی شہزادیوں کے قصے سن رکھے تھے کہ کس طرح جری اور جیالے شہزادے ان کے حسن کی دھوم سن کر ان کے دربار میں حاضر ہوتے تھے پھر شہزادی کی کڑی شرطیں پوری کر کے اس کے حق دار بن بیٹھتے تھے۔

لیکن رملی نے تو کوئی کڑی شرط نہ رکھی تھی۔

اسے تو بس اپنے خوابوں کا شہزادہ درکار تھا جسے دیکھ کر آنکھوں کو ٹھنڈک اور کلیجے کو تسکین پہنچے۔

پر اباجان نے یہ کیا کیا......؟

اندھیرا کنواں لا کے اس کے گلے میں لٹکا دیا۔

●●●

exponovels

اباجی دبئی سے واپس آئے تو معاذ کی تعریفیں کرتے ہوئے نہ تھکتے تھے۔ نیکی، شرافت اور لیاقت کا ہر تصور معاذ کے ساتھ باندھ رہے تھے۔ اٹھتے بیٹھتے وہ اس کا یوں ذکر کرتے، جیسے بھیڑیوں کی نگری میں انہوں نے پہلا انسان دیکھا ہے۔ ہوا یوں تھا کہ اباجی نے دبئی سے لے کر لاہور تک کا سفر معاذ کے ساتھ کیا تھا۔ معاذ سرکاری طور پر دو سال کے لئے یورپ گیا ہوا تھا اور اب اپنی ذہانت کے سرٹیفکیٹ لے کر واپس آ رہا تھا اور اباجی دبئی سے اپنا کاروباری ٹرپ لگا کے واپس آ رہے تھے۔ رملی کے بڑے بھائی کا دبئی میں ایک بہت بڑا جنرل اسٹور تھا۔ دوسرے بھائی کا اسٹور شارجہ میں تھا اور اباجی دونوں بیٹوں کی سرپرستی کرنے کے لئے مسلسل سفر میں رہتے تھے۔ اباجی اس عمر میں سفر کرتے نہیں تھکتے تھے۔ خوب گھومنے پھرنے کے رسیا تھے...... بھانت بھانت کے لوگوں سے ملتے......اور ہر زمین کی خوشبو سونگھتے...... اباجی بڑے مردم شناس تھے۔ ان کی آنکھوں میں ایک پیمانہ فٹ تھا۔ دیکھتے ہی انسان کو پہچان لیتے...... ایک دم سے پسند کرتے یا ناپسند کرتے۔ خاندان والوں کو ان کی یہ عادت پسند نہیں تھی۔ اسی لئے امی جان مصلحت کی ایک ایسی چادر بن گئی تھی جو وقت بے وقت اباجی پر تن جاتی۔

معاذ اور اباجی کراچی ایک ساتھ ہی اترے......اور لاہور کے لئے ایک ہی فلائٹ پکڑی۔

اس ذرا سی رفاقت میں اباجی نے گویا معاذ کے سارے محاسن دیکھ لئے۔ لاہور آنے کے بعد بھی اسے اس کے دفتر جا کر کئی بار مل چکے تھے۔ آخر ان کے گہرے اُنس کا اثر کچھ نہ کچھ تو ادھر بھی ہونا تھا۔ ایک ماہ بعد معاذ کی والدہ ملنے کے لئے آ گئیں بس ایسی تھی جیسی گاؤں کی سیدھی سادی عورتیں ہوتی ہیں۔ نہ شہر والوں کا سا حلیہ، نہ شہر والوں کی سی مکار ادائیں اور پھر دو چار ملاقاتوں کے بعد وہ حرفِ مدعا زبان پر لے آئیں یعنی انہوں نے معاذ کے لئے رملی کو مانگ لیا۔ رملی کے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اسے جو بھی دیکھتا تھا طلب کر لیتا تھا۔ بڑی آپا کے دیور نے دیکھا تو رشتہ مانگ لیا۔ منجھلی آپا کی جٹھانی کو پسند آ گئی وہ اپنے بھائی کے لئے مانگنے چل دیں۔ چھوٹی آپا کی خالہ ساس کا دل اس پر ریجھ گیا اور اپنے بیٹے کے کوائف تولنے لگیں۔ رشتے داروں کے علاوہ محلے کے لوگ بھی اسے پسند کرتے تھے۔ ایک تو اس کی صورت میں ملاحت تھی، اس پر عادتیں بہت اچھی، بہت دھیمی اور میٹھی طبیعت تھی۔ ہر وقت مسکراتی رہتی...... ہر ایک سے خوش اخلاقی سے پیش آتی اور پھر ان کا خاندان بھی تو بڑا وضعدار تھا۔ اباجی بڑے دین دار اور متقی بزرگ تھے۔ ان کے خاندان کی کوئی بات کبھی باہر نہ نکلی تھی۔ بڑی تینوں لڑکیاں جن گھروں میں گئی تھیں، وہ ان کے گن گاتے تھے۔ بھابیاں دونوں غیر ہی تھیں مگر خاندان میں یوں رچ بس گئی تھیں جیسے گھی میں شکر...... بڑے دونوں بھائی تو دوسرے ملکوں میں کاروبار کرتے تھے مگر اباجی کو اپنا قبلہ و کعبہ سمجھتے تھے اور امی......تو چائی کے اندر گھومنے والی مدھانی تھیں۔ جتنا گھماؤ، مکھن اتنا زیادہ نکلے......ان کا گھرانہ لڑائی جھگڑے اور باہمی تنازعوں کے الفاظ سے ناآشنا تھا۔ اس لئے سب کے چہرے پر طمانیت کا ایک نور برستا تھا۔

جو بھی ان کے گھر میں آتا، پورے گھرانے کا مداح ہو جاتا۔

رملی کو معاذ کا رشتہ مانگنے پر تعجب نہیں ہوا تھا۔

For more visit (exponovels.com)

اس کو معلوم تھا اس پر چودھویں کا روپ آ کر ٹھہر گیا ہے اور وہ ستاروں سے گندھی ہوئی لڑی ہے جسے ہر کوئی اپنے گلے میں ڈال لینا چاہتا ہے۔

لیکن وہ یہ ضرور سوچتی تھی کہ وہ کون خوش قسمت ہوگا، جس کو وہ اپنا تن من سونپ سکے گی کیونکہ اس کے پاس روپ کا اتنا بڑا خزانہ تھا کہ وہ دنیا کی امیر ترین عورت تھی اور عمر کے اس دہانے پر کھڑی تھی جہاں بے شمار ہاتھ آگے بڑھتے ہیں پھر ایک تنومند اور خوبصورت ہاتھ لپک کر پکڑ لیتا ہے اور وہی زندگی کا ساتھی بن جاتا ہے۔

ابا جی نے تو سوچنے کا موقع ہی نہیں دیا۔

معاذ کی امی کو صاف کہہ دیا۔

معاذ جیسے لڑکے کے لئے انکار کر کے میں کفرانِ نعمت نہیں کر سکتا۔ رملی آپ کی بیٹی ہے۔ جس دن دل چاہے لے جائیے۔

انگوٹھیاں پہنانا دنیاداری کی رسم ہے۔ ہماری زبان پر اعتبار کیجئے اور جب مناسب لگے شادی کی تاریخ رکھ لیجئے۔

معاذ کی ایک ہی بڑی بہن تھی جو بیاہ کر امریکہ چلی گئی تھی۔ اب ماں کو بیٹے کی شادی کا بڑا ارمان تھا۔ اس لئے اس نے اپنی بیٹی کو خط لکھ کر اس کے آنے کی بابت دریافت کر لیا اور پھر تین مہینے کے بعد کی تاریخ شادی کے لئے مانگ لی۔

دونوں گھروں میں شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔

پہلے تو رملی کا دل مچلا کہ وہ اپنے ہونے والے دولہا کو دیکھے......نہیں......بلکہ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ اپنا آپ اس کو دکھائے۔ اس کے احساس کے پر جلائے دیکھے تو وہ بسمل کیسے ہوتا ہے۔

مگر پھر اس نے سوچا......کوئی بات نہیں۔ یہ قیامت کا نظارہ اسی رات سہی......!

ہاں البتہ اپنے دولہا کی ایک جھلک دیکھنے کو دل بڑا مچلتا۔ ابا جی اور سارے گھر والے اسے مل چکے تھے اور اس کی تعریفیں کرتے نہ تھکتے تھے۔ پتہ نہیں اس میں کیا بات تھی......؟

لیکن عجیب بات یہ ہوئی کہ کسی نے رملی سے اس کا عندیہ نہیں مانگا اور نہ ہی اسے لڑکا دکھانے کی ضرورت محسوس کی۔

ہاں ایک رات اس نے امی اور ابا کو باتیں کرتے سن لیا تھا۔ پتہ نہیں امی نے کیا کہا تھا جس کے جواب میں ابا جی بولے۔

مرد کا حسن اس کا کردار اور کیریئر ہوتا ہے۔ ایک شریف النفس اور اچھے مرتبے والا ایک ہزار حسین اور بے کار نوجوانوں سے بہتر ہوتا ہے۔ اور تم جانتی ہو اس عمر میں معاذ جس پوسٹ پر ہے اس تک پہنچنے کے لئے ساری عمر ناک رگڑنی پڑتی ہے۔ اس میں اور آگے بڑھنے کی صلاحیت ہے۔ دیکھنا تو ایک دن کتنا بڑا اور مفید آدمی بن جائے گا۔

exponovels

ہاں......امی کی آواز بہت آہستہ تھی۔

آپ ٹھیک کہتے ہیں۔حسن مرد کا ہو یا عورت کا۔چند دن کی خوشبو کی طرح ہوتا ہے۔

عورت میں بھی اگر شرم وحیا اور اطاعت و وفا نہ ہو تو کیسی بھی حسین عورت کیوں نہ ہو مرد کا دل اس سے متنفر ہو جاتا ہے۔

تم بالکل ٹھیک کہتی ہو۔ابا جی مسکرائے۔

اپنی بچیوں کو بھی سکھاؤ۔

اللہ ان کو اپنی امان میں رکھے۔اب تک تو بڑی لڑکیوں کی طرف سے کوئی شکایت نہیں آئی۔

تو تسلی رکھو۔انشاءاللہ چھوٹی بھی نبھائے گی۔

رملی کا دل دھڑک اٹھا۔

ہماری بیٹیاں ماشاءاللہ سمجھدار ہیں۔ابا جی پھر بولے ان میں اتنا شعور ہے کہ انسان کے اندر کا حسن تلاش کر سکیں۔

رملی ذرا لاڈلی ہے نا؟

کوئی بات نہیں۔لاڈ تو صرف ماں باپ کے گھر ہوتا ہے۔

ابا جی نے کہا:

اپنے گھر جاتے ہی یہ بھی سیانی ہو جائے گی۔

میری رملی بڑی ذہین بچی ہے اور مجھے اُمید ہے وہ سب سے زیادہ خوش رہے گی۔ابا جی بولتے گئے۔

معاذ میں ظاہری حسن نہیں ہے مگر وہ باطنی حسن سے مالا مال ہے۔دیکھنا تو دونوں تمہیں کس قدر خوش نظر آئیں گے۔

رملی کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔اسے اندازہ ہو گیا کہ اس کا ہونے والا شوہر خوبصورت نہیں ہے۔

کچھ دن اس کا دل بجھا بجھا رہا۔بیاہ کے نام پہ جو دل میں ہلچل مچی ہوئی تھی وہ ہونا تھی مگر......!

شادی کے دن قریب آ رہے تھے وہ جہانِ وہم و گمان میں اسیر ہو گئی تھی۔اتفاق ہی کی بات ہے۔ایک روز معاذ گھر آیا تھا اور کافی دیر بیٹھا رہا مگر وہ اس روز اپنی
سہیلی کی سالگرہ پارٹی میں گئی ہوئی تھی اور رات کو واپس لوٹی۔کاش گھر میں ہوتی تو اپنے تجسس کی آگ بجھا لیتی۔

پھر لرز کر سوچتی کہ دیکھنے سے کیا فائدہ ہوتا......؟

exponovels

انکار کرنے کی تو اس میں ہمت نہیں تھی۔ اس دن اباجی کتنے وثوق سے کہہ رہے تھے کہ ہماری لڑکیوں میں لچک ہے۔ ہر قسم کے حالات میں نبھاہ کر لیتی ہیں۔
اس نے یہ معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا۔ جب بھی بازار جاتی سب مردوں کو بڑے غور سے دیکھتی۔ جو ذرا کم شکل ہوتے، ان کو تو کئی بار دیکھتی اور سوچتی کیا اس کا دولہا ایسا ہوگا۔
یا ویسا ہوگا......؟
اور پھر یہ سوچ کر دل کو تسلی دے لیتی کہ لوگ کہتے ہیں کہ مرد کو زیادہ خوبصورت نہیں ہونا چاہئے۔ اگر خوبصورت عورت کے ساتھ مرد بھی خوبصورت ہو تو لوگ مرد کو زیادہ دیکھنے لگتے ہیں۔ عورت کا حسن اس وقت نمایاں ہوتا ہے جب اس کے پہلو میں عام سی شکل وصورت کا مرد جا رہا ہو۔ اس بات پر اسے اطمینان سا ہو گیا کہ وہ اپنے شوہر سے ہر حال میں زیادہ خوبصورت ہے۔
سانولا ہوگا...... کالا ہوگا...... آنکھیں چھوٹی ہوں گی یا ناک چپٹی ہوگی...... بس اس سے آگے وہ بدصورتی کا کوئی معیار قائم نہ رکھ سکتی۔ پھر ایک سانولا سلونا سا...... من موہنا آدمی اس نے تصور میں بسا لیا تھا۔
مگر شادی کی رات جب پچھلے پہر کی نشے میں جھومتی گھڑیوں پر زینہ زینہ قدم دھرتے چپکے سے وہ اس کمرے میں آ گیا...... اور اس نے گھونگھٹ ہٹایا...... تو رملی نے سر جھکا لیا...... معاذ نے اس کی ٹھوڑی کو پکڑ کر اس کا چہرہ اٹھانا چاہا تو کئی دنوں کا تجسس جاگ اٹھا۔ رملی نے بے اختیار آنکھیں کھول دیں...... کھولتے ہی یوں آنکھیں بند کر لیں جیسے انجانے میں کوئی بھیانک دیو دیکھ لیا ہو۔ سر جھکتا گیا۔ دل بیٹھتا گیا...... حتیٰ کہ رنج اور صدمے سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔
وہ مسکرا رہا تھا۔
تلے کی اچکن اور سفید عمامے میں اس کا کالا رنگ اور بھی دمک رہا تھا اور سفید سفید دانت واقعی دیو کے دانتوں کی طرح چمک رہے تھے اور سیاہ چہرے پر کالی کالی کٹوریاں سی دور دور بکھری ہوئی تھیں۔ اسے بے اختیار ابکائیاں آنے لگیں۔
اس کے بعد وہ کچھ بھی نہ دیکھ سکی۔
آنکھیں کھولنے کو دل ہی نہیں چاہا۔
اس رات کو وہ اپنی کھلی آنکھوں سے نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔
لڑکی جوان ہوتی ہے تو سارے خواب ایک ہی آدمی کے ساتھ وابستہ کر لیتی ہے۔ اپنی خوبصورت جوانی کا آخری موتی بھی اس پر سے وار دینا چاہتی ہے۔ کیا کیا نہیں سوچتی اس رات کے بارے میں؟

For more visit (exponovels.com)

exponovels

پر کبھی ایسا ہوا ہے......؟ کہ سیج اسے پھانسی کا تختہ لگتی ہو۔ پہلی رات کی سرگوشیاں خنجر اور بھالے بن کر لگتی رہی ہوں اور سہاگ کا سنگم اسے موت کی آخری سیڑھی لگا ہو۔

ایسا ہی ہوا......؟

ایسا ہونا تھا۔

اپنا آپ اس ایک رات کے حوالے کرتے ہوئے وہ روحانی کرب سے گزری اپنے روئیں روئیں کی آہ و بکا سنی۔ مگر کچھ بھی نہ کر سکی۔

یہ ظلم والدین نے تقدیر کے پردے میں کیا تھا۔

وہ کسے دوش دیتی......؟

●●●

exponovels

صبح خلاف توقع اس کی نیند جلد کھل گئی پہلو میں بے خبر سوئے ہوئے معاذ کو دیکھا تو منہ سے بے اختیار معاذ اللہ نکل گیا۔ صبح کو وہ کچھ اور بھی کریہہ نظر آ رہا تھا۔ بستر سے نکل کر دوڑ کر غسل خانے میں گھس گئی۔ اندر سے کنڈی لگائی اور پانی کے سارے نل کھول دیئے پانی شور مچاتا ہوا فرش پر گرنے لگا۔ بعض اوقات پانی کا بے ضرر شور کتنا اچھا لگتا ہے۔ اس کا جی چاہ رہا تھا۔ اس شور کے ساتھ مل کر وہ بھی چیخے چلائے حتیٰ کہ دل کا سارا غبار نکل جائے۔ اس نے بال کھولے اور جلدی سے چھوں چھوں کرتے نل کے نیچے بیٹھ گئی۔

تیز تیز بہتا پانی بدن پر گرا تو یوں لگا جیسے یہ بھی ہتھوڑے برسا رہا ہے۔ آنکھوں سے نیر بہنے لگے۔

پتہ نہیں اسے رونا کیوں نہیں آ رہا تھا۔

آخر ہر لڑکی کو اس کی مرضی کا شوہر تو نہیں ملتا۔

مگر یہ کیسا احساسِ زیاں ہے......؟

جیسے مدتوں سے ایک قیمتی شے سنبھال کر رکھی ہوئی تھی۔ آج اچانک کہیں گر کر کھو گئی۔

بے وقوف!

اس نے کئی بار اپنے دل کو سمجھایا۔

روتی رہی......اور نہاتی رہی......حتیٰ کہ ایک گھنٹہ گزر گیا۔ پھر دروازے پر ہلکی سی تھاپ پڑی۔

اسے یوں لگا معاذ اٹھ گیا ہے۔ آخری بار اس نے بدن پر صابن لگایا۔ کئی بار وہ پہلے بھی صابن لگا چکی تھی۔ پتہ نہیں کیا دھونا چاہتی تھی۔ اچھی طرح نل کے نیچے بیٹھ کر پانی بہایا اور پھر سارے نلکے بند کر دیئے۔ ایک دم غسل خانے میں سناٹا چھا گیا۔ معاذ کو پتہ چل گیا کہ وہ باہر آ رہی ہے۔ جسم خشک کیا تو یاد آیا۔ اس نے جلدی میں نئے کپڑے تو غسل خانے میں رکھے نہیں تھے۔ اس نے وہی رات والا ڈریسنگ گاؤن پہن لیا۔ گیلے بالوں کو تولیے سے خشک کرتی باہر نکل آئی۔ سامنے ہی معاذ چائے کا ٹرے میز پر رکھے بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی معاذ نے اخبار پھینک دیا اور کھڑا ہو گیا۔

رملی نے نظریں چرا کر اپنا آپ بچا کر نکل جانا چاہا مگر وہ اس کے بالکل قریب آ گیا۔ دونوں ہاتھوں سے رملی کی کمر تھام لی۔ اس کے ہاتھ بے حد گرم تھے اور رملی ٹھنڈی برف ہو رہی تھی۔ شاید زیادہ دیر تک پانی میں بیٹھی رہی تھی۔

اتنی دیر لگا دی تم نے۔ میں تو گھبرا گیا تھا۔ اس نے رملی کے گیلے بال چوم کر کہا......

آپ کا کیا خیال تھا میں پانی میں ڈوب گئی ہوں......؟

exponovels

نہیں......وہ مدہوشی سے ہنسا۔

میں نے سوچا تم خوابوں میں ڈوب گئی ہو۔نہاتے نہاتے سوگئی ہو......رات میں نے تمہیں بہت جگایا تھا نا؟اسی خوف سے دروازہ کھٹکھٹادیا۔

رملی نے کچھ نہیں کہا۔

کہنا چاہتی تھی۔اس پانی میں اپنے تمام خواب بہادینا چاہتی تھی۔اس لئے تیز وتند دھاروں کے آگے بیٹھی رہی......!

وہ خاموشی سے آئینے کے آگے کھڑی ہوگئی۔

تولیہ اٹھایا بال خشک کرنے کے لئے تو معاذ نے اس کے ہاتھ سے تولیہ لے لیا اور دھیرے دھیرے اس کے بال خشک کرنے لگا۔وہ اتنے پیار سے رملی کے بال سہلا رہا تھا کہ رملی کے دل میں گدگدی سی ہورہی تھی۔وہ چاہتی تھی کہ معاذ کے ہاتھ سے تولیہ چھین کر اسے دھکا دے دے۔مگر بن کھڑی رہی۔نگاہ اٹھا کے شیشے کی جانب نہیں دیکھا......مبادا معاذ کے چہرے پر نظر پڑ جائے تو وہ اس کے ماتھے پر ناگواری کی لہر دیکھ لے۔

معاذ نے جب اس کے بال خشک کئے تو کنگھا اٹھا کر بولا:

سلجھادوں بال......؟

نہیں......نیچی نظروں سے ہی رملی نے کنگھا اس کے ہاتھ سے لے لیا اور بولی:

آپ میرے بال توڑ دیں گے۔

نہیں توڑوں گا......معاذ نے آہستہ سے اسے اپنے بازوؤں میں لے لیا اور نرم سا دباؤ ڈال کر بولا:

اتنے خوبصورت بال ہیں تمہارے......انہیں بھلا کون کافر توڑ سکتا ہے۔میرا جی چاہتا ہے میں تمہیں تم سے چھین لوں۔آخر تمہاری کسی چیز پر تمہارا ابھی قبضہ کیوں ہو؟

معاذ نے یہ کہہ کر آنکھیں بند کر لیں گویا اس کی معطر خوشبو میں کھو جانا چاہتا ہو۔

یہی الفاظ......بالکل یہی الفاظ......رملی نے ہمیشہ سننے کی تمنا کی تھی۔دیوانے کو والہانہ پن کی سٹیج پر لاکر اس کا سودائی پن چاہا تھا۔

کئی سالوں سے ان سیاہ بالوں کو آنولے اور سیکا کائی سے دھو رہی تھی......اس سیاہ ریشمی جال میں اپنے شہزادے کے چہرے کو پھنسانا چاہا تھا۔

اب وہ خود ان بالوں پر اپنا چہرہ رگڑ رہا تھا۔کیسا پاگل لگ رہا تھا......کتنا برا لگ رہا تھا۔

exponovels

For more visit (exponovels.com)

تمہیں زور سے نہیں پکڑتا۔تم ٹوٹ جاؤ گی......کیسی نازک ہو تم......جیسے کانچ کی بنی ہو......بھئی اتنی نازک لڑکیاں کہاں پہ بنتی ہیں......؟

اپنے ملک میں رہ کے پتہ بھی نہیں چلا......اس نے رملی کے دونوں ہاتھ تھام لئے۔

ایسی خوبصورت انگلیاں......ایسا روپ......پھر اتنا حجاب سب ہی کہتے تھے۔لڑکی بہت شرمیلی ہے۔مگر مجھے یقین نہ آتا تھا،اس زمانے میں......؟

اس نے رملی کا چہرہ اٹھانا چاہا تو اس نے ٹھوڑی سینے کے ساتھ لگا لی۔وہ زور سے ہنس پڑا۔

کبھی زبردستی نہیں کروں گا۔ڈر لگتا ہے......ٹوٹ جاؤ گی تم......ہوں۔

(اور رات تم نے کیا کیا تھا،بدصورت بھیڑیئے۔)

رملی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔دل چاہا دھکا دے کرا سے دور گرا دے اور یہاں سے دور نکل جائے......معاذ کے کالے کالے ہاتھ اس کے گرد لوہے کی زنجیر کی طرح کانپ رہے تھے۔وہ پاگلوں کی طرح اسے تک رہا تھا۔اس کی آنکھوں کی وحشت سے رملی کو ڈر آ رہا تھا۔

کاش......!

کاش......اے کاش۔اس نے سوچا۔

یہ میرا پسندیدہ شہزادہ ہوتا تب......تب میں اس کے ہاتھوں میں موم کی طرح پگھل اٹھتی......ریت کی طرح بکھر جاتی۔

تب اس نے دل ہی دل میں......مرجانے کی تمنا کی......!

تب وہ بے بسی کی سب سے خوبصورت تصویر بن گئی۔

●●●

For more visit (exponovels.com)

ایک مہینہ گزر گیا......!

معاذ کی امی بہت اچھی تھیں، دلہن کو دیکھ کر جیتی تھیں۔ رملی اپنے کڑھتے دل کو مناتی، ان کے پاس جا کر بیٹھ جاتی۔ ان کے چھوٹے چھوٹے کام کرنے لگتی اور ان سے گھنٹوں معاذ کی بچپن کی باتیں سنتی۔ معاذ جس سے اسے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ جس کے قریب آتے ہی اسے ابکائیاں آنے لگتیں۔ جسے نظر بھر دیکھ کر دیکھنے کا اس میں حوصلہ نہیں تھا۔ جس کی ہر بات کا جواب وہ یوں دیتی جیسے آنکھیں بند کر کے گلے میں کوئی چیخ دبانا چاہتی ہو۔ ایک مہینے کی گھٹن اس کے چہرے سے نمایاں ہو رہی تھی۔ چہرا اُتر گیا تھا۔ جیسے چاند کسی ندی میں اتر جائے۔ آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے تھے۔ کچھ کھانے پینے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ سارا دن تو وہ اپنی ساس کے ساتھ گزار دیتی۔ شام کو اکثر ملنے جلنے والے آ جاتے مگر رات کے وہ چند پہر...... جو اسے معاذ کے ساتھ تنہائی میں گزارنے پڑتے، سولی پر لٹکا دیتے...... روز رات کو اپنے بستر پر گرتے ہی مر جاتی اور صبح اسے دنیا والوں کو جی کر دکھانا ہوتا۔ اس کی چپ چپ کیفیت...... اس کی کھوئی کھوئی ہیبت اور اس کی زرو زرد رنگت کو اس کی ساس پہچاننے کی کوشش کرتی۔ سنگھار سے عاری چہرہ دیکھ کر بڑی محبت سے سنگھار کی اہمیت پر لیکچر دیتی۔

سیانی تھی......!

جانتی تھی۔ شادی کے بعد جلدی جلدی نئے موڑ آتے ہیں۔ دلہنوں نے کئی بھید چرائے ہوتے ہیں۔ جانے یہ اس کی طبیعت کا کون سا موڑ ہے۔

آ گیا سامنے یہ موڑ...... جب ایک روز مچھلی تلنے کے دوران رملی بے اختیار ابکائیاں کرنے لگی۔ وہ تو ڈر گئی۔ ایک دم کہ جو نفرت اس نے دل میں چھپا رکھی ہے۔ غالباً ظاہر ہونے لگی ہے۔ مگر معاذ کی امی نے مسکرا کر معاملہ سنبھال لیا۔

گھبراؤ نہیں...... ایسا ہی ہوتا ہے۔

پھر وہ خود ہی شرما گئی۔

دوسری بار سکنجبین کا گلاس تھامے اس کے کمرے میں آئیں اور کہنے لگیں۔

اس میں میں نے نمک بھی ملا دیا ہے۔ گھونٹ گھونٹ کر کے پیو۔ اچھا لگے گا۔

جب الٹیاں زیادہ آئیں تو نمک اور پانی کا استعمال زیادہ کر دیتے ہیں۔

اسے سکنجبین اتنا اچھا لگا کہ گھونٹ گھونٹ پینے کی بجائے غٹ غٹ کر کے پی گئی۔

کیا مزہ آیا...... کتنا سکون ملا......!

پر کیا فائدہ......؟

دو منٹ بعد سارا سکنجبین پھر باہر۔

شام تک رو رو کر اس کا برا حال ہو گیا تھا۔ جب معاذ دفتر سے گھر آیا تو اس کی ماں نے فوراً لیڈی ڈاکٹر لانے کو کہا۔ تب رملی کی سمجھ میں کچھ کچھ آنے لگا۔

لیڈی ڈاکٹر نے مسکرا کر تائید کی تو رملی نے بے بسی سے آنکھیں جھکا دیں۔ اسی وقت معاذ کے اندھیرے چہرے پر ایک چمکدار ستارہ طلوع ہوا۔ اور بے جی تو بسم اللہ، بسم اللہ کا ورد کرنے لگیں۔

رملی کی تو جان پر بن رہی تھی۔ سارا پنجرہ ہی گویا الٹ پلٹ ہو گیا تھا۔ مگر سوچ رہی تھی یہ کیسے لوگ ہیں۔

یہ کیا بیماری ہے......؟

وہ تو صبح سے ہلکان ہو گئی۔ ایک قطرہ پانی کا اندر نہ ٹھہرا اور لوگ آس پاس خوشی سے پھولے نہیں سماتے......اسے بیمار دیکھ کر مسرور ہو رہے تھے......واہ میرے مولیٰ......تیری دنیا کے رنگ عجب ہیں۔

●●●

exponovels

For more visit (exponovels.com)

اس میں شک نہیں کہ اس کی طبیعت الٹ گئی تھی مگر پتہ نہیں کیا ہوا کہ بستر پر گری تو یوں لگا اب کبھی نہ اٹھ سکے گی۔ وہ چیخیں جو گلے میں دبائی تھیں، کسی اور صورت میں نکل رہی تھیں۔ جذبات کی گھٹن نے بھی راہ دیکھ لی تھی۔ کچھ کھایا پیا اندر ٹھہرتا نہیں تھا۔ ایسا لگتا تھا اس کا سارا سسٹم اس سے باغی ہو گیا ہے یا اس کی بے زبانی کے بدلے لے رہا ہے۔

نتیجہ ایک ہفتے کے اندر اندر اسے ڈی ہائیڈریشن ہو گیا۔ ڈاکٹر نے فوراً ہسپتال میں داخلے کا مشورہ دیا۔ وہ ہسپتال پہنچا دی گئی۔ اسے کچھ ہوش نہ رہا...... آنکھیں بند تھیں اور جسم بے جان۔

صرف چند آوازیں سن رہی تھی...... اگر وہ اسے ہسپتال میں لے جانے کی بجائے مقتل میں بھی لے جاتے تو اسے کوئی دکھ نہ ہوتا۔ وہ تو جی جان سے گزر جانا چاہتی تھی اور اس پر یہ غم...... کہ خوابوں کے بند جھروکے پر...... ایک نیا وجود دستک دے رہا تھا۔

ہسپتال میں اس کی بے حد دیکھ بھال کی گئی۔

ایک ہفتے میں ہی اس کی طبیعت سنبھل گئی۔ مگر ڈاکٹروں کے کہنے پر اسے دو ماہ ہسپتال میں ہی رہنا پڑا۔ معاذ نے پرائیویٹ وارڈ میں ایک خوبصورت کمرہ لے دیا تھا۔ جس کی کھڑکیاں پھولوں والے صحن کی طرف کھلتی تھیں۔ ایک نرس مستقل طور پر اس کے پاس موجود رہتی تھی جو ہمہ وقت اس کا دل بہلاتی رہتی اور کبھی کبھی مسکرا کر کہتی...... آپ کے شوہر آپ کو بہت چاہتے ہیں۔

رملی آنکھیں بند کر لیتی۔

پھر کہتی...... دیوانے ہیں آپ کے...... آپ سوئی رہتی ہیں وہ دیوانوں کی طرح آپ کو دیکھتے رہتے ہیں۔

اگر میں کہوں، جگا دوں......؟ تو کہتے ہیں:

نہیں۔ اسے سونے دو۔ یہ بہت نازک ہے۔

یہ سن کر رملی بے اختیار رونے لگتی۔

اس کے خوابوں کی نزاکت ٹوٹ گئی تھی۔

کون جانے وہ کتنی سخت جان ہو گئی تھی۔

آپ کو بھی ان سے اتنا ہی پیار ہے؟

تو رملی کا دل مٹھی میں آ جاتا...... اسے ایسا لگتا جیسے نرس اس کا مذاق اڑا رہی ہے اور صاف کہہ رہی ہے کہ تم جیسی [illegible] کا مر جانا کوئی عجیب بات نہیں۔

For more visit (exponovels.com)

exponovels

مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ تم بھی اس کریہہ المنظر آدمی سے پیار کرتی ہو۔اسے اپنا دین دھرم سمجھ کر بیٹھی ہو۔کیا تمہیں کوئی اور نہ ملا تھا پیار کرنے کو...... سر پہ سجانے کو...... کیا تمہارے والدین کی نزدیک کی نظر کمزور تھی۔

آپ پر رشک آتا ہے۔

بالآخر نرس کہتی تو وہ حیرت اور غصے سے نرس کی جانب دیکھنے لگتی۔اس کا دل چاہتا وہ نرس سے کہے:

تم لے لو میرا شوہر...... خدا کے واسطے کہیں لے جاؤ اسے...... تمہارے ساتھ اس کا جوڑ بھی ہے۔تم بھی کالی ہو۔یہ بھی کالا ہے۔ایک ساتھ رہتے ہوئے اچھے لگو گے اور رشک والی کون سی بات ہے۔ہر بدصورت آدمی اپنی خوبصورت بیوی کو چاہتا ہے۔

اور اس کے پاس چاہنے کے علاوہ کون سا راستہ ہے؟

مگر رملی یہ سب سوچ کر بے زاری سے منہ پھیر لیتی۔

جب وہ آتے ہیں تو آپ ان سے باتیں کیوں نہیں کرتیں؟

نرس مسکراتی ہوئی پھر گفتگو کا آغاز کر دیتی۔

وہ کچھ شرمندہ اداس اداس لگتے ہیں۔

(اسے شرمندہ اور اداس لگنا چاہئے۔)

دیکھیں نا......؟ نرس اس کے قریب بیٹھ کر اس کے بال درست کرنے لگتی...... ایسا تو ہوتا ہی ہے۔شادی کا بنیادی مقصد یہی ہوتا ہے کہ بچہ ہو۔جن عورتوں کا شادی کے بعد بچہ نہیں ہوتا وہ بھی پریشان رہتی ہیں۔میں تو ساری رات یہی تماشا ہسپتال میں دیکھتی ہوں اور اللہ کی قدرت پہ حیران ہوتی ہوں اور جس کو فوراً بچہ ٹھہر جائے وہ بھی آپ کی طرح ہلکان سی ہو جاتی ہے۔مگر آپ ایسا کریں کہ ایک بچہ پیدا کرنے کے بعد دو سال آرام کریں۔بچہ تو والدین کی محبت کو مضبوط کرتا ہے۔

رملی کھینچ کر ایک لمبی آہ خارج کرتی۔

آپ بہت حسین ہیں۔نرس آہستہ سے کہتی،ایک بچہ پیدا کرنے سے ذرا بھی فرق نہیں پڑے گا۔

پھر ہسپتال کی چیدہ چیدہ خبریں سنانے کے بعد کہتی۔

آج شام جب آپ کے شوہر آئیں نا؟ تو ان سے ہنس ہنس کر باتیں کیجئے۔بہت پریشان لگتے ہیں وہ۔

اس پر رملی کرب سے مسکراتی۔

For more visit (exponovels.com)

اسی لئے آنے پر میں جان بوجھ کر باہر چلی جاتی ہوں۔

رملی جانتی تھی۔

معاذ کے آتے ہی نرس کوئی بہانہ کر کے باہر ضرور نکل جاتی اور اس کے جانے سے پانچ منٹ پہلے آجاتی تھی۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ وہ کس موڈ میں جارہا ہے۔

باقی جتنے بھی وزیٹرآتے ان کے پاس بیٹھی رہتی۔ ان کی تواضع کرتی۔ انہیں پھل اور مٹھائی پیش کرتی۔

وہ ہسپتال میں کیا آئی تھی مہربانوں اور عزیزوں کا تانتا بندھا رہتا۔ کوئی شام ایسی نہ جاتی جب کوئی اسے پوچھنے نہ آتا۔ پہلا ایک ہفتہ امی جان اس کے ساتھ رہی تھیں۔ پھر اباجی کو ہائی بلڈ پریشر کی تکلیف ہوگئی تھی انہیں گھر جانا پڑا تھا۔ دوسرا ہفتہ معاذ کی بے جی اس کے پاس رہتی تھی۔ تیسرا ہفتہ بڑی آپا جان جن کا نام طوبیٰ تھا۔ انہوں نے اس کے ساتھ گزارا۔ پھر خضریٰ آپا آ گئی تھیں۔ کسریٰ آپا جن سے اس کی بڑی دوستی تھی، وہ آ کر نہ رہ سکتی تھیں کہ خود اسی عالم میں تھی۔

کئی سسرالی رشتے دار مزاج پرسی کو آ چکے تھے سب ہی خوب ہنس ہنس کر اسے تسلی دیتے اور زندگی کے نئے تجربوں کے بارے میں بتایا کرتے۔

یوں شام اچھی خاصی گزر جاتی۔

معاذ روز شام کو آتا تھا۔ خوبصورت پھول لے کر...... اور آتے ہی تازہ پھول کمرے میں سجا دیتا۔ اکثر اس کی موجودگی میں بھی لوگ آتے رہتے اور ہنس ہنس کر ان کی پذیرائی کرتا رہتا۔ گپ لگتی رہتی۔

اور جو بھی اس کا کوئی جگری یار آ کر شرارت سے کہتا۔

یار کیا کر دیا اس لڑکی کو......!

تو رملی کا کلیجہ کٹ جاتا...... افسوس...... ایک انتہائی ناپسندیدہ شخص کے ہاتھوں وہ اس حال کو پہنچ گئی تھی۔

کبھی کبھی جب معاذ اکیلا ہوتا تو بڑی آہستگی سے بستر پر بیٹھ جاتا۔ اس کے ٹھنڈے ہاتھ تھام لیتا اور کہتا۔

رملی...... آئی ایم سوری جان......!

اس کی آواز بے تاب جذبوں سے بوجھل ہوتی۔ اس کے لہجے میں عشق کا رس ہوتا اس کے ہاتھوں کی ایک ایک پور بولتی...... ایک گرم، تیز اور شدید ہوا اس کی سانسوں سے پھوٹنے لگتی...... ایسی ہوا جو شرم و حیا...... انا و خودداری کے ننھے ننھے پودے اکھیڑ کر رکھ دیتی ہے...... جو پاگل آندھیوں کا پیش خیمہ بن جاتی ہے...... جس میں دو متوالے سمٹ کر ایک بگولہ بن جاتے ہیں...... مگر رملی آنکھیں بند کر لیتی...... پھر اپنا بازو اپنے پھڑکتے ہونٹوں پر رکھ لیتی...... اور زار و قطار رونا شروع کر دیتی۔

For more visit (exponovels.com)

کتنا پیارا انداز تھا اس کے اعتراف جنوں کا...... کتنی تپش تھی اس کی دھیمی دھیمی، بوجھل بوجھل، گیلی گیلی آواز میں...... کتنی گرمی تھی اس کے احساس میں۔"

مگر کاش یہ اس کا پسندیدہ آدمی ہوتا۔ اس کے خیالی شہزادے کے روپ میں یوں مچل سا سامنے آ بیٹھتا...... تو وہ مچل کر اس کی گود میں منہ چھپا لیتی اور کہتی...... یہ کیا کر رہے ہو پاگل آدمی...... دیوانے۔

مجھے توڑ دو...... پھوڑ دو...... عورت اپنے محبوب کے ہاتھوں ٹوٹنا پھوٹنا چاہتی ہے۔ بکھرنا، بگڑنا چاہتی ہے...... منتشر ہونا چاہتی ہے...... مٹ مٹ کے بننا چاہتی ہے...... خرد کی ہر دیوار جنون کی ضرب سے توڑ دو...... اور جذبے کا ہر وار مجھ پر آزماؤ...... میں سخت زمین ہوں...... مجھ سے نرمی نہیں برتو...... آگ جلاؤ مجھ پر...... اور پھر ہل چلاؤ مجھ پر...... تاکہ میں تمہیں نئی فصل دے سکوں......!

مگر وہ کچھ نہیں کہتی تھی...... بس روتی رہتی۔

معاذ جانتا تھا کہ وہ رو رہی ہوگی۔

اس لئے اس کا بازو نہیں ہٹاتا تھا۔ وہ اس کی گم صم آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ جب آنسوؤں کی پہلی بوچھاڑ شیشے کی طرح اس کے چہرے پر ادھر ادھر بکھر جاتی تو وہ خود بازو ہٹا کے آنکھیں صاف کر لیتی۔

اب تم ٹھیک ہو جان......؟

وہ آہستہ سے پوچھتا جیسے تازہ پھولوں کو سونگھ رہا ہو۔

جی...... وہ بھی رندھے ہوئے گلے سے آواز کھینچ کر نکالتی۔

بالکل ٹھیک ہو......؟

جی......!

خوش ہو......؟

جی......!

بہادر ہو...... وہ اس کے گال تھپتھپاتا۔

تو وہ آنکھیں موند کر مسکرانے کی کوشش کرتی۔

(بہادری تو بن کر جی رہی ہوں)

For more visit (exponovels.com)

دیکھو میں وعدہ کرتا ہوں تمہیں بار بار نہیں توڑوں گا......نہیں چھوڑوں گا......اس پر رملی پھر رونے لگتی۔

بچہ تو اللہ کی طرف سے ایک نعمت ہوتا ہے اس لئے میں بچہ ضائع کروانے کے حق میں نہیں ہوں۔ یہ تکلیف سہہ لو تم......آئندہ......آئندہ۔

رملی ذرا کی ذرا پلکوں کا جھروکا وا کر کے اس کے چہرے کی طرف دیکھتی......اور ہمہ تن گوش ہو جاتی۔

آئندہ جب تک تم نہ کہو گی......جب تک اجازت نہ دو گی......بس ایک بچہ کافی ہوتا ہے نا......؟

وہ اس سے یوں پوچھتا جیسے وہ بڑی تجربہ کار ہو۔ تو وہ منہ دوسری طرف پھیر لیتی۔

معاذ سمجھتا وہ شرما گئی ہے۔

پھر پوچھتا:

میں جاؤں اب۔

وہ کبھی نہیں کہتی تھی۔ تم نہ جاؤ۔ میرے سرہانے بیٹھو۔ میرے چہرے پر پھول مارو۔

رملی ہمیشہ چاہتی تھی، معاذ چلا جائے۔ کہیں اس کے چہرے پر لکھی نفرت پڑھ نہ لے ڈرتی تھی۔

اور پھر وہ اس کی پیشانی چوم کر چلا جاتا۔ کیسے گرم گرم ہونٹ لگتے اس کے......جیسے زندگی کی حرارت انڈیل رہے ہوں۔

لیکن کاش یہ ہونٹ خوبصورت بھی ہوتے۔

معاذ نے کئی بار اس سے پوچھا تھا کہ وہ رات کو اس کے پاس ٹھہر جائے۔ مگر رملی نے ہمیشہ سختی سے منع کر دیا تھا اور اس کی مخالفت تو بے جی نے بھی کی تھی۔ دانا تھیں۔ جانتی تھیں۔ نیا ولولہ ہے۔ رات کو اس کا ٹھہرنا ٹھیک نہیں۔

معاذ چلا جاتا تو رملی اپنے کمرے کی چھت کو تکا کرتی۔ دل کی طرح کمرہ بھی خالی خالی لگتا۔ وہ کتنا اپنے دل کو مناتی......جھکاتی......مگر وہ تو معاذ سے دور......اور دور بھاگ جانا چاہتی۔

کبھی کبھی رملی کا جی چاہتا کہ وہ مر جائے۔

ایک روز اس نے نرس کو قریب بلا کر پوچھا:

سسٹر! اس بیماری میں لوگ مر بھی جاتے ہیں؟

کس بیماری میں......نرس نے پوچھا۔

exponovels

بھی جو مجھے ہے؟

اس پر نرس قہقہہ لگا کر ہنسی اور بولی۔

ارے یہ کوئی بیماری ہے۔ Pregnancy کوئی بیماری نہیں ہوتی۔ یہ تو انسانی Metbolism میں ایک تبدیلی ہے اور تبدیلی کے کچھ رد عمل ہوتے ہیں جو طبیعت کی خرابی کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں اور یہ علامتیں عارضی ہوتی ہیں۔ دنیا کی لاکھوں کروڑوں عورتیں روزانہ ان تجربوں سے گزرتی ہیں۔

پھر میں بستر پر کیوں پڑ گئی ہوں۔

بعض عورتوں کو پہلی مرتبہ ذرا زیادہ تکلیف ہو جاتی ہے۔ اگر معدہ کھانے پینے کی چیزیں قبول نہ کریں یا الٹیاں آنے لگیں تو ظاہر ہے جسم کا پانی اور طاقت ضائع ہونے لگتے ہیں مگر فوراً ہی طبی امداد پہنچانے سے عورتیں بالکل ٹھیک ہو جاتی ہیں۔ اب دیکھیں نا؟ آپ پہلے سے کتنی بہتر ہیں۔ چہرہ بھی کتنا بارونق ہو گیا ہے۔ کھا پی بھی رہی ہیں۔ خوراک ہضم ہو رہی ہے۔ اگلے مہینے انشاء اللہ بالکل نارمل ہو جائیں گی۔

تمہیں یقین ہے سسٹر......؟

ہاں ہاں...... عام طور پر شروع کے تین مہینے طبیعت خراب رہتی ہے۔ رفتہ رفتہ سب ٹھیک ہو جاتا ہے اور کسی کو پورے نو مہینے ایسی تکلیف رہے تو بچے کی پیدائش کے بعد فوراً ٹھیک ہو جاتی ہے۔ مگر اب تو حیرت انگیز دوائیاں ایجاد ہو چکی ہیں۔

تو اس کا مطلب ہے میرے مرنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔ غیر ارادی طور پر رملی کے منہ سے نکل گیا۔

اس پر نرس دوبارہ ہنسنے لگی۔

آپ کو وہم کیوں ہو گیا ہے۔ بی بی آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔

پھر وہ اس کے قریب بیٹھ کر اچھی اچھی باتیں کرنے لگی۔ رملی نے ذرا بھی دلچسپی نہیں لی تو وہ بولی:

جب پہلی بار بچہ پیدا ہونے والا ہو تو بعض عورتیں وہم میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ یہ بھی ایک قدرتی بات ہے۔ ان پر قنوطیت چھا جاتی ہے اور رات کو بھیانک اور بے معنی خواب آنے لگتے ہیں مگر یہ قنوطیت بھی ایک قدرتی سا عمل ہے۔ آپ تو پڑھی لکھی ہیں۔ آپ کو صورت حال کا اچھی طرح علم ہونا چاہئے۔ آج کل آپ اچھی اچھی کتابیں پڑھا کریں۔ پیاری پیاری باتیں سوچا کریں۔ آپ کی منفی سوچ کا اثر بچے کی ذہنی نشوونما پر پڑ سکتا ہے اور نہیں تو آپ اپنے بچے کی صورت کو تصور میں لانے کی کوشش کریں۔

اونہہ!

For more visit (exponovels.com)

رملی نے کروٹ بدل لی۔

اونہہ...... پتہ نہیں کس کی شکل کا بچہ ہوگا۔ اگر ہو بہو اپنے باپ پر ہوا تو...... افوہ...... پھر وہ کیسے برداشت کر سکے گی اس بچے کو...... کتنی کراہت محسوس ہوگی اسے۔ اپنے بچے سے...... شوہر کی نفرت تو چپ کے پردے میں چھپ گئی ہے۔ بچے کی نفرت کیسے چھپے گی...... ؟ کیا اپنے بچے کا گلا اپنے ہاتھوں سے گھونٹا جا سکے گا؟ اور شومئی قسمت سے اگر وہ لڑکی ہوئی تو...... ؟

پھر کتنی دیر تک لیٹی وہ زندگی اور موت کے بارے میں سوچتی رہی...... اس طرح بھری بہار میں حسن کی چادر اوڑھ کر اس کو مر جانا بہت دلکش اور بہت رومانٹک لگ رہا تھا۔

لوگ کس قدر افسوس کریں گے...... کہیں گے اس بے چاری نے دنیا میں کچھ نہیں دیکھا...... افسوس صد افسوس۔

مگر پھر اپنی سوچ پر اسے خود ہی بے تحاشا رونا آنے لگا۔

کہ یہ اس کے جینے کے دن تھے۔ اسے زندگی سے پیار تھا۔ اس نے کسی کا کیا بگاڑا تھا۔ مگر افسوس۔ اگر وہ مر گئی تو اس کی قیمتی زندگی ضائع ہو جائے گی۔ کس کے کارن جائے گی یہ زندگی...... ؟

کیا وہ صرف ایک بدصورت انسان کے کارن جان سے کھیل جائے گی؟

●●●

جاری ہے...

For more visit (exponovels.com)

ایک دن بعد اسے ہسپتال سے چھٹی ملنے والی تھی۔ اس شام بے جی پہلے آ گئی تھیں۔ انہوں نے آتے ہی اس کی پیشانی چومی اور کہنے لگیں:

دوہٹی! کل تمہیں چھٹی ملنے والی ہے۔ لاؤ تمہارا فالتو سامان سمیت دوں بلکہ غیر ضروری چیزیں آج ہی گھر لے جاؤں۔

بے جی رملی کو ہمیشہ دوہٹی (دولہن) ہی کہتی تھیں۔ اس کا نام نہیں لیتی تھیں اور جب وہ اسے دوہٹی کہتیں تو رملی کے دل پر آرے چلنے لگتے۔ اس نے کبھی ذہنی طور پر اپنے آپ کو دولہن محسوس نہیں کیا تھا۔ اسے یوں محسوس ہوتا جیسے وہ ابھی تک سبز غلافوں میں چھپی بند کلی ہے۔ کوئی شے ہے جو اسے گلاب نہیں بننے دے رہی...... کوئی کالا پردہ ہے جو اس کی چاند چاند زندگی کے آگے آ گیا ہے۔

دولہن ارمانوں سے لدی ہوئی ایک پالکی ہوتی ہے...... یا...... مدھر کا ایسا جام مسکرائے تو چھلکتا ہے۔ گنگنائے تو چھلکتا ہے...... ٹھمکے تو چھلکتا ہے...... ڈگمگائے تو چھلکتا ہے...... غرض اٹھتے بیٹھتے چھلکتا ہے...... مگر وہ تو سیپ میں بند ہوئی پڑی تھی۔ کم نصیبی یہ تھی۔ قدرت اس پر اپنا عمل پھونک رہی تھی۔

بے جی ہر روز گھر سے اس کے لئے مزے دار کھانے اور تازہ پھل بھیجا کرتی تھیں۔ اس کے کمرے میں کھانے پینے کی اتنی چیزیں اور اتنے برتن اکٹھے ہو گئے تھے کہ کمرہ اچھا خاصا ڈائننگ روم بن گیا تھا۔ وہ اٹھ کر یہ سب چیزیں سمیٹنے لگیں تو رملی نے آہستہ سے ان کا بازو پکڑ لیا اور بولی:

بے جی! میں کچھ دنوں کے لئے اپنی امی کے ہاں چلی جاؤں......؟

بے جی نے اپنی زمانہ شناس نظریں اٹھا کر رملی کے چہرے کو غور سے دیکھا اور پھر مسکرا دیں۔ وہ بھی یہی چاہتی تھی کہ کچھ دن رملی معاذ سے دور ہی رہے۔

ہاں...... ہاں...... پیار سے انہوں نے رملی کا نازک ہاتھ تھام لیا اور کہنے لگیں جاؤ کچھ دن اپنی امی کے ہاں رہ آؤ...... اور دیکھو! وہاں آرام کرنا۔ بد پرہیزی نہ کرنا۔

نہیں کروں گی بے جی...... اس اجازت سے کھل اٹھی۔

تھوڑے دن اور تکلیف کے ہیں اور آج کل گرمی بھی زیادہ ہے۔ انشاء اللہ دو مہینے بعد ایسی کوئی تکلیف نہیں رہے گی۔

ٹھیک ہے بے جی۔ رملی انکساری سے بولی۔ امی کو آج فون کر دیجئے گا۔ آ کر مجھے لے جائیں۔

کر دوں گی...... پھر اس کے کپڑے سمیٹتے ہوئے بولیں:

یہ میلے کپڑے سارے مجھے دے دے۔ میں دھلوا کر تجھے بھیج دوں گی اور گھر سے جو نیا سامان منگوانا ہو، وہ بھی بتا دے۔ کل معاذ کے ہاتھ بھیج دوں گی۔

جونہی بے جی نے معاذ کا نام لیا۔ وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ رملی کے چہرے پر بشاشت دیکھ کر کھل اٹھا۔

رملی کو چھٹی مل گئی بے جی......؟

For more visit (exponovels.com)

ہاں..... کل صبح..... مگر رملی پہلے اپنی امی کے گھر جائے گی۔

معاذ کا چہرہ پہلے بجھا..... پھر جلنے لگا۔ گھوم کر رملی کی طرف مڑ گیا۔ وہ نظریں جھکائیں کھڑی تھی۔ اسے بہت غور سے دیکھ کر بولا:

جیسے رملی کی خوشی.....!

رملی نے اسی لمحے سوچا..... کاش تمہاری صورت بھی اتنی اچھی ہوتی جتنا اچھا تمہارا دل ہے۔

آج امی تمہیں دیکھنے آئیں گی؟

پتہ نہیں۔ رملی نے بہت آہستہ سے کہا۔

میں جا کے فون کر دوں گی۔ بے جی نے سارے برتن اکٹھے کر لئے تھے اور جانے کو تیار ہو گئیں تھیں۔

نہیں..... بے جی میں کل صبح دفتر سے جلدی آ جاؤں گا اور خود ہی رملی کو چھوڑ آؤں گا۔ بہر حال اطلاع تو انہیں دینی پڑے گی نا؟

ہاں!

اچھا بیٹا مجھے نیچے تک چھوڑ آؤ۔ پھر تم دولہن کے پاس بیٹھنا۔

معاذ نے آگے بڑھ کر کپڑوں والا اٹیچی اور برتنوں والی ٹوکری اٹھالی۔ بے جی نے کالی فلاسک ہاتھ میں پکڑ لی۔ آگے بڑھ کر رملی کی پیشانی کو بوسہ دیا اور جاتے جاتے بھی فالتو چیزیں اٹھاتی گئیں۔

رملی ان کے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔ بے جی ضعیف تھیں۔ ساٹھ سال کی عمر ہو گی۔ سر کے سارے بال سفید تھے۔ مگر جسمانی طور پر تنومند تھیں۔ ان کے بوڑھے ہاتھ دیکھنے میں بڑے پُر اعتماد اور مضبوط نظر آتے۔ کام کرتے وقت ذرا نہیں کانپتے تھے بے جی نے رملی کو خود بتایا تھا کہ وہ بتیس سال کی عمر میں بیوہ ہو گئیں تھیں۔ ان کا شوہر زمینوں کے بٹوارے میں مارا گیا تھا۔ اس وقت ان کے دو بچے تھے۔ منزہ اور معاذ..... پھر دشمنیوں کے چکر بڑھتے ہی رہے۔ انہوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ حتیٰ کہ راتوں کو بندوق کندھے سے لگا کر کھیتوں کی حفاظت کی۔ دونوں بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلوانے کے لئے شہر آ گئیں۔ شہر میں رہنے کے لئے پیسوں کی ضرورت تھی۔ کبھی زمینوں کی آمدنی سے گزارا ہو جاتا اور کبھی کسی کڑے وقت میں کوئی قطعہ زمین بیچ دیا کرتیں۔ یہ کوٹھی جو انہوں نے چھاؤنی میں خریدی تھی، بڑی کشادہ اور آرام دہ تھی۔ گو پرانے طرز کی تھی۔ اس کو رفتہ رفتہ جدید ڈیزائن میں ڈھال لیا تھا۔ یہیں دونوں بچوں کو رکھ کر پڑھایا۔ منزہ نے ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کر کے پہلے ہسپتال میں ملازمت کر لی تھی۔ پھر اپنے ایک ہم پیشہ سے شادی کر کے یو۔ ایس۔ اے چلی گئی تھی۔ معاذ کو انہوں نے سی۔ اے کرایا تھا۔ دو سال کے لئے یورپ گیا تھا اور اب سید گروپ آف کمپنیز کا فنانشل ایڈوائزر ہو گیا تھا۔ اپنی ذہانت اور قابلیت کی وجہ سے تعلیم ختم کرتے ہی ملک میں اسے ملازمت مل گئی تھی۔

exponovels

بے جی خوش رہتی تھیں۔ کبھی کسی کو برا نہیں کہتی تھیں۔ ہمیشہ کہتی تھیں کہ ان کی خوش اخلاقی سے دشمن بھی موم ہو جاتے ہیں اور ہمت کرنے سے ہر مشکل حل ہو جاتی ہے۔ ان کی ساری زندگی ہمت و جرأت کی بے مثال کہانی تھی۔ معاذ ان کا ادب ہی نہیں کرتا تھا ان سے عشق بھی کرتا تھا۔ سارا گھر ان کی مرضی پر چھوڑا ہوا تھا مگر کسی کو بھی جبر یا گھٹن کا احساس نہیں ہوتا تھا۔ رملی نے بہت کوشش کی کہ وہ ماں سے بھی نفرت کرے لیکن بے جی اتنی میٹھی اتنی ٹھنڈی اور اتنی پر مغز تھیں کہ وہ ان سے نفرت کرنے کا کوئی جواز پیدا نہ کر سکی۔

نہ تو وہ کبھی فالتو باتیں کرتیں، نہ اپنی زندگی کا ایک پل بھی ضائع کرتیں۔ پانچ وقت کی نمازوں کے علاوہ رات کو تہجد کے لئے بھی اٹھا کرتیں۔ انہوں نے شہر والے گھر میں بھی بھینس رکھ چھوڑی تھی۔ کہتی تھیں زمینداروں سے دیسی گھی اور خالص دودھ کی لت چھوٹتی نہیں۔ علی الصبح بھینس کا دودھ خود نکالتیں۔ البتہ شام کو ملازم دودھ دوہ کر لاتا تھا کیونکہ اس وقت وہ مغرب کی نماز پڑھا کرتیں۔

بے جی...... آپ آرام بھی کیا کریں۔

آرام...... وہ اپنی سکڑی ہوئی آنکھیں پوری کھول کر رملی کی طرف دیکھتیں۔ آرام کیا ہوتا ہے وو ہٹی...... مجھے ہمیشہ کام میں آرام اور سکھ ملا ہے۔ دیکھو نا! تم کوئی بھی مشین خرید لو، کتنی بھی قیمتی کیوں نہ ہو۔ اگر اسے استعمال نہ کرو گی، باندھ کے رکھ چھوڑو گی تو کیا اسے زنگ نہیں لگ جائے گا۔ پڑی پڑی بے کار ہو جائے گی۔ یہی حال انسانی جسم کی مشینری کا ہے۔ اگر بستر پر بیٹھ کر کھانے لگ گئی تو چربی چڑھ جائے گی۔ وزن بڑھ جائے گا۔ یہ عمر عارضوں کی عمر ہے۔ میرا بلڈ پریشر لو رہتا ہے۔ جنہوں نے زندگی بھر سل سینے پر رکھی ہو، آخری عمر میں ان کا بلڈ پریشر لو ہو جاتا ہے۔ کام میں لگی رہوں تو سب بھول جاتی ہوں ورنہ بس ڈاکٹروں کے چکر میں پڑی رہوں گی۔ جب تک دم ہے کام کروں گی...... اللہ اسی طرح چلتے ہاتھ پاؤں کے ساتھ اٹھا لے تو بہت اچھا ہے۔ کبھی دھرتی پہ بوجھ نہ بنائے خدا...... یہاں سے جاتے ہی آرام کا وقت شروع ہو جائے گا...... ہاں قبر میں تو قیامت تک آرام ہی کرنا ہے۔

پھر تھوڑی دیر چپ رہ کر بولیں:

تم ہی نے سنبھالنا ہے یہ گھر...... یہ بکھیڑے...... عورت بے چاری کی تو ساری زندگی یہی سوچتے گزر جاتی ہے کہ آج کیا پکے گا۔ وہی ایک سے کام...... وہی صدیوں پرانے بکھیڑے...... تھوڑے دن عیش کر لو، ہنس کھیل لو...... ابھی میں کر سکتی ہوں پھر سنبھالتی رہنا اپنا گھر گرہستی۔

میرا یہ مطلب نہیں تھا بے جی۔ رملی شرمندہ سی ہو گئی۔

ارے میں جانتی ہوں تمہارا کیا مطلب تھا؟ میں بھی ایسی تھی۔ تمہاری طرح...... شروع شروع میں شادی اور بچوں سے ہمیشہ متنفر رہتی تھی۔ معاذ کے ابا جی کو بچوں کا بہت شوق تھا۔ دو بچے اوپر تلے ہو گئے تو میں چلانے لگی۔ اللہ کا نیک بندہ چپ کر گیا۔ کچھ نہیں کہا مجھے اور بچے پال لیے...... اسے کیا معلوم تھا کہ ذرا سا ساتھ ہے۔

For more visit (exponovels.com)

یہ کہتے کہتے بے جی کی آنکھیں نم ہوگئیں۔انہوں نے چھری ہاتھ سے رکھ دی اور دوپٹے کے کونے سے اپنی گیلی آنکھیں صاف کر کے بولیں:

مجھے گھر کے کاموں سے چڑ تھی۔ پھر ایسا بوجھ آ پڑا کہ گھر داری کے علاوہ زمینداری بھی کرنا پڑی اور وہ نسل در نسل مقدمات چل رہے تھے۔ان کو بھی بھگتنا پڑا......

خیر جانے دو......میں کیا پرانے قصے لے بیٹھی۔

ہاں ایک بات ضرور کہوں گی۔ بڑی آن سے زندگی بتائی ہے میں نے......کسی عزیز رشتے دار کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا۔اللہ نے مجھے اس خودداری اور صبر کا اجر بھی دیا ہے۔سلامت رہیں میرے بچے۔میرے اشارے کو حکم مانتے ہیں۔

پھر وہ اس کی طرف دیکھ کر بولیں:

تم کیا سر جھاڑ منہ پھاڑ بنی بیٹھی ہو۔اٹھو......اٹھ کر ہاتھ منہ دھولو۔کپڑے بدلو،سنگھار کرو۔معاذ کے آنے کا وقت ہو گیا ہے۔

رملی ان کے آگے بحث اور جرح نہیں کرتی تھی۔وہ جان گئی تھی کہ ایک زمانے سے ٹکرانے والی یہ عورت بڑی محترم ہے۔مگر بے جی کے لئے احترام......معاذ کے لئے محبت کا کوئی نرم گوشہ تو پیدا نہیں کر سکا۔وہ اٹھ کر جانے لگی تو اسے دیکھ کر کھل اٹھیں:

سدا سہاگن رہو۔ جگ جگ خوشیاں دیکھو......اپنے شوہر کی چھاؤں میں پھلو پھولو......اللہ تمہیں گرم ہوا سے محفوظ رکھے۔

وہ اندر چلی گئی۔مگر بے جی کی دعائیں اس کا پیچھا کرتی رہیں۔گھڑی بھر کو ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے آگے رک کر اس نے اپنا سراپا دیکھا اور دل میں سوچا:

بے جی اسے دعائیں دے رہی تھیں یا اپنے بیٹے کو۔

کتنا خوبصورت انداز تھا بیٹے کو دعا دینے کا۔

آخر اس بیٹے کے سوا ان کے پاس کیا تھا؟

ایک مکروہ صورت......بدزیب اور بھدا بیٹا......ان کی کل کائنات تھا۔

جس کے لئے وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کے چاند جیسی دلہن لائی تھیں۔مائیں خود غرض ہوتی ہیں۔انہیں اپنے بیٹے کی صورت تو نظر نہیں آئی۔اگر وہ معمولی شکل وصورت کی لڑکی سے معاذ کی شادی کر دیتیں تو بھی کام چل جاتا۔معاذ کے ساتھ بیٹھی ہوئی ایک ایورج لڑکی بھی خوبصورت لگ سکتی تھی۔یہ ظلم انہوں نے رملی کے ساتھ کیوں کیا......؟

لیکن رملی بی! تم بھول رہی ہو۔

یہ ظلم تمہارے ساتھ بے جی نے نہیں کیا،تقدیر نے کیا ہے۔

For more visit (exponovels.com)

تو کیا کروں......!

اس نے سنگھار کرتے کرتے سوچا...... کس طرح اپنے دل کو مناؤں کس طرح اپنے جذبات سے ہاتھا پائی کروں۔

وہ قریب آتا ہے تو نفرت کی ایک گھٹا سارے اعصاب پر چھا جاتی ہے۔

بے جی اپنے وجود کی خوشبو چھوڑ کر معاذ کے ساتھ باہر نکل گئیں تو رملی نے ہسپتال کی کھڑکی میں کھڑے ہو کر باہر کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔

دنیا کا وہی چلن رہتا ہے۔

زندگیاں بنتی اور بگڑتی رہتی ہیں۔

پتہ نہیں اس کی زندگی کا کیا انجام ہوگا۔

•••

exponovels

امی جان کے گھر آ کے رملی کو بڑا سکون ملا۔ماں کا گھر ہی ایسا ہوتا ہے۔عورت جس عمر میں بھی...... جن حالات میں بھی ماں کے گھر آتی ہے۔بے فکری کے احساس سے چور ہو جاتی ہے۔مگر رملی تو محض معاذ سے دور رہنے کے لئے آئی تھی اور اب اس کے میکے رہنے پر کسی کو اعتراض بھی نہ تھا۔اس کی کوکھ بوجھل تھی۔شادی کا موتی کوکھ کی سیپ میں اتر جائے تو دنیا والے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ان کے خیال میں بات بن جاتی ہے۔

یوں بھی رملی دو مہینے ہسپتال میں رہ کر آئی تھی۔سب جانتے تھے۔پریشانی کاٹ چکی ہے اس لئے اسے اب آرام کی ضرورت ہے۔ایسے میں امی جان بھی یہی سوچ رہی تھیں کہ کچھ دن ادھر رہ لے لیکن اب تو اسے یہاں آئے بھی ایک مہینہ ہو گیا تھا۔مگر وہ جانے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

یوں معاذ تقریباً ہر روز شام کو اسے دیکھنے آتا تھا۔تین چار مرتبہ بے جی آئی تھیں۔اسے خوش و خرم دیکھ کر کھل اٹھی تھیں۔

اگر کسی روز معاذ نہ آ سکتا تو فون کر کے اس کی خیریت دریافت کر لیتا۔اس روز وہ اپنی کسی سہیلی کے ساتھ فلم دیکھنے چلی جاتی۔ویسے سارا دن لیٹی کتابیں اور رسالے پڑھا کرتی۔کتابیں پڑھنا اس کی پرانی ہابی تھی۔لیکن اب بس اتنا فرق پڑ گیا تھا کہ کوئی رومانٹک دل لوٹ لینے والی کہانی پڑھ کر وہ خواب نہیں دیکھتی تھی۔بلکہ تکیہ منہ پر رکھ کر رونے لگتی۔

شام معاذ کے آنے سے پہلے جان بوجھ کر آ کے ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ جاتی کہ معاذ کو تنہائی میں ملنے کا موقع نہ مل سکے۔

معاذ وہیں بیٹھا رہتا۔کبھی کبھی ساری بہنیں آ جاتیں۔بہنوئی بھی آ جاتے۔بہنیں معاذ سے چھیڑ چھاڑ کرنے لگتیں۔چھوٹے بچے ارد گرد شور مچاتے رہتے۔معاذ ہنس ہنس کر سب سے باتیں کرتا رہتا۔اس کے پاس دنیا جہاں کی اتنی معلومات تھیں اور وہ جدید ٹیکنالوجی کے بارے میں اس قدر جانتا تھا کہ ادھر کوئی شخص بات شروع کرتا اور ادھر یہ فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیتا۔اس لئے گھر کے سب لوگ اس کی ذہانت سے متاثر نظر آتے تھے۔

رملی دل ہی دل میں کڑھتی رہتی...... اور کہتی کاش یہ لوگ جان سکیں زندگی ذہانت یا فصاحت و بلاغت کے ساتھ نہیں گزر سکتی۔زندگی کے کچھ اور تقاضے بھی ہیں۔محفل میں بیٹھا ہوا معاذ اسے ہر شخص سے کم تر لگتا۔چپکے چپکے وہ ہر آئے گئے سے اس کا موازنہ کرتی رہتی اور جب دل پر برچھی اتر جاتی تو منہ پھیر کر ٹیلی ویژن دیکھنے لگتی۔ایسا نہیں کہ...... وہ اس کے ساتھ بد اخلاقی سے پیش آتی تھی بس ذرا لئے دیئے میں رہتی جسے گھر والے روایتی شرم و حیا پر محمول کر رہے تھے۔ویسے جب وہ کھانا کھا کے جانے لگتا تو وہ اسے باہر تک چھوڑنے جاتی۔خدا حافظ کہہ کر اندر آ جاتی۔

اس روز جب شام وہ اسے باہر چھوڑنے جا رہی تھی تو لابی میں پہنچتے پہنچتے وہ بالکل اکیلی رہ گئی، شاید امی جان کا فون آ گیا تھا اور ابا جی خبرنامہ سننے کو بیٹھے رہ گئے تھے۔باہر نکل کر اس نے دیکھا وہ معاذ کے ساتھ اکیلی کھڑی ہے۔اسے خوف آنے لگا...... اپنے شوہر کے ساتھ تنہا رہ جانے پر اس کا دل دھڑکا...... اسی وقت معاذ نے آگے بڑھ کر اس کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا اور محبت بھرے لہجے میں بولا

For more visit (exponovels.com)

گھر کب چلو گی رملی......؟

اس کے چھونے سے رملی یوں تڑپ کر الگ ہوئی جیسے اسے بچھو نے کاٹ لیا ہو۔ پھر اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا کہ اندر سے تو کوئی نہیں آ رہا تھا۔ یوں اس کی بات بن گئی۔ معاذ نے سمجھا کہ میکے کی وجہ سے جھجک رہی ہے۔

مگر رملی نے جب اپنا آپ چھڑا لیا تو اسے یوں محسوس ہوا اس کی کمر کے ارد گرد الاؤ سے سلگ رہے ہیں۔ پتہ نہیں معاذ کے ہاتھ ہمیشہ اتنے گرم کیوں ہوتے تھے۔

جیسے اس کے ہاتھوں میں انگیٹھیاں جل رہی ہوں۔

تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ معاذ نے پھر پوچھا۔

اب تمہارے بغیر وہاں نہیں رہا جاتا......؟ اب تو تمہاری طبیعت بالکل ٹھیک ہو گئی ہے۔

(طبیعت ٹھیک ہے، دل ٹھیک نہیں ہے۔)

مگر اپنی آوازوں سے بچنے کے لئے بولی۔

جب آپ کہیں......!

ابھی چلو......

ابھی......؟ رملی نے پھر اندر مڑ کر دیکھا اور ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی۔

ابھی ٹھیک نہیں لگتا......سب لوگ......کیا کہیں گے......؟

اچھا......اچھا وہ ہنس کر موٹر میں جا بیٹھا۔ سب لوگ بھلا کیا کہیں گے؟ مگر خیر تم قرینے سے جانا چاہتی ہو تو اسی طرح سہی......کل شام کو میں تمہیں لے جاؤں گا......!

رملی نے صرف اثبات میں سر ہلایا۔

وہ رملی کی طرف والہانہ انداز سے دیکھ کر بولا۔

ایک پہاڑ سی رات اور سہی......تمہارے بغیر گزار لوں گا۔

بات خوبصورت تھی۔ رملی نے نظر اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھنا چاہا تو سیاہ رنگ میں صرف اس کے چمکتے ہوئے دانت نظر آ رہے تھے۔

افوہ!

رملی کا جی پھر الٹ پلٹ ہونے لگا۔ پھر ابکائی کی سی کیفیت پیدا ہوئی......اس کے جانے کے بعد......اندر جانے کی بجائے وہ وہیں برآمدے کے گملوں کے پاس بیٹھ گئی۔

For more visit (exponovels.com)

پھر رات آ گئی تھی۔ وہی رات جس سے رملی کو خوف آتا تھا۔ اسے یوں لگتا تھا۔ رات ایک لمبے دانتوں والی سیاہ جادوگرنی ہے جو اپنے ہاتھوں کی جگہ برچھیاں اور بھالے لٹکائے آتی ہے اور اس کے احساس کی ایک ایک قبا چاک کر ڈالتی ہے۔ اسے نوچتی کھسوٹتی ہے۔ زخمی کر دیتی ہے۔

کپڑے بدل کر وہ اپنے بستر پر بیٹھ گئی۔

آج شام معاذ اس کو لے آیا تھا۔ بے جی نے اس کے لئے مزید کھانے پکائے تھے۔ کچھ دوست بھی آ گئے تھے۔ دس بجے تک کھانے کی میز پر گپ شپ ہو رہی تھی۔ اب معاذ کچھ مہمانوں کو چھوڑنے گیا تھا اور وہ تھکاوٹ کا عذر کر کے اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ اس کا سوٹ کیس ابھی تک سامنے کونے میں پڑا تھا اور اس کے اوپر اس کا وینٹی باکس Vanity Box رکھا تھا۔ یہاں آنے سے پہلے اس نے گلابی رنگ کا موتیوں کی جھالروں والا سوٹ پہنا تھا اور قرینے سے میک اپ بھی کیا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ بے جی اس کی سونی صورت پسند نہیں کرتی تھیں اور اب سونے کا لباس تبدیل کر کے اپنے بستر پر آ بیٹھی تھی۔

اس کا بیڈ روم بے حد صاف تھا۔ ہر شے چمچما رہی تھی۔ حتیٰ کہ ڈریسنگ ٹیبل کی ایک ایک شیشی چمک رہی تھی۔ اسے اچھی طرح یاد تھا جس روز وہ ہسپتال گئی تھی۔ یہاں کی ہر چیز بکھری ہوئی تھی۔ یوں بھی ڈریسنگ ٹیبل کو قرینے سے سجانے کی اسے عادت نہیں تھی۔ اب تو شیشہ نگینے کی طرح چمک رہا تھا۔ الماری کھول کر دیکھی تو سب کپڑے سلیقے سے لگے تھے۔ اسے کپڑوں کو الماریوں میں تہہ لگا کے قرینے سے رکھنے کی عادت نہ تھی۔ اسی بات پر وہ امی سے کئی بار ڈانٹ کھا چکی تھی۔ کپڑوں کے گولے بنا کر اندر گھسا تی رہتی اور ایک دن جب کوئی خاص کپڑا ڈھونڈنے کے لئے اندر ہاتھ ڈالتی تو سارے گولے نیچے گرنے شروع ہو جاتے...... مگر اب اس الماری کے ہر خانے میں کپڑے بڑی خوبصورتی سے لگے تھے۔

کیا یہ سب بے جی نے کیا ہے؟

اس نے دل میں سوچا...... نہیں اس کے دل میں آواز آئی...... بے جی کبھی کپڑوں کی الماریوں کو ہاتھ نہیں لگاتیں۔ بے جی اپنے کپڑے صندوق میں رکھتی تھیں۔ شاید یہ کام معاذ کا تھا۔ معاذ ہی نے کمرے میں بڑے خوبصورت پھول سجائے تھے۔ گلاب کی کچھ پتیاں اس کے تکیے پر بکھری تھیں۔ اس نے بیڈ کور اٹھایا تو وہ یوں ٹیڑھی میڑھی ہوئیں جیسے انہوں نے انگڑائی لے کر سانس لی ہو۔ پتیوں کی ترتیب پر غور کر کے رملی نے انہیں دیکھنا چاہا تو اس کی سمجھ میں صاف آ گیا۔ گلاب کی پتیوں سے تکئے پر رملی لکھا تھا۔

کس کس طرح وہ اسے لبھا رہا تھا۔

اس نے ٹھنڈی سانس چھوڑ کر سامنے دیکھا تو پلنگ کے عین سامنے دیوار پر ایک خوبصورت گول مٹول بچے کی تصویر لٹک رہی تھی۔ یہ تصویر کمرے میں اضافہ تھی اور تصویر بھی بالکل پلنگ کے سامنے لگائی تھی تا کہ اٹھتے بیٹھتے اس پر نظر پڑتی رہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہوگا کہ ان دنوں میں عورت جس کو زیادہ دیکھتی ہے۔ بچے کی شبیہ

For more visit (exponovels.com)

اسی پر چلی جاتی ہے۔ جس کے بارے میں زیادہ سوچتی ہے۔ بچہ اس کا عکس بن جاتا ہے۔ رملی کو جھرجھری آ گئی۔

وہ سارا دن تو معاذ کے بارے میں سوچتی تھی۔ مگر یہ سوچ منفی انداز کی تھی۔ جس میں نفرت کے سوا کچھ نہ تھا۔

رملی کو معاذ پر ترس آیا جس نے ایک حسین ترین بچے کی تصویر لا کر سامنے لٹکا دی تھی۔ چاہتا ہوگا کہ بچہ خوبصورت ہو۔ اس کی طرح مکروہ صورت نہ ہو...... اسی خوف سے رملی نے کبھی معاذ کا چہرہ غور سے نہیں دیکھا تھا۔ ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالتی اور چرا لیتی۔

کبھی کبھی وہ سوچتی اگر اس کے لڑکی پیدا ہوگئی اور اس کی ساری صورت معاذ پر چلی گئی تو کیا ہوگا......؟ نہیں نہیں...... وہ لرز جاتی۔ اگر لڑکی کی صورت معاذ پر چلی گئی تو وہ راتوں رات اس کا گلا گھونٹ دے گی۔

مگر کیا ایسا ممکن ہو سکے گا؟

رملی کی نظریں بے تابانہ سارے کمرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

پورے کمرے کا ماحول بڑا پراسرار اور رومانٹک ہو رہا تھا۔ ہر شے صاف ستھری تھی۔ پھولوں کی ہلکی ہلکی خوشبو جذبات کو چھیڑ رہی تھی۔

اردگرد کتنا حسن تھا......؟

خاص طور پر بستر......

اس پر گلابی رنگ کی پر عظر ریشمی چادر بچھی تھی۔ جس پر جا بجا دل بنا تھا جس میں ایک تیر پیوست تھا...... معاذ کے خیالات رومانٹک تھے۔ وہ زندگی میں خوبصورتیاں پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

مگر کاش...... اے کاش وہ خود بھی اتنا خوبصورت ہوتا۔

وہ بیٹھی اپنے باغی جذبوں سے لڑ رہی تھی کہ معاذ آ گیا۔ اس کو دیکھتے ہی رملی پر پھر گھبراہٹ طاری ہوگئی۔ وہ سلیپنگ سوٹ اٹھا کر غسل خانے میں گیا تو رملی بے اختیار اٹھ کر اپنے سوٹ کیس کے پاس جا بیٹھی اور کپڑے نکال کر الماریوں میں جمانے لگی۔

یہ کیا کر رہی ہو جان۔

معاذ نے آ کر اس کا بازو پکڑ لیا۔

تم یہ مشقت نہ کرو۔ صبح میں لٹکا دوں گا۔

مگر یہ مشقت نہیں ہے۔ میرا کام ہے۔

For more visit (exponovels.com)

ابھی نہیں......اس نے رملی کو پکڑ کر بستر پر بٹھا دیا۔تم کام اس وقت کیا کرو جب میں گھر میں نہیں ہوتا۔

رملی خاموش ہو گئی۔

معاذ نے اس کے کپڑے دوبارہ وہیں رکھ دیے۔

رملی کا دل ڈوبنے لگا۔وہ خاموشی سے بستر پر دراز ہو گئی اور سوچنے لگی قید کی اس رات سے کیسے بچا جائے؟پورے تین مہینے وہ معاذ سے دور رہی تھی اور تین مہینے عافیت سے گزر گئے تھے۔مگر آج کی رات سے اسے پھر ڈر آ رہا تھا۔

اپنے تھوڑے سے کام ختم کر کے معاذ اس کے پاس آ گیا۔مسکرا کر اسے دیکھا اور پھر پلنگ پر بیٹھ گیا۔

رملی نے آنکھیں موند لیں۔

اذیت کا وہی لمحہ اس کے قریب آ کھڑا ہوا تھا۔پچھلی ایک سو پچاس راتوں سے وہ اس لمحے سے تھرتھرا رہی تھی۔

اس کو معلوم تھا۔یہ لمحہ تقدیر کا پرتو ہے۔اس کو مغلوب کرلے گا۔اس کو مغلوب کرلے گا،اس کو مغلوب کرلے گا۔اپنے سارے وجود کو خالی کر کے ذرا سی دیر کو احساس کے برزخ میں رکنا پڑے گا۔اپنے من کو اپنے تن سے جدا کرنا پڑے گا۔دو حصوں میں بٹ جانا پڑے گا۔تن کسی ناپسندیدہ شخص کے حوالے کرنا ہی جی جان سے گزر جانا ہے۔پہلے بھی کئی مرتبہ اس نے اپنے تن کی گٹھڑی خالی کر دی تھی۔روح اور احساس کو نکال کر خالی خول معاذ کے حوالے کر دیا تھا۔خالی خول میں جب تخلیق کا موتی ڈال کر معاذ نے اس کے تن کو بوجھل کر دیا تو اسے اپنے وجود سے بھی گھن آنے لگی۔توبہ توبہ......کسی ایسے شخص کی محبت کا بار اٹھانا جس سے تم نفرت کرتے ہو۔اس کی خلوت کا امین بن جانا جسے دیکھنے کو جی نہ چاہے۔

نیند میں تو ایک روح اپنے آپ نکل جاتی ہے۔مگر جاگتے میں اپنی روح کا نکالنا کس قدر کٹھن کام ہے۔

ان جانکسل لمحوں سے پہلے بھی کئی بار گزری تھی۔

مگر آج پھر......!

جب معاذ اس کے قریب لیٹا تو اس نے کہا۔

پلیز بتی بجھا دیں۔

بجھا دوں بتی۔پہلے تم سے کچھ باتیں کر لوں......اتنے دنوں کے بعد آئی ہو۔

نہیں نہیں،وہ تلخی سے بولی۔

For more visit (exponovels.com)

پہلے بتی بجھا دیں۔ مجھے روشنی اچھی نہیں لگتی۔

عجیب بات ہے۔ معاذ نے اٹھ کر بتی بجھا دی۔

پھر آ کر لیٹ گیا۔

اور مدھ بھری آواز میں بولا۔

اتنی خوبصورت لڑکی کی خلوت میسر ہو اور آدمی اس کی صورت دیکھنے سے محروم رہے۔ یہ ظلم تم کیوں کرتی ہو۔

رملی خاموش رہی۔

میں تمہارے ساتھ باتیں کرتے وقت تمہاری صورت دیکھنا چاہتا ہوں۔

مجھے اندھیرے میں باتیں کرنا اچھا لگتا ہے۔

رملی نے اپنا بازو آنکھوں سے ہٹا کر جواب دیا۔

مگر تم اندھیرے میں بھی کب باتیں کرتی ہو؟ تم تو گم صم ہو جاتی ہو۔

رملی چپ ہو گئی۔

سو گئی ہو......؟

نہیں تو......!

پھر کیا بات ہے......؟

سن رہی ہوں۔ مجھے سننا اچھا لگتا ہے۔

سننے والے بھی ہنکارہ بھرتے ہیں۔

آپ سنائیں نا؟

معاذ نے اس کی طرف منہ موڑ لیا۔

رملی کا دم سینے میں گھٹنے لگا۔

اس کا بازو مضبوط تھا۔ فولاد کی طرح...... ہاتھ گرم تھا آگ کی طرح...... سانس خوشبودار تھی سوندھی مٹی کی طرح...... اس کے اندر سے ایک تڑپا دینے والی آنچ

For more visit (exponovels.com)

exponovels

آ رہی تھی......مگر رملی کا ہاتھ اس کے چہرے سے چھو گیا......وہی گڑھے......وہی اونچا نیچا چہرہ......ننھی ننھی کالی کالی کٹوریاں......!
رملی کا تن مردہ ہو گیا۔

اسے یوں لگا، ڈریکولا رفتہ رفتہ اس کے قریب آ رہا ہے......اپنے لمبے دانت اس نے اس کی گردن میں گاڑ دیے ہیں......اور اس کا لہو پی رہا ہے۔
وہ اب مری کہ......تب مری......

***

exponovels

صبح اٹھی تو یوں لگا پیاس کے صحرا میں وہ تنہا کھڑی ہے۔

پانی، پانی، پانی......!

جذبات کے تپتے الاؤ محبت کا پانی مانگ رہے ہیں۔ چاروں طرف سوکھی ریت کے بگولے ہیں اور وہ کھردرا آسمان......ایسے میں ایک مکروہ صورت آدمی پانی کا پیالہ لے کر کبھی ادھر سے نکل آتا ہے۔ کبھی ادھر سے۔

اتنی شدید پیاس کے باوجود کہ خواہشوں کے کنول ہونٹوں کی طرح مرجھائے جا رہے ہیں اس بدبودار آدمی سے پانی لے کر پینے کو دل نہیں چاہتا۔

اور اسی بدبودار آدمی نے اس کی رضا و رغبت دیکھے بغیر اس کے تن کو اپنے رشتے میں باندھ لیا تھا۔ انسانی رشتوں کی جڑ اس کے اندر پروان چڑھ رہی تھی......اسے اپنے پھولے ہوئے جسم سے گھن آنے لگی۔ جس مرد کو عورت پیار نہ کر سکے اس کے بچے کا بوجھ کیونکر برداشت کر سکتی ہے اور پھر اس کے بچے کو کیسے پال سکتی ہے؟ جس کی صورت دیکھنے کو دل نہ چاہے......اس کی تنہائیوں کی امانت اٹھائے پھرنا اور صبح کے وقت اپنی پیاسی روح کو تڑپتا اور کلبلاتا دیکھنا......اور دنیا کو ہنس ہنس کر دکھانا۔ اس سے بڑی بددیانتی اور کیا ہوگی؟

ہسپتال سے آنے کے بعد آج پھر اس کی طبیعت کسلمندی ہو گئی تھی۔ اس لئے وہ نہا دھو کر صاف ستھرے کپڑے پہن کر باہر آ گئی معاذ تو صبح آٹھ بجے ہی دفتر چلا گیا تھا۔

بے جی نے اسے دیکھ کر اپنی عینک اُتار دی اور بولیں۔

وہ جی ناشتے میں کیا لو گی......؟

جی نہیں چاہ رہا ہے جی......یہ کہہ کر وہ دھپ سے کرسی پر بیٹھ گئی اور تازہ اخبار ہاتھ میں پکڑ لیا۔ بے جی فرش پر بیٹھی میلی نواڑ کے گولے بنا رہی تھی۔ اس کو وہیں چھوڑا۔ اٹھ کر نل پر ہاتھ دھوئے پھر رطی کے قریب ہی کرسی پر آ کر بیٹھ گئیں اور کہنے لگیں۔

زردی رنگت ہو رہی ہے تیری......ویسے تو ان دنوں میں رنگ زرد ہو ہی جاتا ہے مگر تو کچھ کھاتی بھی تو نہیں۔

کھاتی تو ہوں بے جی۔

کیا کھاتی ہے؟ رات میں نے دیکھ لیا تھا۔ پودینے کی چٹنی سے ذرا سی روٹی کھائی تھی۔

بے جی مجھے کچھ اچھا نہیں لگتا۔

ہاں میں جانتی ہوں۔ پتہ نہیں یہ موئی طبیعت کب سنبھلے گی۔ طاقت کی گولیاں کھا رہی ہو نا؟

جی ہاں!

For more visit (exponovels.com)

اب خیر سے پانچواں لگا ہے۔طبیعت ٹھیک ہو جانی چاہئے۔

رملی چپ رہی۔

ایسا کرو ٹھنڈا دودھ پی لو۔

پی لوں گی بے جی۔

میں لا دیتی ہوں۔

آپ بیٹھیں...... رملی کھڑی ہو گئی۔میں خود ہی فرج میں سے لے آؤں گی۔

ارے نہیں تم بیٹھو۔اخبار دیکھو۔بے جی جلدی سے کھڑی ہو گئیں۔

اف کتنی چاق و چوبند ہیں۔رملی نے سوچا...... جب کہ کاہلی کے مارے اس کا اٹھنا محال ہے۔یہ اگلے وقتوں کے لوگ بھی کتنے برکتوں والے ہوتے ہیں۔

بے جی ٹھنڈے ٹھار دودھ کا گلاس لے آئیں ساتھ ایک سیب بھی اٹھا لائیں۔

خالی معدے دودھ نہ پیو۔اس طرح پیٹ میں تیزابیت پیدا ہوتی ہے۔

تو پہلے سیب کھا لو۔

رملی نے دونوں چیزیں پکڑ لیں۔

چھری نہیں لائی میں...... دانتوں سے کاٹ کر کھاؤ یہ موئی نئی نسل ہر کام میں چھری کانٹا استعمال کرنے لگی ہے۔اسی لئے تو سب کے دانت کمزور ہو گئے ہیں۔تم سیب دانتوں سے کاٹ کر کھایا کرو تمہارے دانت بہت خوبصورت ہیں۔ان کی حفاظت کیا کرو۔دیکھو...... مجھے دیکھو...... میرے دانت اب تک محفوظ ہیں اور مضبوط ہیں۔

یہ کس طرح ہوا بے جی...... رملی نے سیب میں دانت گاڑ کے پوچھا۔

باسی روٹی کھانے سے۔

جی......!

ہاں ہاں...... میں صبح کا ناشتہ ہمیشہ باسی روٹی سے کرتی ہوں۔باسی روٹی کو بہت چبانا پڑتا ہے۔چبانے سے دانتوں اور مسوڑھوں کی ورزش ہوتی رہتی ہے۔میں صبح کو تھوڑا سا مکھن اور باسی روٹی کھاتی ہوں اس کے بعد دودھ یا چھاچھ پی لیتی ہوں۔سارا دن کچھ کھانے کی حاجت نہیں رہتی۔ہاں بڑھاپا ہے اگر درمیان میں کمزوری محسوس ہو تو کوئی پھل وغیرہ یا بسکٹ لے لیتی ہوں۔کھانا صرف شام کو کھاتی ہوں۔رات کا کھانا اسے نہیں کھانا چاہئے کھانا سونے سے پہلے ہضم

exponovels

ہو جانا چاہئے۔بس یہ میری صحت کا راز ہے۔

بے جی..... باسی روٹی کے علاوہ اور کونسی چیزیں دانتوں کو مضبوط کرتی ہیں۔

بے جی نے رملی کے دانتوں کی تعریف کی تو اسے واقعی اپنے دانتوں کی بقاء کا خیال آ گیا۔

سخت چیزیں کھانی چاہئیں۔مثلاً گنا، گنڈیریاں، چنے، مکئی کا بھٹہ.....رملی ہنسنے لگی۔

یہ چیزیں تو ہر کوئی کھاتا ہے بے جی۔

ہر کوئی نہیں کھاتا وہ ہنسی۔

بے جی پھر اٹھ کر نواڑ کے پاس جا بیٹھیں۔

آج کل بچے ڈبل روٹی سے ناشتہ کرتے ہیں۔پراٹھا اور دہی پسند کرتے ہیں.....رات کی روٹی کھانا تو معیوب سمجھا جاتا ہے۔حالانکہ حکماء کہتے ہیں۔باسی روٹی معدے کو معتدل کر دیتی ہے۔اور گنڈیریاں، چنے کون پسند کرتے ہیں۔بچے تو چیونگم، چاکلیٹ، ٹافیاں، گولیاں پسند کرتے ہیں۔

اس پر رملی پھر ہنسنے لگی۔

چاکلیٹ اور چیونگم اس کی بھی کمزوری تھی۔

پورا سیب کھا چکنے کے بعد اس نے دودھ کا گلاس اٹھایا اور گھونٹ گھونٹ پینے لگی۔

بے جی نے احتیاطاً دودھ میں ایک چمچ روح افزاء کا ڈال دیا تھا۔جس سے دودھ کا ذائقہ بہت اچھا ہو گیا تھا۔

بے جی کتنی عقلمند ہیں۔وہ دل میں سوچنے لگی۔یہ سارے گر جانتی ہیں۔

بے جی.....وہ کرسی گھسیٹ کر ان کے قریب چلی گئی۔

یہ کیا کر رہی ہیں آپ.....؟

دور بیٹھو وہ ہنسی.....انہوں نے ہاتھ سے اس کو روکا۔

یہ میلی نواڑ ہے۔کہیں اس کی گرد سے تمہیں چھینکیں نہ آنے لگیں۔میں نے سارے پلنگ ادھڑوا لئے ہیں۔سردی شروع ہونے والی ہے۔موسم بدلنے سے پہلے پہلے سارے نواڑ دھلوا کے پلنگ پھر سے بنوالوں گی۔مجھے میلے بستر اور میلی مسہریاں پسند نہیں ہیں۔

رملی نے نظر اٹھا کر دیکھا تو چار پانچ مسہریوں کے کٹہرے ایک دوسرے میں پھنسے کھڑے تھے۔انہیں غور سے دیکھنے لگی تو دور ایک جھولا نما چیز بھی نظر آئی۔

For more visit (exponovels.com)

وہ کیا ہے بے جی......؟اس نے بے اختیار پوچھ لیا۔

تو بے جی مسکرانے لگیں۔

ابھی تجھے دکھانا نہیں چاہتی تھی۔ مگر اب تو نے پوچھ ہی لیا ہے۔تو بتائے دیتی ہوں۔ یہ میرے معاذ کا جھولا ہے۔

معاذ کا جھولا ہے......؟

رملی نے حیرت سے دہرایا اور آپ نے ابھی تک سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔

کیا صدیاں گزر گئی ہیں وہ بٹی......؟ بے جی نے مڑ کر رملی کے حیران چہرے کو دیکھا۔

خیر سے میرا معاذ ابھی تیس برس کا ہے۔تیس برس تو خواب کی طرح گزر گئے۔اس جھولے میں وہ صرف ایک سال سویا تھا۔ جب چلنے لگا تو اس کے قریب بھی نہیں جاتا تھا۔ایاز صاحب نے یہ جھولا بڑے ارمانوں سے بنوا کر دیا تھا۔مستری کو بلوا کر گھر میں بٹھا لیا تھا۔ساگوان کی لکڑی منگوا کر دی تھی۔ سارے جھولے پر چاندی کے گھونگھرو لگوائے تھے۔خالص ریشم کی ڈوریاں لگوائیں۔

رملی اٹھ کر اس جھولے کے پاس چلی گئی۔ چاندی کے گھونگھرو کالے ہو چکے تھے اور ریشم کی ڈوریاں اپنی اصلی رنگت کھو چکی تھیں۔

جھولا ویسے بہت خوبصورت تھا۔ گو رنگ و روغن اکھڑا ہوا تھا۔رملی ہاتھ سے چھو کر اسے ہلانے لگی اور تصور میں ایک چھوٹے بچے کو اس میں جھولتا دیکھنے لگی۔ اسی وقت اسے خیال آیا کہ جب معاذ پیدا ہوا ہو گا تو یقیناً اور بچوں کی طرح خوبصورت اور صحت مند ہو گا۔ سب اسے چمکارتے ہوں گے۔ پیار کرتے ہوں گے۔اس کا دل چاہا وہ بے جی سے پوچھے۔

بے جی معاذ کو چیچک کب نکلی تھی......؟اس کا رنگ کالا کیسے ہو گیا؟

کیا اس جھولے میں پڑے پڑے یا......!

لیکن بے جی خود ہی اس کے قریب آ گئیں اور وہ ایسا بے ہودہ سوال کرنے سے بچ گئی۔

بے جی کی بوڑھی آنکھوں میں ایک انوکھی چمک پیدا ہوئی اور چہرے کی ہر لکیر مسکرانے لگی۔

وہ ایک میلا کپڑا اٹھا کر جھولا جھاڑنے لگیں۔ جھاڑتے ہوئے بولیں......

یہ جھولا میں نے سنبھال کر رکھ دیا تھا اور سوچا تھا کہ معاذ کے بچے کو دوں گی۔ اللہ کا شکر ہے اس نے یہ دن دکھایا۔اب میرا پوتا خیر سے اس جھولے میں جھولے گا۔ آج میں نے اسے اسٹور سے نکلوایا ہے۔ملازم کسی مستری کو بلانے گیا ہے وہ اس کی مرمت کر کے اس پر خالص رنگ و روغن کر کے نئی ڈوریاں ڈالے گا اور چاندی کے گھونگھرو بھی

exponovels

پالش کروائے جائیں گے۔ پھر میں اپنے پوتے کے لئے نیا اور خوبصورت بستر بنواؤں گی اور اس کی پیدائش تک اس جھولے کو اپنے کمرے میں رکھ چھوڑوں گی۔

وہ جی...... ایک دم لہجہ بدل کر بولیں! میں اپنے پوتے کو اپنے کمرے میں سلاؤں گی۔ کیا خبر وہ رات کو روتا رہے اور تم اٹھ ہی نہ سکو۔

اس پر رملی کو پھر بے تحاشہ ہنسی آ گئی۔ اسے بے جی بالکل شیخ چلی نظر آنے لگیں۔ لیکن ہنس کر کہنے لگی۔

بے جی...... آپ اتنے وثوق سے پوتا پوتا کہہ رہی ہیں۔ اگر پوتی ہو گئی تو......؟

تو کیا ہے...... مجھے پوتی سات لڑکوں کے برابر ہوگی۔ میری بھی تو پہلوٹھی کی لڑکی ہی ہوئی تھی۔ مگر...... اس کا چہرہ غور سے دیکھ کر بولیں۔

تیرا چہرہ اور قرآن کہہ رہے ہیں کہ انشاءاللہ تیرے لڑکا ہوگا۔ ایسا چاند سا...... میرے معاذ جیسا۔

کھڑے کھڑے رملی کے دل میں ٹیس اٹھی۔

ہر عورت اپنے بچے کو چاند سا کہتی ہے۔ پتہ نہیں اس کا بچہ کیسا ہوگا؟ جس کے لئے اس کے دل میں ابھی تک کوئی نرم گرم گوشہ نہیں بن سکا تھا۔ ایسے لگتا تھا اس کا دل مر گیا ہے اور کبھی وہ دل میں دعا کرتی کاش ڈلیوری کے وقت وہ مر جائے۔ پتہ نہیں زندہ رہنے کی خواہش معدوم کیوں ہوتی جا رہی تھی اس کے اندر۔

رات کو بھی اکثر بھیانک خواب دیکھتی...... اور ڈر کر اٹھ جاتی۔

دھیرے دھیرے اندر کی جانب کھسکنے لگی تو بے جی نے پوچھا...... کہاں جا رہی ہو وہ جی......؟

وہ جواب دینے کی بجائے وہیں کرسی پر بیٹھ گئی۔ ٹانگوں میں سے جان نکلی جا رہی تھی۔

بے جی...... تھوڑی دیر بعد رملی نے زور لگا کر کہا۔

کبھی کبھی میں سوچتی ہوں۔ پتہ نہیں میں اتنی اچھی ماں بن سکوں گی یا نہیں جتنی اچھی ماں آپ ہیں۔

لے اور سن۔

بے جی پلٹ کر بولیں۔

نیکوں کی اولاد نیک ہوتی ہے۔ جس دن میں نے تیری ماں کو دیکھا تھا۔ بسم اللہ کہا تھا اور تیرا باپ...... واہ واہ...... سبحان اللہ...... اللہ کا نیک بندہ ہے۔ میں نے تو گھر آتے ہی معاذ سے کہہ دیا تھا کہ اللہ نے بڑے بھلے مانس لوگوں سے ملا دیا ہے اور ایک لڑکی بھی ہے ان کی چاندی...... میں تو جھولی پھیلا دوں گی ان کے آگے...... معاذ نے مجھے منع بھی کیا۔ بولا ماں اس طرح ٹھیک نہیں لگتا۔ چند دن کی تو ملاقات ہے۔ حاجی صاحب کیا سوچیں گے۔ اور جو میں اس کی سنتی تو تو آج یہاں ہوتی؟ وہ جی یاد رکھنا! والدین کو دیکھ کر لڑکی یا لڑکے کا رشتہ طے کرنا چاہئے۔ لڑکی کی ماں اس کی پالتی ہے۔ اچھے گھرانوں کی لڑکیاں ہر قسم کے حالات

For more visit (exponovels.com)

میں گزارا کر لیتی ہیں۔کوئی بات اپنی منشاء کے خلاف بھی ہو جائے تو پی جاتی ہیں۔زمانے کو تماشا نہیں دکھاتیں......میں نے اللہ سے جیسا گھرانہ مانگا تھا۔اللہ نے مجھے ویسا دے دیا۔

رملی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

(ماں باپ کی لاج نبھاؤں یا اپنے دل کی سنوں)

میں تو دن رات تیرے والدین کو دُعائیں دیتی ہوں۔جنھوں نے تیرے جیسی نیک سیرت لڑکی ہمیں دے دی۔

رملی کھڑی ہو گئی۔

تم بھی انشاءاللہ ویسی ہی ماں ہو گی۔ابھی تو خود بچی ہو۔

رملی نے اپنے آنسو پلکوں پر روکے اور کانپتی آواز میں صرف اتنا کہا۔

بے جی......میرے خیال میں آپ خود ایک آئیڈیل ماں ہیں۔اللہ ایسی ماں ہر ایک کو دے۔

اور پھر ہولے ہولے قدم دھرتی اپنے کمرے میں آ گئی۔گیلے بال خشک ہو گئے تھے۔ان کو چھوکر جو شیشے سے آنکھ ملائی تو پلکوں میں پھنسے ہوئے کئی آنسو ادھر ادھر لڑھک گئے۔

ابا جی نے کہا تھا۔

ہماری لڑکی میں لچک ہے۔ہر قسم کے حالات میں ڈھل جاتی ہے۔

بے جی کہتی ہیں۔

تو نیکوں کی اولاد ہے۔تیری تربیت میں کھوٹ نہیں۔

دل کہتا ہے۔بھاگ جا یہاں سے......بھاگ جا......ایک زندگی اور وہ بھی اتنی قیمتی......ایک دل اور اس کو یوں ساری عمر تڑپتا دیکھوں گی......اور زندگی کی انمول راتیں......ایک کالے دیو کی نذر کرتی رہوں گی۔

اُف خدایا:

وہ بے جان ہو کر اپنے بستر پر گر گئی۔

***

exponovels

اس روز صبح ہی صبح امی کا فون آ گیا۔انہوں نے بتایا کہ کسریٰ باجی کے میاں کا راولپنڈی میں ٹرانسفر ہو گیا ہے۔ پرسوں وہ لوگ جا رہے ہیں اور کل امی جان نے سارے خاندان کو بلایا ہے کھانے پر تم بے جی اور معاذ بھی آ جانا۔

رملی نے یہ سنتے ہی بے جی کو بتا دیا۔معاذ اس وقت دفتر گیا ہوا تھا۔بے جی خوش دلی سے بولیں۔

ضرور چلوں گی۔

پھر تھوڑی دیر ٹھہر کر جیسے انہیں کچھ یاد آ گیا۔کہنے لگیں۔

وہ بچی تم تو جانتی ہو۔میں رات کا کھانا تو شام کے چھ بجے ہی کھا لیتی ہوں۔دیر سے کھانا کھاؤں گی تو مجھ سے عشاء کی نماز نہیں پڑھی جاتی اور دعوتوں میں لوگ عام طور پر دیر سے کھانا کھاتے ہیں۔

ہاں میں جانتی ہوں رملی نے مسکرا کر کہا۔

بس مجھے وہاں کھانا کھانے پر مجبور نہ کرنا۔ ویسے میرا دل بہت چاہ رہا ہے جانے کو......اسی بہانے تمہاری امی اور بہنوں سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔کسریٰ تو ویسے بھی مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔

ہاں کسریٰ باجی ہر ایک کو اچھی لگتی تھیں۔

کسریٰ باجی رملی سے تین سال بڑی تھی اور دو سال پہلے ان کی شادی ہوئی تھی۔

پہلے سال ایک بیٹی ہوئی تھی اور ان دنوں پھر اُمید سے تھیں۔ بیزار تھیں اور حد درجہ تنگ......ان کے شوہر اتنے ہی رنگین مزاج اور زندہ دل تھے۔آج یہاں تو کل وہاں انہیں گھومنے پھرنے میں بہت مزہ آتا تھا۔بنک میں ملازم تھے۔نام شاندار جمال اور دیکھنے میں بڑی شاندار پرسنلٹی رکھتے تھے۔کسریٰ باجی اپنی ساری بہنوں میں کم رو تھیں۔بڑی دونوں بہنیں طوبیٰ آپا اور خضریٰ آپا بہت حسین تھیں۔ان دونوں کے شوہر بس مناسب ہی تھے۔خوش اخلاق اور سلیقہ مندی کی وجہ سے وہ دونوں اپنے اپنے گھر میں خوش تھیں۔دونوں کے شوہر کاروباری تھے۔کسریٰ باجی کا قد بھی چھوٹا تھا اور رنگ بھی سانولا تھا۔سب کہتے تھے یہ اپنی ایک پھوپھی پہ چلی گئی ہے۔

مگر صورت سے پھوباجی نے جو مار کھائی تھی اسے مزاج میں پورا کر دکھایا تھا۔ایسی خوش مزاج شیریں گفتار اور سگھڑ ہنر مند تھیں کہ راہ جاتوں کا دل موہ لیتیں۔سب کہتے تھے اپنی اچھی عادتوں کی وجہ سے پھوباجی اپنے گھر میں راج کریں گی۔انہیں لوگوں کو دیوانہ بنانا آتا ہے اور واقعی انہیں ایسا خوبرو بانکا چھبیلا دولہا ملا تھا سب دیکھ کر دنگ رہ گئے تھے۔

exponovels

رملی کو خاص طور پر شان بھائی بہت پسند آئے تھے۔ واہ واہ...... کیا قد و قامت تھی جیسے کھجور کا سیدھا سالم اور سدا بہار درخت۔

کھلاڑیوں جیسی چوڑی چھاتی...... صاف رنگت اور خوبصورت بال...... بالکل کسی انگریزی فلم کے ہیرو لگتے اور پھر ایسا شگفتہ مزاج کہ ہنسا ہنسا کر پیٹ میں بل ڈال دیتے۔ رملی اور شان بھائی کی بڑی جلدی دوستی ہو گئی تھی۔ اسے تنگ بھی بہت کرتے اور پیار بھی بہت کرتے۔

پیار تو رملی کو پھوبا جی بھی بہت کرتی تھیں۔ شادی سے پہلے بھی دونوں ایک جان دو قالب تھیں۔ کیونکہ دونوں کا فرق بہت کم تھا اور بڑی دونوں بہنوں کی شادی کے بعد دونوں کو اکٹھے رہنے کا بہت موقع ملا تھا۔ ان کی شادی ہو گئی تو بھی ذرا ذرا سی بات لے کر رملی پھوبا جی کے ہاں دوڑ پڑتی...... مگر اب پھوبا جی اپنی مصیبتوں میں پڑ گئی تھیں اور وہ ان کا مذاق اڑاتے اڑاتے خود پھنس گئی تھی۔

کئی دنوں سے سوچ رہی تھی پھوبا جی کے ہاں جائے اور دل کا بوجھ ہلکا کر کے آئے مگر ان کی ٹرانسفری کی خبر سنی تو آزردہ ہو گئی۔ بڑی دونوں بہنیں اسی شہر میں رہتی تھیں اور ظاہر ہے پھوبا جی خود کتنی سوگوار ہوں گی۔

رملی اندر آ کر اپنے کپڑوں کی الماری کھول کر کھڑی ہو گئی یہ دیکھنے کے لئے کہ رات کو کون سے کپڑے پہن کر جائے گی۔ ساتھ ہی ساتھ سوچ رہی تھی اے کاش معاذ اس کے ساتھ نہ جائے وہاں سارا خاندان اکٹھا ہوگا۔ جب لوگ اسے معاذ کے ساتھ دیکھتے تو اسے بہت شرم آتی جی چاہتا زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔

اس کے بعض رشتہ دار جن کو وہ گھاس نہیں ڈالتی تھی۔ بڑی طنزیہ نظروں سے دیکھتے تھے اور بات کرتے وقت کوئی کچوکا لگا دیتے تھے۔ وہ اندر ہی اندر ٹوٹ پھوٹ کر رہ جاتی۔

جاری ہے...

For more visit (exponovels.com)

exponovels

شام کو معاذ آیا تو رملی نے آہستہ سے امی جان کا پیغام دے دیا۔ خوش ہو کر بولا۔

ضرور چلیں گے۔ کسریٰ باجی تو میری فیورٹ سالی ہے۔ ان سے ملنے جاؤں گا...... کتنے بجے چلیں گے؟

میں ذرا چائے پی لوں اور نہا دھو کر کپڑے بدل لوں۔

(اونہہ...... رملی نے اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا کر کہا۔ جیسے کپڑے بدل کر اور نہا دھو کر تمہارا روپ ہی بدل جائے گا)

اتنی دیر میں تم تو تیار ہو جاؤ اور کیا بے جی بھی جا رہی ہیں؟

جی ہاں...... امی نے کہا تھا انہیں ضرور لائیں اور وہ بھی جانا چاہتی ہیں۔

کیا وہ اتنی دیر بیٹھ سکیں گی؟

کیوں نہیں بیٹھیں گی...... وہ تو اپنی خوشی سے جا رہی ہیں۔

تو ٹھیک ہے۔ مجھے چائے دے کر تم جاؤ، تیاری شروع کرو۔

معاذ باہر نکل کر برآمدے میں بیٹھ گیا۔

بے جی پہلے ہی سفید چکن کی قمیض، سفید سلک کی شلوار اور ملتانی کشیدے کا سفید دوپٹہ اوڑھے ٹرالی پر چائے کا سامان لگائے بیٹھی تھیں۔ معاذ تھوڑی دیر کے لئے وہاں بیٹھ گیا۔ بے جی کے ساتھ گپ شپ لگائی۔ پھر چائے پی کر اندر آ گیا۔ دیکھا تو رملی تیار ہو چکی تھی۔ میکے جانا ہو تو یہ لڑکیاں کتنی جلدی تیار ہوتی ہیں۔ معاذ نے اس کی طرف دیکھ کر سوچا۔

آج اس نے گلابی رنگ کی پرحدّ ساڑھی پہنی تھی اور اس کو اپنے پیٹ کے ارد گرد اس طرح لپیٹا تھا کہ پیٹ نمایاں نہ ہو...... لیکن پیٹ پھر بھی چغلی کھا رہا تھا۔ آج کل اسے کوئی قمیض پوری نہ آتی تھی...... ساڑھی کو یوں لپیٹنے سے بھرے بھرے کولہے نمایاں ہو گئے تھے۔ چہرے پر ایک آسمانی چھب تھی۔ جو تخلیق کے ان لمحوں میں عورت کا مقدر بن جاتی ہے۔ آنکھیں چمک رہی تھیں۔ مگر ہونٹوں پر سوز تھا۔

ٹھہری ٹھہری...... اُداس اُداس...... گم صم...... بیزار سی...... اکھڑی ہوئی...... مگر سنوری ہوئی...... وہ عجیب طرح خوبصورت لگ رہی تھی۔

معاذ اس کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا اور حیرت سے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے بولا۔

میک اَپ نہیں کرو گی......؟

رملی نے منہ پھیر لیا۔

exponovels

اچھا نہیں لگتا۔

کیا میں یا میک اپ......

رملی لرز گئی۔ اس نے آنکھیں جھکا لیں۔ کہیں آنکھیں تو سارا راز فاش نہیں کر رہیں۔

مجھے آج کل خوشبو اچھی نہیں لگتی......لپ اسٹک کی خوشبو، پاؤڈر کی خوشبو یا......ٹوتھ پیسٹ وغیرہ کی خوشبو......کولون......پرفیوم......ہر چیز......!

ہر چیز میں کہیں میں بھی شامل تو نہیں......معاذ شوخی سے اس کے رخسار چھو کر بولا۔

رملی ایک دم خاموش ہو گئی۔

وہ اور قریب آیا تو وہ پیچھے ہٹ گئی۔

میں بھی برا لگتا ہوں......؟

نہیں......وہ گھبرا کر جلدی سے بولی......مگر یہ خوشبو......جو آپ لگاتے ہیں......یہ سگریٹ کی خوشبو، آفٹر شیو کی خوشبو......بس ہر قسم کی خوشبو سے وحشت ہوتی ہے۔

تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا مجھے......معاذ پیار سے بولا، یہ تو ایک قدرتی تبدیلی ہے آج سے میں خوشبو لگانا بند کر دوں گا۔

نہیں نہیں آپ سب کچھ کریں گے مگر مجھے۔

وہ پھر کہتے کہتے رک گئی۔

یہ کیا کہنے چلی تھی وہ......

مگر مجھے ہاتھ نہ لگائیں بس......معاذ نے فقرا پورا کر دیا اور پھر زور زور سے ہنسنے لگا۔ (کیسا واہیات لگ رہا تھا ہنستا ہوا)

بھئی کیوں ہاتھ نہ لگاؤں......؟

وہ آگے بڑھ آیا اور اس کا بازو تھام لیا......!

اس قدر خوبصورت ہو رہی ہو تم آج کل......کہ جی چاہتا ہے تم پر سے قربان ہو جاؤں......!

(کاش ہو جاؤ)

اس قدر روپ ہے تم پر آج کل کہ نظر بھر کر نہیں دیکھتا۔ کہیں نظر نہ لگ جائے......(کہیں نظر بٹو کی بھی نظر لگی ہے)

For more visit (exponovels.com)

رملی کا جی چاہا کہ کھلکھلا کر ہنس دے...... بھلا ایک بدصورت آدمی کے بچے کا روپ اتنا نکھرا ہوا کیسے ہوسکتا ہے۔

معاذ اسے شرماتا دیکھ کر ذرا شوخ ہونا چاہتا تھا۔ اس پر رملی نے جلدی سے کہا۔

سات بج گئے ہیں ذرا جلدی کریں۔ ”پلیز“

اوہ سات بج گئے...... یہ کہہ کر معاذ نے رملی کو چھوڑا اور غسل خانے کی طرف رخ کیا۔

اور رملی اپنے دل میں کروٹیں لینے والی نفرت اور چہرے سے ظاہر ہونے والی اذیت کو جیسے تھپکیاں دے دے کر سلانے لگی اور اس کے ساتھ امی کے ہاں جانے پر اپنے دل اور دماغ کو راضی کرنے لگی۔

***

exponovels

رملی اپنے منہ پر تکیہ رکھے یوں لیٹی تھی۔ جیسے آنکھوں کے گرد ہر روشنی بجھا کر وہ اندھیروں میں منہ چھپالینا چاہتی ہو۔

شادی شدہ زندگی کی سب راتیں اپنے اختیار میں نہیں ہوتیں لیکن جب ان میں اپنی رضا اور خوشی شامل نہ ہو تو یہ راتیں قبر کی راتیں بن جاتی ہیں......آہ......!

''رات کیا آتی ہے مجھ پر کہ عذاب آتا ہے۔''

وہ لیٹی ہوئی یہی سوچ رہی تھی۔ کبھی کبھی کوئی بے اختیار سا آنسو لڑھک کر کان کی کٹوری میں آجاتا تھا کان ذرا سا ٹیڑھا کر کے جسے وہ نکال دیتی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ پیٹ پر رکھے ہوئے تھے اپنے پیٹ کا اُبھار اور سختی صاف محسوس ہو رہی تھی اور کبھی کبھی ہاتھ کے دباؤ کے نیچے ہلکی سی جنبش ہوتی تھی تو وہ چونک جاتی...... ڈر جاتی......!

یہ جنبش......!

یہ جنبش......!

اس کے خون کی شریانوں میں نہ رم جھم کا سماں پیدا کرتی، نہ اس کے احساس پر پھولوں اور کلیوں کی بارش ہونے لگتی۔ اس وقت وہ تصور میں اپنے بچے کو مجسم کرنا چاہتی۔

ایسا نہیں کہ اس نے نومولود دیکھے نہیں تھے۔ اپنی تین بہنوں اور دو بھائیوں کے بچے دیکھے تھے۔ ان کو اُٹھایا تھا، ان کو کھلایا تھا۔ اس نے بچوں سے بیزاری کا اظہار کبھی نہیں کیا تھا۔ بلکہ خوشبودار چکیلے...... چکیلے بچے اسے اچھے لگتے تھے۔ مگر پتہ نہیں کیوں اس کا اپنا بچہ اس کے تصور کے بازوؤں میں نہیں آتا تھا۔ بچے کی شبیہ دیکھنے کے لئے آنکھیں بند کر کے اپنے دل میں غوطہ لگاتی تو معاذ کا چہرہ سامنے آجاتا۔ اف اللہ......اسے ابکائی آنے لگتی۔

عجیب دور سے گزر رہی تھی۔

اور پھر جس رات معاذ وصل اور دیوانگی کو یکجا کر دیتا۔ صبح اس کی طبیعت بہت خراب ہو جاتی، وہ سوچتی کہ کب تک...... آخر کب تک...... وہ تن کے لٹنے پر من کی آہ و بکا سنتی رہے گی۔

یہ لٹنا نہیں ہے۔ اس کا دماغ کہتا۔

یہ شادی شدہ زندگی کا حسن ہے اور عین شرح کے مطابق ہے۔

تب اسے کوئی جائے قرار نہ ملتی بس یونہی تکیہ منہ پر رکھ کر چہرے کو اندھیری غار میں چھپا لیتی۔ آنکھیں موند لیتی......اور اندر باہر کی آوازوں سے چھپ جاتی۔

اتنے میں بے جی اسے پکارتی ہوئی اندر آ گئیں۔

For more visit (exponovels.com)

exponovels

اے ووجتی...... اے ووجتی۔

اس نے پھر بھی تکیہ منہ سے نہیں ہٹایا تو زور سے بولیں۔

کیسی ہو وونجی...... طبیعت زیادہ خراب تو نہیں......؟

جی نہیں...... وہ خیالوں سے نکلی اور تکیہ دور پھینک کر اٹھ بیٹھی۔

پھر اس طرح کیوں لیٹی ہو......؟

بس...... سستی سی ہو رہی ہے۔ وہ اپنے لمبے بال لپیٹنے لگی۔

تمہاری امی کا فون آیا ہے۔ تم سے بات کرنا چاہتی ہیں۔

اچھا۔

وہ جلدی سے کھڑی ہو گئی۔ سلیپر پہنے اور اپنی قمیض درست کرتی ہوئی باہر بھاگی۔

کیا بات ہے تمہاری آواز کچھ بھاری سی ہو رہی ہے۔

امی نے چھوٹتے ہی سوال کیا۔

سو رہی تھی امی اور کچھ نہیں۔

ابھی تک سو رہی تھی......؟ امی کے لہجے میں سرزنش تھی۔

جی...... رملی نے شرمندگی سے ہنس کر کہا۔

صبح صبح اُٹھا کرو اور نماز پڑھا کرو۔ کیا نماز پڑھنے کی عادت چھوٹ گئی ہے؟

اچھا امی...... رملی نے بس اتنا کہا۔

کیا کہتی ہو گی تمہاری ساس۔

امی وہ کچھ نہیں کہتیں۔ بہت اچھی ہیں۔

بہت اچھی ہیں تبھی تو تم نو بجے تک سو رہی تھیں۔

رملی دکھ سے مسکرائی۔ اب وہ کیا بتاتی کہ وہ تو پچھلی رات سے جاگ رہی ہے

exponovels

اچھا آپ بتائیں امی آپ کیسی ہیں۔ ابا جی کیسے ہیں؟

سب ٹھیک ہیں۔ امی بولیں۔

میں آج شام کو چنڈی جا رہی ہوں۔

خیریت تو ہے......؟

ہاں......خیریت تو ہے۔ شان کا فون آیا تھا۔ کسریٰ کو تکلیف ہو رہی ہے۔ اس نے وہاں جا کر گھر کو سیٹ کرنے میں مشقت کی ہوگی۔ اس لئے قبل از وقت تکلیف شروع ہوگئی ہے۔ شان نے اسے ہسپتال میں تو داخل کروا دیا ہے۔ مگر وہاں اس کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں۔ سوچا ہے میں چند دنوں کے لئے چلی جاؤں۔

ہاں امی: آپ ضرور چلی جائیں۔

رملی نے جلدی سے کہا۔ پھوبا جی کی بچی بھی چھوٹی ہے۔ اگر وہ ہسپتال میں ہیں تو اسے کون دیکھے گا۔

تمہاری طبیعت کیسی ہے اب......؟

میں تو بالکل ٹھیک ہوں امی۔

تم بھی ذرا احتیاط کیا کرو۔

جی اچھا امی۔

اچھا خدا حافظ......وہاں سے تمہیں فون کروں گی۔

امی......رملی ایک دم بولی۔

میرا بھی چنڈی جانے کو جی چاہتا ہے۔

امی نے کوئی جواب نہیں دیا تو بولی۔

پھوبا جی کے لئے دل اداس ہو رہا ہے۔

ٹھیک ہے پہلے مجھے جانے دو۔ میں وہاں کے حالات دیکھ آؤں......پھر تم معاذ اور بے جی سے مشورہ کرنا۔ اگر انہوں نے اجازت دے دی تو ایک ہفتے کے لئے آ جانا۔ نئی نئی شادی میں یوں ہر وقت گھر سے دور رہنا ٹھیک نہیں ہوتا۔

امی جان......انہی کی اجازت سے تو آؤں گی۔ اگر یہ لوگ اجازت نہیں دیں گے تو نہیں آؤں گی۔

exponovels

ہاں……پھر ٹھیک ہے۔اچھا بیٹا خدا حافظ……!

خدا حافظ امی۔

رملی اپنے پاؤں گھسیٹتی ہوئی آئی اور غسل خانے میں چلی گئی۔نہا دھو کر باہر نکلی تو طبیعت کافی بشاش ہو چکی تھی۔ناشتہ کرنے کے بعد بے جی کے پاس ہی بیٹھ گئی اور انہیں امی جان کے فون کے بارے میں تفصیلات بتانے لگی۔مگر ابھی پنڈی جانے کی بات نہیں کی۔

تیسرے دن امی کا فون پنڈی سے آیا۔انہوں نے بتایا کہ کسریٰ کے ہاں دوسری بیٹی پیدا ہوئی ہے۔اسی وقت رملی کا دل چاہا کہ فوراً پھوپھا جی کے پاس چلی جائے۔

ایک ہفتے بعد جب پھوپھا جی ہسپتال سے گھر آگئیں تو اس نے فون پر ان سے بات کی اور اپنی خواہش کا اظہار کیا تو پھوپھا جی بولیں۔

رمو خدا کی قسم آج کل تیری بہت ضرورت ہے۔آجا……امی بھی آج کل میں واپس جانے کا سوچ رہی ہیں۔

رملی اب اس انتظار میں رہنے لگی کہ بے جی سے بات کرے۔

پھر ایک دن موقع مل ہی گیا۔چپکے سے ان کے پاس جا بیٹھی اور کہنے لگی۔

بے جی……بے جی……اگر آپ اجازت دیں تو میں چند دنوں کے لئے پنڈی چلی جاؤں پھوپھا جی کی بیٹی پیدا ہوئی ہے۔امی جان واپس آگئی ہیں اور وہ آج کل اکیلی ہیں۔انہوں نے مجھے بلایا ہے۔

بے جی نے حسب عادت عینک اُتار کر پہلے اس کی طرف غور سے دیکھا اس کی آنکھوں کی التجا پڑھی اور بولیں۔

معاذ آئے تو اس سے بات کرنا۔

بے جی پلیز……رملی نے مچل کر کہا۔پہلے آپ ہاں کہہ دیں نا؟پھر میں معاذ سے پوچھ لوں گی۔

دیوانی ہوئی ہے لڑکی،شوہر کی بجائے مجھ سے پوچھ رہی ہے۔

نہیں بے جی……میں تو آپ سے پوچھوں گی……ان سے مجھے ڈر لگتا ہے۔

کیا وہ ڈراتا ہے تجھے……؟

نہیں……رملی ہنس پڑی۔ایسے ہی اگر انہوں نے انکار کر دیا تو پھر میں کچھ بھی نہ کہہ سکوں گی۔

اے بیویاں ہزاروں باتیں منوا لیتی ہیں۔تو اتنی سی بات بھی نہیں منوا سکتی

For more visit (exponovels.com)

نہیں بے جی...... رملی نے قریب ہو کر ان کا بازو پکڑ لیا۔ پہلے آپ اجازت دے دیں نا؟

میری طرف سے تو اجازت ہے۔ بے جی ہنس کر بولیں۔ چلی جاؤ چند دنوں کے لئے۔

ہائے بے جی...... آپ کتنی اچھی ہیں...... رملی نے ان کے کندھے پر سر رکھ دیا۔

بے جی ہنسنے لگیں۔

وہ بھی ہوش کر کچھ دنوں میں تو بچے کی ماں بننے والی ہے۔

ہاں...... مگر بے جی...... رملی بے خیال میں بولی۔ شام کو معاذ آئیں گے نا؟ تو پہلے آپ بات کریں گی۔

کیوں......؟

بس بے جی مجھے شرم آتی ہے۔ وہ کہیں گے، ابھی ایک مہینہ امی کے گھر رہ کے آئی ہے اور اب......!

ہاں کہے گا تو وہ ٹھیک۔ تو ہی اس بات کا جواب دے لینا۔

ہائے بے جی...... اگر آپ بات نہیں کریں گی تو میں رو دوں گی۔

وہ سچ مچ رو پڑی۔

پگلی...... کروں گی بات...... مگر اپنے شوہر سے شرم نہیں کرنی چاہئے۔ ایک ہی تو رشتہ ایسا ہے جس سے ہر قسم کی بات ہو سکتی ہے۔

(آپ نہیں جانتی بے جی...... اسی رشتے میں کھائیاں اور کھنڈ حائل ہو جائیں تو بہت بے جان رشتہ ہو جاتا ہے)

شام کو معاذ دفتر سے آیا تو بے جی وہیں برآمدے میں بیٹھی تھیں۔ اسے وہیں روک لیا۔ رملی اور بیویوں کے برعکس دل سے چاہا کرتی تھی کہ معاذ دفتر سے آتے ہی پہلے اپنی ماں کے پاس رُک جایا کرے۔ اسے اس کا والہانہ پن اچھا نہیں لگتا تھا۔ حالانکہ اس کی کزنز اور سہیلیاں اکثر اس بات کی شکایت کرتی تھیں کہ ان کے شوہر پہلے ماں کے حضور حاضری دیتے ہیں اور یہ بات انہیں بہت بری لگتی ہے۔ وہ حیران ہوتی تھی کہ وہ اس بات سے کیوں جلتی ہیں؟ جب کہ اسے بے جی معاذ سے کہیں زیادہ اچھی لگتی ہیں اور وہ چاہتی تھی کہ معاذ اپنا زیادہ وقت بے جی کے ساتھ ہی گزارے۔ وہ اپنے بیڈروم میں آتا تو رملی کی جان پہ بن جاتی۔

اب جو بے جی نے باہر روک لیا تو خوش ہو گئی۔ آج تو انہوں نے پنڈی جانے کی بات بھی کرنا تھی۔ بہرحال اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد بے جی قرینے سے بولیں۔

اے تو سنا تیری سالی کے بیٹی پیدا ہوئی ہے۔

For more visit (exponovels.com)

ہاں معاذ بولا۔رملی نے بتایا تھا۔

تو نے مبارک باد دی۔

رملی نے جو فون کر دیا تھا۔

تم بھی کسی روز بات کر لیتے۔

کر لوں گا۔

رملی تو خود جانا چاہتی ہے مبارک باد دینے کے لئے۔

آپ سے کس نے کہا۔

خود ہی پوچھ رہی تھی۔

پھر آپ نے کیا کہا۔

میں نے اجازت دے دی۔

دے دی اجازت..... معاذ کے لہجے کی حیرت نمایاں تھی۔

ہاں:

بے جی اس حالت میں وہ سفر کرے گی......؟

ابھی کوئی حرج نہیں ...... بے جی نے بے پروائی سے کہا۔

مگر...... آپ...... اسے اپنے پاس رکھیں نا؟ ہر جمعرات کو وہ میکے چلی جاتی ہے۔اس طرح تو اسے گھر رہنے کی عادت نہیں پڑے گی۔

سب پڑ جائے گی۔بچہ ہونے کی دیر ہے۔بچہ زنجیر ہوتا ہے۔ساری دنیا سے ماں کو کاٹ کر اپنے ساتھ باندھ لیتا ہے۔ابھی بے چاری فارغ ہے تو چار دن عیش کیوں نہ کرلے۔

مگر بے جی...... آپ اس کی عادتیں خراب کر رہی ہیں۔اسے گھر کے کاموں کی عادت ڈالیں۔

کام ہی کتنا ہے......؟ ابھی اس کے ہنسنے کھیلنے کے دن ہیں۔دو چار بچے ہو گئے تو زندگی بھر ان کے بکھیڑوں میں پڑی رہے گی۔

بعد میں اس کی غیر ذمہ دارانہ حرکتوں کا گلہ مجھ سے نہ کریں۔

exponovels

کیوں کروں گی......؟لڑکی شریف طبیعت کی ہے۔رفتہ رفتہ سب سکھالوں گی۔

بہرحال شروع میں سختی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔آپ تو ساس لگتی نہیں؟

میں کیوں لگوں روایتی ساس......بیٹی بنا کر لائی ہوں اسے......میری کون سی زیادہ اولاد ہے۔تیرے بعد وہی ہے جو کچھ ہے۔میں اسے آزردہ نہیں دیکھ سکتی۔وہ اونچے گھرانے کی بچی ہے۔میں اس سے کسی گھٹیا حرکت کی توقع نہیں رکھ سکتی۔میرا بہت ادب کرتی ہے۔تیرا بھی لحاظ کرتی ہے۔اجازت کے بغیر گھر سے قدم باہر نہیں نکالتی۔کیوں خواہ مخواہ سختی کروں......؟

اندر لیٹی لیٹی رملی دل مسوس کر رہ گئی۔

ہائے......یہی ایک بات اسے مار رہی تھی......کہ وہ حاجی صاحب کی بیٹی ہے تھوڑی دیر ماں بیٹا اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔

رملی جان بوجھ کر غسل خانے میں چلی گئی۔جب واپس آئی تو معاذ کمرے میں آچکا تھا۔رملی نے اس سے نظر نہیں ملائی تو وہ خود ہی مسکرا کر بولا۔

تو بے جی کو رام کرلیا ہے تم نے بالا ہی بالا......

رملی بڑی شائستگی سے ہنس پڑی۔

اجازت تو آپ سے بھی لینا تھی۔

وہ اس کے قریب آگیا۔اس کے کالے کالے ہاتھ دیکھتے ہی رملی ادھر ادھر بچنے کا بہانہ ڈھونڈنے لگی۔مگر اس نے اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ لیا اور پوچھنے لگا۔

تمہارا دل نہیں لگتا یہاں؟

یہ بات نہیں ہے۔وہ اس کے چہرے سے چہرہ پرے ہٹا کر بولی۔

پھوپھو جی نے فون کیا تھا۔مجھے بلایا ہے۔کہہ رہی تھیں......پھر تم خود مصروف ہو جاؤ گی۔چند دن آکر میرے پاس رہ جاؤ۔

ہاں......معاذ ہنسا......اچھا جواز ہے۔اور بڑے پیار سے دھیرے سے اس کے پیٹ کو چھوا۔

اللہ کرے تم جلدی مصروف ہو جاؤ۔تمہارے پاؤں میں ایسی کئی زنجیریں پڑ جائیں اور تم کبھی بھی کہیں نہ جا سکو۔

رملی نے اپنا آپ چھڑھایا اور آکر پلنگ پر بیٹھ گئی اور غور سے اپنے پاؤں دیکھنے لگی۔پتہ نہیں موٹے ہو گئے تھے یا سوجن آگئی تھی۔عجیب حلیہ ہو رہا تھا۔جیسے سارے جسم میں ہولے ہولے پھونک بھر رہی ہو......ایسے میں لوگ عورت کو خوبصورت کیوں کہتے ہیں۔کیسے احمق لوگ ہیں۔

تو کب جانا چاہتی ہو......؟

For more visit (exponovels.com)

معاذ بھی اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔اس میں سے ایک عجیب سی گرم بھاپ نکل رہی تھی۔ جسے خوشبو بھی نہیں کہا جا سکتا۔گو پچھلے دنوں رملی کو ہر قسم کی خوشبوئیں بری لگتی تھیں۔ مگر اب ایک دم طبیعت سنبھل گئی تھی اس کی نظر بے اختیار ڈریسنگ ٹیبل کی طرف اٹھ گئی۔وہاں بے شمار خوشبو سے بھری شیشیاں پڑی تھیں...... پتہ نہیں کون سی خوشبو استعمال کرتا تھا۔اس کے پاس ہمیشہ ایک مدھری خوشبو رہتی تھی۔

(ہائے اچھی خوشبوئیں استعمال کرنے سے کہیں صورت کا گھناؤنا پن بدلا ہے......؟)

جب آپ بھیج دیں......؟

یعنی میں بھیج دوں......؟

اس نے رملی کے کندھے پر اپنا مضبوط بازو رکھا اور بولا۔

قیامت ہے جو ہووے مدعی کا ہم سفر غالب
وہ کافر کہ خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے

مجھے اتنے مشکل شعروں کا مطلب نہیں آتا۔

رملی نے چڑ کر کہا۔

تمہیں تو کسی شے کا مطلب نہیں آتا۔معاذ کی آواز میں گلے ہی گلے تھے۔

رملی خاموش ہو گئی۔

اس کا چپک کر بیٹھنا بھی برا لگ رہا تھا۔

پھر معاذ خود ہی بولا۔اگر تم اس ہفتے رک جاؤ تو اگلے ویک اینڈ پر میں خود تمہیں چھوڑ آؤں گا۔

آپ......آپ کیسے......الفاظ رملی کے گلے میں اٹک گئے۔

مجھے بھی ایک دفتری کام سے جانا ہے۔اپنی موٹر پر جاؤں گا۔تمہیں بحفاظت پہنچا دوں گا بلکہ دو تین دن تمہارے پاس رہ لوں گا۔اگر تم گوارا کرو تو...... یا اجازت ہو تو......

رملی نے ڈرتے ڈرتے اس کا چہرہ دیکھا......وہاں وہیں اماوس کی کالی رات تہہ در تہہ چھپی ہوئی تھی۔کڑوا سا گھونٹ نگل کر بولی۔

''جس طرح آپ کی مرضی۔''

رملی.....تم ضد کیوں نہیں کرتی ہو؟

کیا ضد کروں......؟

مثلاً اپنی کوئی بات منوانے کے لئے......لڑو......جھگڑو......چیخو......چلاؤ......مجھے کوسو......اس طرح باتیں منوا کے عورتیں مردوں کو اپنی محبت کا یقین دلاتی ہیں۔

جو عورت اپنے شوہر سے نہیں لڑتی......وہ اپنے استحقاق کو نہیں پہچانتی، یا پھر......

مجھے نہیں آتا......وہ دلگیری آواز میں بولی۔

یا لڑنا چاہتی ہو......؟

آپ اتنے اچھے ہیں۔ ہر بات کو مان لیتے ہیں تو میں کیوں لڑوں......اس نے پہلی بار بات بنائی۔

کبھی کبھی مجھے یوں لگتا ہے تم ہنسنا نہیں چاہتی ہو......بولنا نہیں چاہتی ہو اور......اور پیار کرنا نہیں چاہتی ہو۔

ایک بڑی سی برچھی رملی کے کلیجے کے پار اتر گئی۔

کتنا چھپایا من کا بھید......دل تو ندیا جتنا گہرا ہے......پر چہرہ آئینہ بن جاتا ہے۔ چہرے کو کن بادلوں میں چھپاؤں......کہ برسات کا دھواں باہر نہ نکلے......اتنی دراڑیں کیسے چھپاؤں، کیسے بتاؤں کہ جینے کو بھی جی نہیں چاہتا۔

رملی نے گردن جھکا لی۔ آنکھوں میں کڑوے کڑوے آنسو آیا ہی چاہتے تھے۔ گلے میں گولے سے لٹک رہے تھے۔ تن لرزنے لگا تھا۔

ضدیں تو محبت کرواتی ہے۔

ضدیں تو لاڈ کا بہروپ ہوتی ہیں۔

ظالم مجھے تو سیاہ ناگ نے ڈس رکھا ہے......سبز زہر اسیر ہو گئی ہوں......کیسے کہوں کہ پھنیر سانپ کے آگے مسکرایا نہیں جاتا۔

ٹوٹے دل کی کرچیاں چن کر چل تو پڑی ہوں۔ پر کرچیوں کا کیسا ساتھ۔

لگتا ہے بکھر جائیں گی......ریزہ ریزہ ہو جائیں گی......یا مجھے ہی ذرہ ذرہ کر دیں گی۔

پہاڑ ایسا لمبا جیون......!

کیسے بیتے گا یہ جوگ......!

اندھیرے کنوئیں کے کنارے بیٹھ کر......مایوسیوں کے کنکر پھینکنے سے جیون کا راستہ طے ہو جاتا ہے؟

exponovels

کہاں جا کے کھولوں اپنے تلملاتے ارمانوں کی گٹھڑی......تمہارے ساتھ میرا تن راضی نہیں......من شانت نہیں۔

میری زبان قفل ابجد کی طرح ہر بار تمہارے تکلم سے جدا ہو جاتی ہے......کیا کروں گی......کیا کروں گی......ببول کی شاخ سے اٹک رہی ہوں......یا......تپتی ریت پہ گر کر دم توڑ دوں گی۔

چاروں اور گھیرا سناٹا ہے۔

اوہو! تم تو سوچ میں گم ہو گئیں......میں تو یونہی تمہیں چھیڑ رہا تھا۔

معاذ خود ہی شرمندہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔

بے جی کہتی ہیں پہلے پہل ایسا ہی ہوتا ہے۔ لڑکیوں کا دل سسرال میں نہیں لگتا......پھر آہستہ آہستہ وہ مانوس ہو جاتی ہیں۔

ٹھیک ہے نا؟ وہ ہنسا تو رملی کو زبردستی مسکرانے کا حوصلہ ہوا۔

تم اپنی تیاری کر چھوڑو......اگلی جمعرات کو انشاءاللہ چلیں گے۔

تمہارے ساتھ سفر کروں گی......یہ زندگی کا سفر کافی نہ تھا......سفر میں سفر کیوں......دکھ میں دکھ کے گرداب کیوں......؟

کوئی پڑاؤ......کوئی چھایا تو ملے۔

●●●

exponovels

For more visit (exponovels.com)

آج رملی پہلے کی طرح چہک رہی تھی۔

شان بھائی نے نیپکن سے ہاتھ پونچھتے ہوئے کہا تو رملی چونک گئی۔

اس وقت کھانے کی میز پر شان بھائی، کسریٰ باجی اور رملی بیٹھے ہوئے تھے سامنے ٹی وی پر ایک دلچسپ پروگرام چل رہا تھا۔

رملی نے سرخ دھاریوں والا لائلن کا سوٹ پہنا ہوا تھا اور میک اَپ بھی کافی گہرا تھا۔ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔

رملی تو ہمیشہ خوش باش رہتی ہے...... کسریٰ باجی نے جلدی سے کہا۔

نہیں...... میں پچھلے دو دن سے نوٹ کر رہا ہوں۔ اس کا شوہر ساتھ تھا تو یہ بڑی سہمی سہمی سکڑی، گم صم، اور کھردری کھردری نظر آ رہی تھی۔ بہت کم ہنستی تھی...... غور سے کوئی بات نہیں سنتی تھی۔

رملی نے نظریں جھکا لیں۔

نہیں یہ آپ کا محض خیال ہے۔ کسریٰ باجی نے پھر اسے سنبھالا دیا۔ مجھے تو ہمیشہ جیسی ہی دکھائی دے رہی تھی۔ ہاں نئی نئی شادی ہوئی ہو تو شوہر کے سامنے ہنسی مذاق کرتے ہوئے ذرا جھجک سی محسوس ہوتی ہے اور پھر یہ ہم سب سے چھوٹی ہے اس لئے شرمائی سی رہتی ہے۔

کیوں رملی......؟ شان بھائی نے براہ راست سوال کر ڈالا۔

میرا خیال درست ہے یا تمہاری بہن کا......؟

رملی نے سر نہیں اٹھایا بلکہ نمک دانی اٹھا کر مالٹے کی قاشوں پر نمک چھڑکنے لگی۔ اسے معلوم تھا شان بھائی سو فیصد درست کہہ رہے ہیں۔ جب تک معاذ راولپنڈی میں رہا، وہ سخت بیزار رہی۔ اصل میں اس کو معاذ کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہوئے...... آتے جاتے ہوئے بہت شرم آتی تھی۔ وہ یہ سب اپنے دل پر جبر کر کے کرتی تھی۔ لاہور سے لے کر پنڈی تک معاذ اس کے ساتھ میٹھی میٹھی باتیں اور ہنسی مذاق کرتا آیا تھا۔ راستے میں اس کا بہت خیال رکھا۔ جگہ جگہ رک کر کھانے پینے کی پوچھتا رہا۔ اسے لطیفے بھی سنائے...... ہنسانے کی بہت کوشش کرتا رہا...... جب ذرا سڑک خالی ہوتی تو گیئر چھوڑ کر اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیتا...... مگر رملی کیا کرتی۔ اس کی سب حرکتیں اچھی لگتی تھیں۔ بس اس کی صورت بری لگتی تھی...... جب جی برابر دکھ رہا ہو تو کسی محبت بھری کارروائی کا کیا جواب دیا جا سکتا ہے؟ سفر میں معاذ اور بھی رومانٹک ہو گیا تھا۔ دو دن کسریٰ باجی کے ہاں رہا اور ہر وقت اس کے ساتھ نتھی رہا۔ رملی کو ہمہ وقت میک اَپ میں ہی رہنا پڑا۔ کیونکہ معاذ کو بنی سنوری عورت بہت پسند تھی۔ محبت میں وہ والہانہ پن کا قائل تھا۔ بعض باتوں میں انتہا پسند تھا۔ کھانا کھاتے وقت پہلے اس کی پلیٹ میں ڈالتا۔ سیب چھیل لیتا تو پہلی قاش اس کی پلیٹ میں رکھ دیتا۔ وہ پانی کا گلاس اٹھاتی تو جھٹ جگ اٹھا کے پانی اس کے گلاس میں ڈال دیتا۔ رملی خوش ہونے کی بجائے ان باتوں سے چڑ

For more visit (exponovels.com)

جاتی اور بیزاری کی ایک مستقل لکیر اس کی پیشانی پر نظر آنے لگی تھی۔

آج دوپہر معاذ اپنا کام ختم کر کے چلا گیا تھا اور جاتے وقت اس نے رملی کا ہاتھ تھام کر کہا تھا۔

تم کب آؤ گی رملی......؟

ارے......پھوپا جی اچھی گھڑی کی طرح اندر سے نکل آئیں اور بولیں۔

ابھی دو دن تو ہوئے اسے آئے......اور واپسی کا پوچھا جا رہا ہے......اتنی بے اعتباری ہے معاذ بھائی......؟

تو معاذ نے شرمندہ ہو کر رملی کا ہاتھ چھوڑ دیا اور ہنستے ہوئے کہنے لگا۔

یہ تو میرا فرض ہے کہ اس کا پروگرام پوچھ کر جاؤں۔

بس......بس......پھوپا جی نے معاذ کا بازو پکڑ کر کہا۔اب آپ جائیں معاذ بھائی اب جو ہمارا فرض ہوگا ہم ادا کریں گے۔میں تو کم از کم ایک مہینہ اسے اپنے پاس رکھوں گی۔

ایک مہینہ......معاذ نے حیرت سے کہا......پھر شرارت سے بولا۔

ایسے میں شادی کر کے کسی غریب پر عنایت کرنے کی کیا ضرورت تھی......؟

اور آپ کا کیسے گزارا ہو رہا تھا اس کے بنا؟

اس پر رملی نے سر جھکا لیا اور وہ دونوں ہنسنے لگے۔

جب تو ہو رہا تھا گزارا پھوپا جی......اب کی بات کریں۔

ٹھیک ہے۔جب رملی نے آنا ہوگا، ہم آپ کو فون کر دیں گے۔

اچھا رملی۔اس نے رملی کی طرف پر اُمید نظروں سے دیکھ کر کہا۔دشمنوں کے جھانسے میں نہ آ جانا......دو دلوں کو یہ دنیا ملنے بھی نہیں دیتی۔

اس پر سب کے سب کھلکھلا کر ہنس دیئے۔

اور ہاں وہ موٹر میں بیٹھتا ہوا بولا۔

بے جی کا دھیان رکھنا وہ تمہارے بغیر زیادہ دن اکیلی نہ رہ سکیں گی۔

دیکھو......اب دوسری چال چل رہا ہے......اور آپ جو ہیں ان کے پاس......اگر میرے ساتھ بات چل سکتی تو وہ بیچ کیوں لاتیں......؟

For more visit (exponovels.com)

یہ تو ٹھیک ہے۔کسریٰ نے جواب دیا......پھر فوراً بولی۔

اب چھ مہینے میں ہی اتنا حق ملکیت نہ جتائیں معاذ بھائی......آپ تو بلا شرکت غیرے اس کے مالک بن بیٹھے ہیں۔کچھ ہمارا بھی حق ہے۔بھیج دوں گی جب دل چاہے گا......!

میں فون کرتا رہوں گا رملی۔

معاذ نے موٹر میں بیٹھ کر کہا۔

رملی نے صرف اثبات میں سر ہلایا۔

پروگرام بنتے ہی مجھے بتا دینا۔لینے آ جاؤں گا۔

ہم پہنچا دیں گے بابا......اب جا بھی چکو......کسریٰ نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

بھئی بڑا ظالم سماج ہے۔معاذ نے مسکراتے ہوئے موٹر سٹارٹ کی......

اس وقت ضروری ہو گیا تھا کہ رملی ایک نظر اس کو دیکھے اور مسکرا کر خدا حافظ کہے۔

مگر حلق میں نفرت کی تلواریں لٹک رہی ہوں تو آدمی کیسے مسکرا سکتا ہے......؟

پر رملی اس پل صراط سے بھی گزر گئی۔

نظر اُٹھا کر معاذ کو دیکھا......معاذ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔کتنی التجائیں تھیں ان آنکھوں میں......جو کالی دیوار میں دو سفید گولیوں کی طرح دھنسی ہوئی تھیں۔رملی کا دل چاہا کہ وہ ان آنکھوں کو پھوڑ دے۔مگر وہ مسکرائی......مسکرا کر اس نے خدا حافظ کہا......ہاتھ ہلایا اور اندر آ گئی۔

اور واقعی معاذ کے چلے جانے سے گویا اس کے دل کا بوجھ اُتر گیا تھا۔ایک بھوت کا سایا اس پر سے ہٹ گیا تھا۔ہلکی پھلکی اور خوش باش لگ رہی تھی۔دوپہر کو خوب سوئی اٹھ کر گرم پانی سے نہائی......اچھے سے کپڑے نکال کر پہنے......قرینے سے لپ اسٹک لگائیں اور کسریٰ باجی کے کمرے میں بچیوں کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

پنڈی میں کافی سردی تھی اور یہ سردی اسے اچھی لگ رہی تھی۔

اور اب جب کھانا کھانے کے بعد شان بھائی نے اسے ٹوکا تو اسے خیال آیا کہ واقعی معاذ کے جانے کے بعد سے اب تک وہ کافی چہک رہی ہے۔مگر کیا کرتی اتنے دنوں کی گھٹن بھی تو نکالنا تھی۔

اپنی اپنی جگہ دونوں کا خیال درست ہے۔میں چہک ضرور رہی ہوں مگر معاذ کے جانے سے نہیں......آج میں نے ذرا جی بھر کر آرام کیا ہے شاید آب و ہوا کی تبدیلی

exponovels

For more visit (exponovels.com)

سے میری طبیعت پر خوشگوار اثر پڑا ہے۔ بہت دنوں بعد میں اپنے آپ کو صحت مند محسوس کر رہی ہوں۔

خیر......شان بھائی......پڈنگ کھاتے ہوئے بولے۔ مجھے مغالطہ ہوا ہوگا۔ مگر میں نے یہ تبدیلی محسوس کی۔

شان تمہیں تو ہمیشہ مغالطے ہوتے رہتے ہیں۔ کسریٰ باجی نے ہنس کر کہا۔

ہاں......جیسے دیکھا میں نے رملی کو اور شادی تم سے کرلی۔

کسریٰ باجی ہنسنے لگیں۔ ابھی وہ کچھ کہہ نہ پائی تھیں کہ کمرے سے چھوٹی بچی کے رونے کی آواز آئی۔ وہ اٹھ کر بیڈ روم کی طرف دوڑیں۔

کھانا ختم ہو گیا تھا......نوکر برتن اٹھانے لگے۔ رملی چاقو کی نوک سے مالٹوں کے چھلکے چھیدنے لگی۔

ہاں......تو رملی بیگم......شان بھائی نے ہاں کو ذرا لمبا کر کے کہا۔

کیسی گزر رہی ہے......؟

بڑی اچھی گزر رہی ہے۔

کیسی لگی شادی......؟

اس پر رملی ہنسنے لگی۔

شادی کوئی لگا کرتی ہے۔ شادی تو ہو جاتی ہے۔

پھر بھی نئے تجربات کیسے لگ رہے ہیں۔

رملی جانتی تھی کہ اب شان بھائی کی باری ہے۔ اپنی شادی سے پہلے وہ جی بھر کے انہیں تنگ کرتی رہی تھی اور اب وہ اسے چھیڑ چھیڑ کے لامعنی سوالات کر کے خوب بدلے لیں گے۔

میری ساس بہت نفیس قسم کی خاتون ہیں یعنی ان سے ملنے کے بعد میں حیران ہو کر سوچا کرتی ہوں کہ کیا ایسے لوگ بھی اس دنیا میں موجود ہیں اور شاید ان ہی کے دم سے یہ دنیا اچھی جگہ بنی ہوئی ہے۔

اچھا تو ساس کی وجہ سے یہ شادی چل رہی ہے۔

جی......رملی نے چونک کر خوفزدہ انداز میں شان بھائی کی طرف دیکھا۔

تمہارا معاذ کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں تھا۔ تمہارے ساتھ بیٹھا ہوا یوں لگتا ہے جیسے نازک اندام پری کے ساتھ بھیانک دیو آبیٹھا ہو

For more visit (exponovels.com)

ایک گرداب سا رملی کے حلق میں بن گیا کہ بولنے کے سارے راستے مسدود ہو گئے۔ بڑی مشکلوں سے اپنے آپ کو آمادہ کر کے یہاں لائی تھی اور شام ہی سے ہر خیال بھلا کر خوش رہنے کی کوشش کر رہی تھی۔ کیسا او چھا وار کیا تھا شان بھائی نے...... ساری خوشیاں آنسو بن کر حلق میں ٹپک رہی تھیں...... رملی اپنے حلق کا گولا نگل کر کوئی جواب دینا چاہتی تھی کہ کسریٰ باجی لوٹ آئیں انہوں نے گود میں نومولود بچی کو اُٹھا رکھا تھا۔

انہوں نے بیٹھتے ہی ہلکا سا دھواں رملی کے چہرے پر دیکھا...... اور ایک سفا کی سی شان کے چہرے پر...... مگر موقع کو سنبھالتے ہوئے...... بچی کو چمکار کر بولیں۔

خالہ کے پاس جائے گی......؟

رملی نے خود ہی ہاتھ بڑھا کر بچی کو اُٹھا لیا۔

رملی اس وقت بچی اٹھانے کے موڈ میں ہرگز نہ تھی۔ اس نے بھی گفتگو کو نیا موڑ دینے کے لئے عافیت اسی میں جانی...... لیکن جب اناڑی پن سے بچی کو اٹھایا تو کسریٰ باجی بولیں۔

ذرا ٹھیک سے اُٹھا...... تھوڑے دنوں بعد تجھے اپنا بچہ اٹھانا ہوگا۔ بلکہ اسے زیادہ تر اپنے پاس رکھا کر وتا کہ تم بھی بچہ پالنے کا سلیقہ سیکھ لو۔

رملی شرما کر ہنسنے لگی۔ پھر بولی۔

آپ کی یہ بیٹی بہت پیاری ہے۔ کس پہ ہے؟

مجھ پر ہے...... شان بھائی بڑی شان سے بولے۔

ظاہر ہے خوبصورت اور لائق بچہ ہمیشہ باپ پر ہوتا ہے...... کسریٰ باجی نے چوٹ کی۔

نام کیا رکھا ہے پھو باجی......؟ رملی نے پھر پوچھا۔

تم سوچو نا......؟

ابھی تک آپ نے سوچا ہی نہیں۔

امی جب تک یہاں رہیں نئے نئے نام تجویز کرتی رہیں۔ بڑی بیٹی کا نام زینب ہے، میں تو اس کے ساتھ ملا کر نام رکھنا چاہتی تھی۔ مگر امی نے کہا لڑکیوں کا قافیہ ردیف نہیں ملانا چاہئے پھر لڑکیاں ہی پیدا ہونے لگتی ہیں اور آج کل کے زمانے میں تو بس دو لڑکیاں ہی کافی ہیں۔

بس جی...... شان بھائی بولے...... پیدا ہی دو کریں گے۔

ارے بیٹا نہیں چاہئے آپ کو...... رملی نے حیرت سے کہا۔

For more visit (exponovels.com)

exponovels

بس بس......شان بھائی بیزاری سے بولے۔لڑکے کی آرزو میں کہیں یہ لڑکیوں کی لائن نہ لگا دے۔

کسریٰ باجی ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئیں۔

کسریٰ باجی کی پہلی بیٹی بالکل کسریٰ باجی پہ تھی۔سانولی، سلونی، مستعد اور خوش ادا قریب ہی قالین پر کھیل رہی تھی۔

زینو: تم جا کے سو جاؤ بیٹا۔

کسریٰ باجی موضوع کو بدلنے کے لئے اپنی بیٹی سے مخاطب ہوئیں۔

پھر رملی کی طرف دیکھ کر بولیں۔

تم آئی ہوئی ہو......کوئی خوبصورت سا نام سوچو نا۔

جب تک نام نہیں ملتا آپ اسے لاڈلی بلایا کریں۔

ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔کسریٰ باجی نے مسکرا کر بچی رملی کے ہاتھ سے لے لی۔

رملی: تیرا ذہن اتنی جلدی کیسے کام کرتا ہے......؟

اس کا ذہن صرف شوہر کے زیر سایہ کام کرنا بند کر دیتا ہے۔

شان بھائی نے پھر چوٹ کی۔

کیوں......؟ کسریٰ باجی نے پوچھا۔

گرہن لگ جاتا ہے۔

اس پہ پہلے تو کسریٰ باجی زور سے ہنسیں۔پھر انہوں نے شان بھائی کو گھورا کہ ایسی بات کیوں کہی انہوں نے......؟

پھر بچی سنبھال کر کھڑی ہو گئیں اور بولیں۔

اچھا بھئی اب تم سالی بہنوئی ایک دوسرے پہ وار کرو۔میں بچیوں کو سلا کر آتی ہوں۔

***

For more visit (exponovels.com)

کسریٰ باجی کی طبیعت ابھی ٹھیک نہیں ہوئی تھی بچی آپریشن سے ہوئی تھی اور چونکہ پریچیور تھی اس لئے تنگ بہت کرتی تھی کوئی اچھی آیا بھی نہ مل سکی تھی۔اس لئے کسریٰ باجی کی مت ماری رہتی۔ابھی بڑی بیٹی زینب صرف پونے دو سال کی ہوئی تھی اور لاڈلی کے آنے سے زینب اور زیادہ ضدی اور چڑچڑی ہو گئی تھی۔رملی کو کسریٰ باجی کی حالت پر اور زیادہ ترس آتا۔وہ تو شان بھائی اتنے خوش مزاج اور وسیع القلب واقع ہوئے تھے ورنہ سارا دن جو گھر میں چوں چوں ہوتی رہتی تھی اسے کون برداشت کر سکتا تھا؟

صبح ناشتے کی میز پر عموماً رملی اور شان بھائی ہوتے تھے۔کسریٰ باجی آتیں بھی تو ملازم کو جلدی جلدی ہدایات دے کر بھاگ جاتیں۔اسی وقت لاڈلی کو دودھ پلانا ہوتا یا نیپکن بدلنا ہوتا۔ایک رات رملی سے بولیں۔

رمو: تو صبح صبح اٹھ جاتی ہے۔اپنے دولہا بھائی کو ناشتہ کروا دیا کرنا......!

کیا میں اپنے ہاتھ سے ان کے منہ میں نوالے ڈالوں......؟

نہیں پگلی: ان کی عادت ہے۔کھانے کی میز پر اکیلے نہیں بیٹھتے۔میں رات کو خانسامے کو سب کچھ سمجھا دوں گی۔مگر تو ذرا ان کے ساتھ بیٹھ جایا کر۔

روز ہی تو ساتھ بیٹھ جاتی ہوں۔

مگر تو مجھے پکارتی رہتی ہے۔

تو آپ بھی آ جایا کریں نا؟

لاڈلی مجھے ساری رات جگاتی ہے۔صبح چھ بجے زینب کے دودھ پینے کا وقت ہوتا ہے۔اٹھ کر کچن میں جاتی ہوں، بوتل بنا کر لاتی ہوں، اسے پلا کر دوبارہ سلا دیتی ہوں۔اس وقت لاڈلی سو رہی ہو تو میں بھی جلدی سے سو جاتی ہوں۔بس یہی دو تین گھنٹے ملتے ہیں مجھے سونے کے لئے......پھر سارا دن کہاں سونے کی فرصت ملتی ہے۔

جاری ہے...

For more visit (exponovels.com)

exponovels

رملی نے اب دیکھا۔ کسریٰ باجی کی آنکھوں کے گرد حلقے پڑ گئے تھے۔ رنگ تو پہلے ہی سانولا تھا اب اور بھی مرجھا گیا تھا۔ پیٹ لٹک آیا تھا، بال الجھے ہوئے تھے۔ کیسی بھدی اور تھکی تھکی لگ رہی تھیں۔ توبہ ہے، دو بچوں میں ہی عورت کا ستیاناس ہو جاتا ہے۔ کیسی چلبلی اور کڑکڑاتی جوانی تھی ان کی...... چہرے پر اتنا نمک تھا کہ آنکھ ہٹانے کو دل نہ چاہتا۔ دل ہی دل میں رملی کو ان کے اس طرح لٹ جانے کا بہت افسوس ہوا...... غصے سے بولی۔

رات کو شان بھائی کو جگایا کرو۔ آخر ان کا بھی کچھ فرض ہے۔

کسریٰ باجی معنی خیز انداز میں مسکرائیں۔

ابھی تجھے پتہ نہیں کہ شوہر کیا ہوتا ہے۔ شوہر بس ایک ہی فرض ادا کرنے عورت کے قریب آتا ہے اس کے علاوہ گھر کے اندر وہ کسی تعاون کا قائل نہیں ہوتا۔

نہیں پھوباجی...... آپ نے انہیں سر پر چڑھا رکھا ہے۔ رات کو جھنجھوڑ کر جگا دیا کریں اور بچی ان کی گود میں پٹخ دیا کریں۔

کیسے جگایا کروں......؟ جب سے بچیاں ہوئی ہیں۔ وہ الگ کمرے میں سوتے ہیں۔

الگ کمرے میں سوتے ہیں......؟

رملی نے حیرت سے کہا۔ سارا دن تو وہ آپ کے کمرے میں ہوتے ہیں۔

ہاں! مگر رات کو ادھر ساتھ والے کمرے میں جا سوتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں لڑکیاں روتی ہیں تو میں ڈسٹرب ہوتا ہوں۔ مجھے صبح تازہ دم ہو کر دفتر جانا ہوتا ہے۔ یہ کیسی رفاقت ہے باجی......؟

وہ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ مرد کو سارا دن ایک دنیا سے لڑنا ہوتا ہے۔ ہم عورتیں تو گھر میں بیٹھی رہتی ہیں ان کی نیند کا پورا ہونا ضروری ہے۔ ورنہ پھر دفتر جا کر ایک ایک سے لڑتے رہیں گے اور جانے کتنی خرابیاں کر کے آئیں گے۔ شروع شروع میں میں نے انہیں زبردستی اپنے کمرے میں سلایا تھا شام کو وہ انگارہ بن کر واپس آتے تھے۔ اب تو ان کی وہی پرانی خوش مزاجی پھر لوٹ آئی ہے۔

ویسے باجی...... رملی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ آپ ان کے ناز بھی بہت اٹھاتی ہیں۔ میں تو کبھی اتنے نخرے نہ اٹھاؤں۔

تمہارا شوہر اور طرح کا ہے۔ پھوباجی نے آہستہ سے کہا۔

وہ بے چارہ اپنی صورت کی وجہ سے تم سے دبتا بھی ہے۔ ایسے شوہر کم ہوتے ہیں۔ جن شوہروں کو کسی قسم کا احساس کمتری ہو وہ بیویوں کے ناز اٹھا لیتے ہیں۔ دوسری قسم کے شوہر نہیں اٹھاتے۔

کاش کسریٰ باجی یہ سب نہ کہتیں...... بھلا اس کو بندوق کی گولی مار لیتیں...... یوں لگا جیسے وہ آسمانوں سے لڑھکتی زمین پر آ پڑی ہو...... اور ذہن بھی اتنی سخت کہ جو

For more visit (exponovels.com)

اس کی ٹوٹی ہوئی پسلیوں کا لہو چاٹ رہی ہے۔

گویہاں ہر شخص کو احساس ہے کہ میرا شوہر بدصورت ہے۔

اف...... میرے مقدر میں مایوسیاں کیوں لکھی ہیں۔ کاش میرا شوہر خوبصورت ہوتا۔ بلا سے سخت گیر ہوتا...... ظالم ہوتا...... شداد ہوتا...... میں اس کی ہر سختی سہہ لیتی......

مگر ایسا نہ ہوتا کہ پاس بیٹھتے ہوئے گھن آئے...... بات کرنے سے ابکائیاں آنے لگیں۔

اب سب جانتے ہیں...... سب کو معلوم ہے...... کہ میں مجبور ہوں...... اور یہ دکھ جھیل رہی ہوں۔

اور کتنی بے غیرت ہوں میں......؟

رملی کے چہرے نے اتنے رنگ بدلے کہ کسریٰ باجی گھبرا گئیں۔ پھر اس کے قریب کھسک آئیں اور محبت بھرے لہجے میں بولیں۔

رملی یقین کرو۔ معاذ جیسے شوہر بہت اچھے ہوتے ہیں۔

کیا اچھائی ہوتی ہے ان میں...... میں بھی تو سنوں...... رملی ایک دم پھٹ پڑی اور پھر زاروقطار رونے لگی۔

کسریٰ باجی کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ اس کا ہاتھ تھام کر بولیں۔

تم دیکھتی نہیں وہ تمہارا کتنا خیال کرتا ہے۔ کتنی محبت کرتا ہے تم سے۔

اس کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتا ہے؟ ابھی تو آپ نے کہا تھا بدصورت شوہر احساس کمتری کے مارے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ محبت نہ کریں، ناز نہ اٹھائیں تو اپنے عیب پر پردہ کیسے ڈالیں۔

یہ بات ہمیشہ اس طرح نہیں ہوتی رملی...... احساس کمتری کے مارے ہوئے شوہر دوسری انتہا پر بھی جا سکتے ہیں۔ مثلاً وہ اپنے عیب چھپانے کے لئے آزار بھی دے سکتے ہیں۔ بیوی پر زندگی کی ہر خوشی حرام کر سکتے ہیں۔

اور میں اس کا اندازہ کرنا بھی نہیں چاہتی۔

رملی آنسوؤں میں ڈوبی ڈوبی بولی۔

شادی کرتے وقت آپ میں سے کسی کو بھی رحم نہ آیا۔ آپ نے تو معاذ کو دیکھا تھا آپ کو تو معلوم تھا کہ وہ مکروہ صورت ہے۔ آپ تو مجھ سے بہت محبت کرتی تھیں، آپ ہی مجھے بتا دیتیں۔

exponovels

پھر تم کیا کر لیتیں رمو۔

میں انکار کر دیتی......میں زہر کھا لیتی......میں......میں......اس طرح روز روز سے زہر نہیں کھایا جاتا......روز روز مجھ سے مرا نہیں جاتا۔

پگلی ہے تو۔

کسریٰ باجی نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔ پھر تھپتھپانے لگیں۔

بہادر بنو رمو۔ زندگی میں سب کچھ ایک ہی بار نہیں مل جاتا۔ میں تو خیر مرد کی شکل و صورت کو ثانوی درجہ دیتی ہوں۔ پھر معاذ کوئی ایسا برا بھی نہیں ہے۔ بس چیچک کے نشان ہیں اس کے چہرے پر......مرد کالے کلوٹے ہی بھلے لگتے ہیں۔ تم دیکھو اس کے اندر کتنا خوبصورت انسان ہے۔ وہ جب بات کرتا ہے تو یوں لگتا ہے اس کے منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں۔ اس کی ماں کتنی نیک خو ہے۔ کتنا پیار کرتی ہے تم سے......ایک میری ساس بھی ہے تو بہ......خدا مرتے وقت بھی اس کی صورت نہ دکھائے۔ میں تو جب سے چنڈی آئی ہوں بے حد مسرور ہوں۔ یہاں بچوں کے ساتھ رات جاگا کرتی ہوں مگر شکر ہے اس کے مظالم برداشت نہیں کرنے پڑتے۔ زندگی سمجھوتے کا نام ہے......ازدواجی زندگی میں صرف صورت اہم نہیں ہوتی۔ جوں جوں زندگی گزرے گی تمہیں پتہ چلے گا۔

رملی نے کوئی جواب نہیں دیا کسریٰ باجی کے کندھے لگی بس روتی رہی۔

یہ تو کسریٰ باجی بھی سمجھ رہی تھیں کہ شادی کے بعد رملی چپ چپ رہنے لگی ہے۔ وہ پہلے جیسی شوخی اور شگفتگی اس میں نہ رہی تھی۔ مگر وہ سوچتی تھی رفتہ رفتہ بچے ہو جائیں گے تو خود ٹھیک ہو جائے گی۔ بچوں کی پیدائش کے بعد عورت کو دنیا میں کوئی چیز ان سے زیادہ اہم نہیں لگتی۔ انہیں معلوم تھا مرد کا کردار اور عادت و اطوار ہی بالآخر عورت کو مسخر کر لیتے ہیں شکل و صورت بیوی کی ہو یا شوہر کی سراب ثابت ہوتی ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر اچھی شکل کے پیچھے اچھا مرد ہو۔

تھوڑی دیر تک کسریٰ باجی نے رملی کا سر اپنے سینے سے لگائے رکھا۔ اسے سہلاتی رہیں، پیار کرتی رہیں۔

جب رملی کا سارا غصہ......سارا غم......سارا غبار نکل گیا......تو اس کی سسکیاں بھی تھم گئیں۔

دوپٹے کے کونے سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے بولی۔

پھوباجی! میں نے آج تک کسی سے کچھ نہیں کہا۔ مگر آپ کو کیا معلوم ان چند مہینوں میں مجھ پر کیا گزر گئی ہے۔ ہر رات مرتی ہوں۔ ہر صبح جی اٹھتی ہوں۔ میں سوختہ تن ہو چکی ہوں کسی دن ٹوٹ جاؤں گی۔ بکھر جاؤں گی، مٹ جاؤں گی۔

نہیں میری گڑیا پھوباجی نے اسے پیار کر لیا۔

میں جانتی ہوں تو ہم سب بہنوں سے زیادہ بہادر ہے۔ تو اپنے اباجی اور امی جی کی لاج رکھے گی اور ہمیشہ اچھی بیوی بن کر رہے گی۔

رملی کی آنکھوں میں کچھ تازہ دم آنسو آ گئے۔

معاذ کو بھی یہ پتہ نہیں لگنا چاہیے کہ تو اسے پسند نہیں کرتی تو مرد کی فطرت کو بالکل نہیں جانتی۔

تو کیا کر لے گا میرا...... طلاق ہی دے دے گا نا؟

اف...... کسریٰ باجی کو بہت تکلیف پہنچی۔

اتنی جلدی اتنے بڑے نتیجے پر نہیں پہنچ جاتے۔ ہر مسئلے کا حل صرف طلاق نہیں ہوتی۔ تمہارا بچہ ہونے والا ہے۔ اب اس کے بارے میں سوچو۔

جہنم میں جائے یہ بچہ بھی مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔

زندگی میں ہر چیز کی ضرورت ہوتی ہے رمو۔ فرض کرو دو چار سال تمہارے ہاں بچہ نہ ہوتا یا ڈاکٹر کہہ دیتی کہ خدانخواستہ تم تخلیق کی اہلیت سے محروم ہو۔ تو پھر......

اپنے تمام تر ظاہری حسن کے باوجود تمہیں کوئی پسند نہ کرتا۔ یہ بدصورت شوہر بھی تمہیں ٹھکرا دیتا اور کہتا مجھے تو وہ عورت خوبصورت لگتی ہے جس کی گود میں بچہ ہو۔ خواہ

اندھی ہو، لولی ہو یا لنگڑی ہو۔

کاش ایسا ہی ہوتا اور یہ شخص مجھے ٹھکرا دیتا۔

رملی نے شدید غصے میں نتھنے پھلا کر کہا۔

بے وقوف تو اس وقت جذباتی ہو رہی ہے۔ تجھے پتہ نہیں کہ تو کیا کہہ رہی ہے۔ خیر...... کچھ وقت لگے گا تو آہستہ آہستہ سمجھ جائے گی زندگی کو......!

رملی پھر رونے لگی۔

ازدواجی زندگی میں مرد اور عورت کی صورت ثانوی درجے پر آ جاتی ہے۔ اصل چیز فطرت کا حسن ہوتا ہے۔ تم بھی اس کے اندر کا حسن تلاش کرنے کی کوشش کرو۔

میں تو جینا بھی نہیں چاہتی اور آپ کہتی ہیں کہ اندر کا حسن تلاش کروں۔

اب مجھے ہی دیکھو۔

ایک دم پھپھو باجی بول پڑیں۔ میرا شوہر مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے۔ عام مردوں سے زیادہ دلکش ہے۔ اگر وہ یہ کہے کہ میں اس کے ساتھ چلنے کے لائق بھی نہیں

ہوں اس کے ساتھ زیب نہیں دیتی۔ تو میں کیا کروں گی......؟

خیر...... آپ اپنے آپ کو معاذ کے ساتھ نہ ملائیں۔ آپ اس سے ہزار درجے بہتر ہیں۔

یہ تو محض تمہارا خیال ہے، جو میری عزیز بہن ہو۔ تم نے کبھی شان سے اس کا خیال ہو چکا ہے...... سارا ایسی سوچ کا فرق ہوتا ہے رمو...... جس کو جیسا سمجھ لو۔ وہ

For more visit (exponovels.com)

ویسا ہو جاتا ہے۔ تمہارا بچہ ہو جائے گا نا؟ تو تعلقات کی ایک نئے بنا پڑے گی۔ تیری سوچ میں بھی فرق آ جائے گا۔

مجھے اس بچے سے کوئی دلچسپی نہیں پھو باجی...... اور میں قیامت تک معاذ کو پسند نہیں کر سکتی۔ ماں باپ کی اس زیادتی کو رو پیٹ کر نبھاؤں گی۔ اگر نبھا سکی تو...... اور پھر ایک بدصورت بچہ لے کر مجھے کیا کرنا ہے۔

او بیوقوف......!

کسریٰ باجی ہنسنے لگیں۔

بچہ کیوں بدصورت ہوگا۔ کیا تم اس میں شامل نہیں ہوگی اور کیا خبر بچہ صرف تم پر ہو اور معاذ کے نقوش بھی کچھ ایسے برے نہیں۔

ظاہر ہے...... رملی جلدی سے بولی۔

آپ لوگ باتوں باتوں میں طنز کے خنجر مار کر میرا دل زخمی کرتے رہتے ہیں۔ ہر وقت کسی نہ کسی بات سے مجھے احساس دلاتے رہتے ہیں کہ میرا شوہر بدصورت ہے...... مجھے کیا سمجھ رکھا ہے آپ لوگوں نے...... میں پتھر کا ٹکڑا ہوں...... بے حس تو دا ہوں یا زمانے بھر کی احمق لڑکی ہوں۔

کسریٰ باجی کو احساس ہوا کہ اس نے آج غلط بات کہہ دی تھی۔ جب سے رملی اس کے گھر آئی تھی وہ اس کی اداسی اور خاموشی محسوس کر رہی تھی۔ مگر وہ جان بوجھ کر رملی کو کریدتی نہیں تھی وہی ہوا...... ذرا ہوا دی تو وہ بھڑک اٹھی۔

اس وقت باہر شان کی موٹر رکنے کی آواز آئی تو کسریٰ باجی بولیں۔

اب تم جلدی سے اپنے کمرے میں چلی جاؤ اور ہاتھ منہ دھو کر ٹھیک ہو جاؤ۔ شان ضرور پوچھیں گے کہ کیا ہوا ہے...... اور ان کے آگے کوئی بودی بات نہ کرنا۔ میں اپنے بہن بھائیوں کے مسائل اور ان کی کمزوریاں اپنے شوہر کے آگے کھول کر نہیں رکھا کرتی۔

رملی دوڑ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

❁❁❁

exponovels

For more visit (exponovels.com)

صبح ناشتے سے پہلے رملی بطور خاص تیار ہو کر میز پر آ گئی تھی۔ رات کو کسریٰ باجی نے اسے اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ شان بھائی کس قسم کا ناشتہ پسند کرتے ہیں۔ کسریٰ باجی پر اسے بے حد ترس آیا تھا۔ بیچاری ساری رات ننھی سی پنا کی کے ساتھ جاگتی تھیں......اور پھر تھکی تھکی نیم بیدار آنکھوں کے ساتھ ناشتے کی میز پر آ بیٹھتی تھی۔

رملی ابھی میز پر شان بھائی کا ناشتہ لگا رہی تھی کہ وہ خوشبو چھوڑتے ہوئے آ گئے اور اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئے۔ انہوں نے اس وقت دھاریدار براؤن سوٹ پہن رکھا تھا جس میں ایک دھاری ہلکی پیلی تھی۔ دھاریدار سوٹ میں ان کا قد زیادہ لمبا لگ رہا تھا۔ زرد چیک قمیض پر......گہرے براؤن رنگ کی چھوٹی ڈبیوں والی ٹائی لگا رکھی تھی......ایک دم تر و تازہ اور جوان لگ رہے تھے۔

بڑی خوش دلی سے اس کی صورت دیکھ کر بولے۔

گڈ مارننگ خوبصورت خاتون۔

گڈ مارننگ۔ رملی نے بھی انہی کے انداز میں مسکرا کر کہا۔

اتنی حسین لڑکی صبح صبح ناشتہ کرائے گی تو سارا دن کیوں نہ اچھا گزرے گا۔

تو پھر خوش ہو جایئے اس خوبصورت لڑکی پر یہ خوبصورت ذمہ داری ڈال دی گئی ہے۔

دیکھا......میں نہ کہتا تھا۔ میری بیوی بہت عقل مند ہے۔

اچھا......وہ کیسے؟

اسے معلوم ہے کہ صبح صبح شوہر کو کیسا مکھڑا دکھانا چاہئے۔

رملی ہنسنے لگی۔

چائے بناؤں......

ضرور بناؤ......شان بھائی نے اپنے لال ڈوروں والی آنکھیں اس کی آنکھوں میں ڈال کر کہا۔

خان محمد اب گرم دودھ دے جاؤ۔ اس نے خانساماں کو آواز دے کر کہا اور قہوہ پیالی میں انڈیلنے لگی۔

خان محمد گرم گرم بھاپ چھوڑتا دودھ میز پر رکھ گیا۔

چینی کتنی شان بھائی......رملی نے قہوے میں دودھ ڈالتے ہوئے پوچھا۔

For more visit (exponovels.com)

ہائے کیا کہوں......ایسا گھسا پٹا محاورہ ہے۔مگر اس سے موزوں جواب مجھے نہیں سوجھ رہا......بس انگلی ڈبو کر دے دو۔

رملی زور زور سے ہنسنے لگی۔

انگلی ڈبولوں......تاکہ اس پر چھالا نکل آئے اور کام سے بھی جاؤں۔

نہیں نہیں اتنی خوبصورت انگلی پر چھالا نہیں بلکہ دل نکلنا چاہیے......ہے نا؟

پھر بولے۔

واہ وا! کیا مزے دار چائے ہے۔

اس کے بعد وہ اپنی شوخ طبیعت کے مطابق اس سے چھیڑ چھاڑ کرتے رہے۔

پھر گھڑی دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

اچھا ہنی......میرا وقت ہو گیا۔خدا حافظ!

خدا حافظ شان بھائی......رملی نے کھڑے ہو کر کہا۔

شان بھائی رملی کی شادی سے پہلے بھی اس کو ہنی Honey کہا کرتے تھے۔پیلی تو لاڈ میں آ کر اسے اپنی بغل میں لپیٹ لیتے تھے۔چٹیا کھینچ لیتے تھے اور وہ سارا دن شان بھائی، شان بھائی کرتی ان کے پیچھے دوڑتی رہتی تھی۔

شان بھائی چلے گئے تو اس نے کسریٰ باجی کے کمرے میں جھانک کر دیکھا۔دونوں بچیاں اس کے دونوں پہلوؤں میں گھسی ہوئی سو رہی تھیں اور وہ نیند میں بے ہوش پڑی تھی۔

کمرے میں ہیٹر جل رہا تھا۔

رملی اپنے کمرے میں آ گئی۔کوئی کام نہیں تھا کرنے کو اور یہاں آئے اسے ایک ہفتہ ہو گیا تھا۔ایک ہفتے میں اس کی طبیعت کافی سنبھل گئی تھی۔اپنی بہن کو اپنا درد دل کہہ کر اسے بڑا سکون ملا تھا۔اب وہ خود فراموشی کی کیفیت میں تھی اور خود فراموشی کے عالم میں ہی چند روز اور گزار دینا چاہتی تھی۔

اس ایک ہفتے میں معاذ کا فون دو مرتبہ آیا تھا۔بڑے پیار سے اس کا حال پوچھتا رہا۔مگر آنے کے بارے میں نہیں پوچھا۔نہ ہی رملی نے کسی قسم کی آمادگی کا اظہار کیا۔

معاذ کا فون عام طور پر شام کو آتا تھا۔جب لوگ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے ہوتے۔رملی تو سرسری بات کرتی کسریٰ لپک کر فون لے لیتی اور اس کے ساتھ خوب گپ

For more visit (exponovels.com)

بازی کرتی اسے معلوم ہوگیا تھا کہ رملی معاذ کے ساتھ بات کرنا بھی گوارا نہیں کرتی۔ اس لئے وہ بڑے سلیقے سے گپ لگا کر رملی کی بے اعتنائی پر بھی پردہ ڈال دیتی۔ باقی کا سارا دن پھوباجی کے ساتھ گپ لگانے میں گزر جاتا اور وہ غور سے دیکھتی رہتی کہ پھوباجی کس طرح چڑیا جتنی لاڈلی کو سنبھالتی اور پالتی ہیں۔

کبھی کبھی وہ کہتی، پھوباجی! بچہ پالنا کس قدر مشکل کام ہے۔

ہاں! پھوباجی کہتیں۔ انسان کا بچہ آفت ہوتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے یہ درجہ اور یہ صلاحیت صرف ماں کو دی ہے۔ دیکھنا جب تمہارا بچہ ہوجائے گا تو آپ ہی آپ تجھے سب آجائے گا۔

نہیں وہ ہر بار دل میں سوچتی۔ مامتا کے لئے محبت بہت لازمی ہے...... اور محبت کے بغیر وہ تو کبھی اچھی ماں نہیں بن سکے گی۔

اسے ہمیشہ بچے سے گھن آتی رہے گی۔

❁❁❁

exponovels

شان بھائی ابھی ابھی کلب سے ٹینس کھیل کر آئے تھے۔اتنی سخت سردی کے باوجودان کے صحت مند چہرے اور جسم پر پسینہ شبنم کی طرح نظر آ رہا تھا۔انہوں نے سفید نیکر سفید ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔سفید جرابوں کے ساتھ سفید کینوس کے جوتے بڑے بھلے لگ رہے تھے۔ہاتھ میں پکڑے ہوئے ریکٹ کو گھماتے ہوئے آئے اور آ کر صوفے پر دھم سے گر گئے۔

بھئی چائے پلواؤ......انہوں نے کسری سے کہا تو وہ دوڑ کر باورچی خانے میں چلی گئی اور رملی سلائیاں بنتے بنتے غور سے انہیں دیکھنے لگی۔کیسے بانکے چھبیلے تھے شان بھائی۔دو بچیوں کے باپ نہیں لگتے تھے۔انگریزی فلموں کے ہیرو لگتے تھے۔کھیلنے کی وجہ سے چہرہ سرخ انار ہو رہا تھا۔

ہونٹ عنابی ہو گئے تھے اور ان کی شوخ آنکھوں میں ہر وقت لال ڈورے بنے رہتے تھے۔دنیا میں مرد بھی حسین بنائے ہیں اللہ نے......رملی دل میں سوچنے لگی۔

پھر اسے اپنے نصیبوں پر رونا آنے لگا اور لہو رنگ کے خاموش آنسو اس کے دل کے اندر گرنے لگے۔اتنے میں اچانک شان بھائی نے ٹی وی سے نظریں ہٹا کر رملی کی طرف دیکھا اور سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

یہ گڑیا ہمیں اتنے غور سے کیوں دیکھ رہی ہے؟

یہ بات کہتے ہوئے شان بھائی تھوڑے سے اترائے بھی......رملی نے نظریں جھکا لیں اور گود میں رکھی سلائیاں اٹھا کر بننے لگی۔

تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا رملی۔

میں آپ کو تو نہیں دیکھ رہی تھی۔

کوئی مضائقہ نہیں،مجھے بھی دیکھا کرو۔میں تمہارا بہنوئی ہوں۔کسی اور کو اتنے اشتیاق سے دیکھو گی تو مجھے برا لگے گا۔

رملی ہنس پڑی۔

اسے خوش فہمی کہتے ہیں شان بھائی کہ غلط فہمی۔

اچھا......جا کر دیکھو شہر میں میرے جیسا ہینڈسم اور سمارٹ کوئی مرد ہے۔

آپ تو لڑکیوں کی طرح اترانے لگے شان بھائی۔

اے جی تمہیں کیا معلوم کتنی لڑکیاں مجھ پر مرتی ہیں۔

اچھا یہ بات ہے۔بتاؤں پھوباجی کو۔

پھوسب جانتی ہے۔

For more visit (exponovels.com)

اتنے میں کسری باجی چائے لے کر آ گئیں۔

کیا جانتی ہوں میں......انہوں نے آتے ہی پوچھا۔

مجھے......میری رگ رگ کو...... ہے نا......شان بھائی سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

جانتی تو نہیں جاننے کی کوشش ضرور کر رہی ہوں۔

نہیں باجی...... پہلے یہ کچھ اور کہہ رہے تھے۔

کیا کہہ رہے تھے شان......؟ پھوباجی نے چائے بناتے ہوئے پوچھا۔

میں کہہ رہا تھا کہ شہر کا سب سے خوبصورت آدمی ہوں اور بہت سی لڑکیاں مجھ پر مرتی ہیں۔ یہ کہہ کر انہوں نے کسریٰ باجی کو آنکھ ماری۔ کسریٰ باجی ہنس پڑیں۔

چائے بنا کر انہیں دی اور بولیں۔

آج کل کے مرد تو لڑکیوں کو مات کر رہے ہیں۔ دیکھا تم نے رملی...... اس نیت سے بناؤ سنگھار کر کے جاتے ہیں کہ باہر جاتے ہی لڑکیوں کو پھانستا ہے اور مجھے ساتھ لے کر نہیں جاتے تاکہ پتہ نہ چل جائے کہ خیر سے شادی شدہ ہیں۔

اوہ......تم کوئی میرے ساتھ جاتی ہوئی اچھی لگتی ہو۔ البتہ......وہ پھر آنکھ دبا کر بولے...... رملی میرے ساتھ جائے تو مزہ بھی آئے۔ لوگ کہیں گے ماشاءاللہ کیا جوڑی ہے۔

اس پر کسریٰ باجی سادگی سے مسکرائیں۔ مگر رملی کو یہ بات بہت بری لگی اسے یوں لگا جیسے یہ بات کہہ کر شان بھائی نے دانستہ پھوباجی کو تکلیف پہنچائی ہو۔ مگر کسریٰ باجی خوش دلی سے مسکرا رہی تھیں۔ جیسے انہیں یہ بات سن کر بہت مزہ آیا ہو۔

شان بھائی آپ نے گندی بات کی ہے......رملی نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

کیوں تم میری سالی نہیں ہو......؟

ہوں تو......!

سالی آدھی گھر والی نہیں ہوتی؟

ہوتی ہے۔

تو اس کے ساتھ کلب جانے سے کیا ہوتا ہے؟

اس پر تینوں ہنسنے لگے۔

ہاں شان تم کسی دن رملی کو کلب لے ہی جاؤ۔

For more visit (exponovels.com)

نہ......میں نہیں جاؤں گی......رملی جلدی سے بولی۔

میرے ساتھ جا کر دیکھو۔کس طرح لوگ تمہیں سر آنکھوں پر بٹھائیں گے۔

اگر کسریٰ باجی ساتھ جائیں تو میں چلنے کو تیار ہوں۔

لو اور سنو......شان بھائی کسریٰ باجی کی طرف دیکھ کر بولے۔

پھر خاک مزہ آئے گا......کباب میں ہڈی والی بات۔

کسریٰ باجی ہنستے ہوئے برتن سمیٹنے لگیں۔شان بھائی کھڑے ہو گئے۔

کہاں چلے......کسریٰ باجی نے پوچھا اور چائے پیو۔

ذرا کپڑے بدل آؤں،تمہاری بہن مجھے نظر لگا دے گی۔

اونہہ بڑے آئے یوسف ثانی۔

شان بھائی نے قہقہہ لگایا اور اندر چلے گئے۔واپس آئے تو کتھئی رنگ کا کرتا شلوار پہن رکھا تھا۔گلے کے کھلے بٹن دونوں ہاتھوں سے بند کرتے ہوئے باہر آ گئے۔

شلوار کرتے میں وہ اور بھی بھلے لگے۔مگر رملی نے جان بوجھ کر ان کی طرف نہیں دیکھا بلکہ پیالی پر جھک کر چائے پینے لگی۔

ان کے بیٹھتے ہی کسریٰ باجی بولیں۔

رملی بیچاری کو اتنے دن ہو گئے یہاں آئے ہوئے اسے کہیں گھما ہی لاتے۔

حضور کا پھلہ جو ختم نہیں ہو پاتا......وہ تمسخرانہ انداز میں بولے۔

میری تو خیر مجبوری ہے۔اس بیچاری کو لے جاؤ نا۔

نہیں کچھو باجی......رملی جلدی سے بولی۔

مجھے گھومنے گھمانے کا بالکل شوق نہیں ہے۔مجھے تو بس گھر میں مزہ آتا ہے۔

اسے تو میرا خیال ہے ایک بار صرف چڑیا گھر کی سیر کرا دی جائے۔

کیوں؟رملی نے پوچھا۔

سنا ہے تمہیں خوفناک درندے اچھے لگنے لگے ہیں۔

exponovels

رملی کے دل پر ہتھوڑا لگا اور پھوپھی جی کا رنگ اڑ گیا۔

انہوں نے تہدیدی انداز میں شان کی طرف دیکھا اور جلدی سے کہنے لگیں۔ ہماری رملی بہت اچھی لڑکی ہے۔

میں نے کب کہا بری ہے...... شان بھائی نے اسی طرح جواب دیا۔

مگر اس چوٹ کے بعد رملی بولنے کے قابل نہ رہی۔

دوسرے دن ناشتے کی میز پر جب شان بھائی بن ٹھن کر آئے تو رملی نے نظر اٹھائے بغیر ناشتہ ان کے آگے سرکا دیا۔

وہ تھوڑی دیر اس کا چہرہ دیکھتے رہے، پھر بولے۔

رمو! تو نے میرے کل کے مذاق کا برا تو نہیں مانا۔

نہیں تو......!

آج کچھ خفا خفا لگ رہی ہے۔

شان بھائی وہ مذاق تو نہیں تھا اور سچی بات کا برا کیا منانا......؟

اوہو...... شان بھائی زبردستی ہنسے۔

کچھ بھی سچ نہیں تھا۔ میں تو یونہی تمہارے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر رہا تھا۔

چھیڑ چھاڑ اور دل آزاری کا آپ کو حق پہنچتا ہے۔

اوہو...... شان بھائی جزبز ہونے لگے۔ بھئی تم روٹھی روٹھی ذرا بھی اچھی نہیں لگتی ہو۔ مسکراؤ...... ورنہ میں تمہیں گدگداؤں گا۔

وہ کرسی سے اٹھنے لگے تو رملی جلدی سے مسکرا دی۔

پلیز شان بھائی، مجھے ہاتھ نہ لگایئے گا۔

شان بھائی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔

اور پھر ناشتہ شروع کر دیا۔

تمہیں پتہ نہیں شاید...... کہ خوبصورت لڑکیاں ہمیشہ مسکراتی ہنستی ہی اچھی لگتی ہیں۔ میں کسی بھی حسین لڑکی کو سوگوار نہیں دیکھ سکتا اسے میری کمزوری کہہ لو، کسی اداس خوبصورت لڑکی کو دیکھ لوں تو جی چاہتا ہے دنیا بھر کی خوشیاں لا کے اس کے قدموں میں ڈھیر کر دوں۔

(ہائے شان بھائی آپ کتنے عظیم ہیں)

رملی کی آنکھ تر ہونے لگی، اس لئے اس نے سر جھکا لیا۔

تم جب سے آئی ہو، گم صم اور اداس ہو۔ اس لئے میں بار بار تمہیں چھیڑتا ہوں۔ تمہیں ہنساتا ہوں، رمو۔ تم اس طرح کیوں اداس رہتی ہو۔

نہیں تو شان بھائی......؟

اب تو باقاعدہ اس کا ایک آنسو باہر آ گیا تھا جسے اس نے انگلی کی نوک پر اتار لیا۔

ہمدردی کا خنجر کیسا تیز ہوتا ہے۔ حوصلے کا سائباں پھاڑ دیتا ہے۔ کتنے عرصے بعد اسے ایک ہمدرد اور ایک مسیحا نظر آیا تھا۔ کتنی لگاوٹ سے شان بھائی نے اس کے دکھتے دل پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

شان بھائی اس سے اسے بہت اونچے لگے۔

آج چائے بناؤ گی یا بس......سوچتی رہو گی۔

شان بھائی اس کے ضبط کی ندی میں اضطراب کا ایک کنکر پھینک کر جیسے مطمئن ہو گئے تھے۔

رملی نے جلدی جلدی چائے بنائی اور ان کے آگے رکھ دی۔

پھر نظریں اٹھا کر انہیں نہ دیکھ سکی۔

آج بھی شان بھائی حسب معمول شاندار لگ رہے تھے۔ انہوں نے گہرے رنگ کا چیک سوٹ پہن رکھا تھا۔ اندر واسکٹ بھی تھی۔ واسکٹ کے آس پاس ہلکی گلابی امریکن کاٹن کی قمیض نظر آ رہی تھی۔ ویسا ہی گلابی سلک کا رومال جیب سے جھانک رہا تھا۔ قمیض کی آستینوں پر دل کی شکل کے کف لنک کوٹ سے باہر نظر آ رہے تھے اور ناشتہ کی میز کے اردگرد بے تحاشہ خوشبو پھیلی ہوئی تھی، شان بھائی خوشبو میں اس طرح نہا کر آتے جیسے کوئی دلہن سنگھار مرکز سے نکل کر آئی ہو۔

جب بھی اپنے کمرے سے نکلتے ان کے ساتھ خوشبوؤں کے آبشار نکلتے اور رملی سوچا کرتی، پتہ نہیں ان کی خوشبو کا ماہانہ خرچہ کیا ہو گا۔

انہوں نے نیپکن سے منہ صاف کیا اور کھڑے ہو گئے۔

آج شام کو کہیں گھومنے چلیں گے۔

اچھا خدا حافظ......!

خدا حافظ رملی نے آہستہ سے کہا۔

اور وہ بھی مسکراتے ہوئے ایک اپنائیت بھری نظر اس پر ڈال کے چلے گئے۔

For more visit (exponovels.com)

شام کو شان بھائی خلاف معمول ذرا جلدی آ گئے اور آتے ہی کسریٰ باجی کو پکارا اور بلند آواز میں بولے۔

آج میں سینما کے ٹکٹ لایا ہوں۔ جلدی سے تیار ہو جاؤ۔

میں کیسے جاؤں گی شان...... کسریٰ باجی تردد سے بولیں۔ لاڈلی کو رات سے بخار ہے۔ میں نے تمھیں بتایا بھی تھا۔

بھئی میرے پاس تو آج شام ہی فارغ تھی، نہیں جانا چاہتیں تو ٹکٹ پھاڑ دو۔

پھاڑ کیوں دو......؟ تم رملی کو ساتھ لے جاؤ۔

نہیں باجی میں اکیلی نہیں جاؤں گی۔

اکیلی کہاں ہو تم، ساتھ میں شان ہیں۔

نہیں باجی، رملی بولی۔ آپ جائیں گی تو میں بھی جاؤں گی۔ مجھے فلم دیکھنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔

بے وقوف...... کسریٰ باجی سرگوشی سے بولیں۔

شادی سے پہلے تو تو ہر وقت شان کے پیچھے پیچھے پھرتی تھی کہ مجھے فلم دکھالائیں۔

اب نہیں جی چاہتا باجی۔

کیوں نہیں جی چاہتا؟ باجی غرائیں۔ جب سے آئی ہے گھر میں گھسی بیٹھی ہے۔ میری تو مجبوری ہے ابھی گھوم پھر نہیں سکتی۔ تم ہی شان کے ساتھ جا کر ذرا تفریح کر آیا کرو۔

اتنی سخت سردی میں تو بس گھر میں گھس کر بیٹھنے میں ہی مزہ آتا ہے۔

کیوں بیکار میں بحث کر رہی ہو کسریٰ...... شان بھائی ان کی سرگوشیوں سے تنگ آ کر بولے اگر وہ اکیلی میرے ساتھ نہیں جانا چاہتی تو اسے کیوں مجبور کر رہی ہو...... نہیں جائیں گے آج، لاؤ چائے پلاؤ۔

پھوباجی آپ لاڈلی کو لپیٹ کر ساتھ لے لیں۔ کئی عورتیں بچے ساتھ لے آتی ہیں۔

سینما ہال اندر سے گرم ہوتے ہیں۔

دیکھتی ہوں...... یہ کہہ کر پھوباجی کچن میں گئیں چائے کا کہہ کر آئیں پھر اپنے کمرے میں جا کر تیار ہونے لگیں۔

رملی بھی خوشی خوشی اٹھ گئی۔ جا کر ہلکا ہلکا میک اپ کیا۔ پرس اٹھایا۔ شال لپیٹی...... واپس آئی تو شان بھائی [illegible] رہے تھے اور ساتھ میں اخبار بھی دیکھ رہے

exponovels

For more visit (exponovels.com)

تھے۔

وہ سیدھی پھوباجی کے کمرے میں چلی گئی۔ پھوباجی نے اپنے بکھرے ہوئے بال جوڑے میں باندھ لئے تھے۔ لمبا کوٹ پہن لیا تھا۔ لاڈلی کو لپیٹ کر ایک طرف لٹا دیا تھا اور خود اس کے دودھ کی بوتل بنا رہی تھیں۔

جونہی بوتل ہٹا کر پھوباجی نے لاڈلی کو اٹھایا...... اس نے ایک دم قے کر دی۔ پھوباجی کا کوٹ اور سارے کپڑے خراب ہو گئے...... انہوں نے غوطے کھاتی لاڈلی کو ایک دم بستر پر لٹا دیا اور روئی لے کر اس کا چہرہ صاف کرنے لگیں۔

اسے صاف کرنے کے بعد پھوباجی نے رملی کو پکارا اور التجا بھرے لہجے میں بولیں۔ دیکھو رمو: لاڈلی کو کتنا تیز بخار ہے۔

رملی نے ہاتھ لگایا تو اس کی پیشانی آگ بنی ہوئی تھی۔

اور ساتھ میں یہ الٹیاں بھی کر رہی ہے۔ تیرے کہنے پر میں اسے لپیٹ کر لے چلی تھی، مگر تو خود ہی بتا ایسے عالم میں وہاں کیسے بیٹھ سکوں گی اور کس طرح فلم دیکھ سکوں گی۔ اس طرح باہر جانے سے بچی کو اور ٹھنڈ لگ جائے گی۔

تو نہیں جاتے پھوباجی...... کونسی ایسی مجبوری ہے۔

بے وقوف...... تو شان کے مزاج کو نہیں جانتی۔ ابھی برہم ہو جائے گا۔ کہے گا ہم نے اسے تیار کرا کے پروگرام بدل لیا ہے۔ روٹھ کر جائے گا تو کہیں رات گئے واپس آئے گا۔

تو پھر میں کیا کروں پھوباجی؟

دیکھ تو شان کے ساتھ چلی جا۔

نہیں پھوباجی...... مجھے عجیب سا لگتا ہے۔

پگلی وہ برا مان جائے گا۔ سوچے گا تو اسے غیر سمجھ رہی ہے۔ یہ رشتے بڑے نازک ہوتے ہیں۔ جا...... شاباش چلی جا...... اور حرج بھی کیا ہے، وہ تیرا بہنوئی ہی تو ہے۔ کسی غیر کے ساتھ تو نہیں جا رہی۔

رملی نے اپنی شال درست کی اور بادل نخواستہ باہر نکل آئی۔

جب موٹر چل پڑی تو شان بھائی کا موڈ بڑا شگفتہ ہو گیا۔ مسکرا مسکرا کر اسے لطیفے اور چٹکلے سنانے لگا۔

سینما کے اندر داخل ہوئے تو شان بھائی ڈریس سرکل میں جانے کی بجائے ایک باکس کی طرف بڑھے۔ دروازہ کھولا تو اندر اندھیرا تھا۔ ٹارچ والا بھی پیچھے چلا

آیا۔ رملی گھبراہٹ میں اگلے صوفے پر آ گئی اور دھپ سے بیٹھ بھی گئی۔ ٹارچ والا روشنی دکھا کر چلا گیا اور دروازہ بند ہو گیا تو شان بھائی بھی اس کے پاس بیٹھ گئے۔

شان بھائی آپ نے باکس کا ٹکٹ کیوں لیا؟

رملی کے لہجے میں شک تھا۔

بھئی سارے خاندان نے جو آنا تھا۔ دیکھو یہ لوگوں کا باکس ہے۔ اب اگر دونوں بچیاں بھی ساتھ ہوتیں تو انہیں لٹانے اور دودھ پلانے میں کتنی آسانی ہوتی۔ پھر بچے ساتھ ہوں تو ہمیشہ باکس میں بیٹھنا چاہئے۔ بچے اندھیرے سے گھبرا کر ضرور چلاتے اور شور مچاتے ہیں۔ اس طرح لوگ ڈسٹرب ہوتے ہیں۔ باکس میں بیٹھے ہوں تو انہیں آسانی سے باہر نکالا جا سکتا ہے۔

ہاں...... ہاں...... رملی بے حد شرمندہ ہو گئی۔ اسے احساس ہوا کہ یہ پوچھتے وقت اس کا لہجہ ٹھیک نہیں تھا۔

اگر تمہیں اچھا نہیں لگ رہا تو نیچے گیلری میں چل بیٹھتے ہیں۔

ایسی کوئی بات نہیں شان بھائی۔

رملی سامنے سکرین پر دیکھنے لگی۔

میں سوچ رہی تھی آپ نے ناحق اتنے پیسے ضائع کئے۔

پگلی...... تمہیں خوش دیکھنے کے لئے میں کیا نہیں کر سکتا۔

پکچر شروع ہوئے تو کافی دیر ہو چکی ہے۔

ہاں...... خواتین کا ساتھ ہو تو ہمیشہ دیر ہو جاتی ہے۔ انہیں پہلے کپڑوں اور بچوں کے بارے میں ایک کانفرنس کرنا ہوتی ہے۔

نہیں شان بھائی، رملی تڑپ کر بولی۔

پھوباجی ایسی خواتین میں سے نہیں ہیں۔ وہ جھٹ پٹ تیار ہو گئیں تھیں۔ مگر واقعی لاڈلی کو بڑا تیز بخار تھا۔

بس جانے دو...... وہ بھی عجیب سست الوجود عورت ہے۔ یہ کہہ کر شان بھائی نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائی اور پکچر دیکھنے لگے۔

شان بھائی کا لہجہ پھوباجی کے لئے اسے ذرا بھی اچھا نہ لگا۔ مگر وہ بڑے قرینے سے کھسک کر صوفے کے دوسرے کنارے پر ہو گئی۔

پکچر دیکھنے کی بجائے اس کے ذہن میں ایک کشمکش سی ہونے لگی۔ بھلے شان بھائی اس کے بہنوئی تھے اور وہ ان سے ہمیشہ بے تکلف تھی مگر تھے تو نامحرم نا...... اب جب کہ شادی شدہ خاتون تھی، اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر ایک نامحرم کے ساتھ یوں چلے آنا کیا اچھی بات ہے۔ گو وہ پھوباجی کی اجازت سے آئی ہے بلکہ ان

For more visit (exponovels.com)

کی ایک مجبوری کو نبھانے چلی آئی ہے مگر کیا خبر معاذ اس بات کو پسند نہ کرے۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ وہ معاذ کو بالکل پسند نہیں کرتی اور نہ اس کے ساتھ پکچر دیکھنا پسند کرتی ہے۔ جب سے شادی ہوئی ہے وہ بے چارہ کئی بار کہہ چکا ہے کہ اسے انگریزی فلمیں پسند ہیں۔ مگر رملی کو اس کے ساتھ سینما ہال میں بیٹھنے سے گھن آتی تھی اور ہمیشہ کہہ دیتی۔ آج کل ہال میں بیٹھنے سے میرا جی الٹ جاتا ہے، پلیز ابھی نہیں۔

اب اگر وہ سنے گا تو کیا کہے گا...... اگرچہ بہنوئی کا رشتہ کوئی غیر نہیں ہوتا، لیکن فرض کرو معاذ برا مان جائے تب......!

فلم کیا خاک دیکھتی بیٹھی اپنے ذہن کی الجھی گتھیاں سلجھاتی رہی۔

اتنے میں انٹرول ہو گیا، تب اسے احساس ہوا کہ وہ لوگ آدھا گھنٹہ لیٹ آئے تھے۔ روشنی ہوتے ہی جیسے لوگوں کا سیل رواں تنگ دروازوں میں سے باہر کی طرف لپکا۔

سیٹیاں...... سگریٹ...... چیخیں...... چہکار...... بچوں کا شور وغل...... ایک دم زندگی جاگ اٹھی۔ شان بھائی بھی باہر نکل گئے شاید وہ سگریٹ پینا چاہتے تھے۔ رملی کو یوں محسوس ہوا جیسے اس نے شان بھائی کے ساتھ آ کر اچھا نہیں کیا...... لیکن اب اس کا اظہار اپنی کسی حرکت سے نہیں کرتا تھا۔

پانچ منٹ کے بعد شان بھائی اندر آ گئے ان کے ہاتھ میں چپس اور چلغوزوں کے لفافے تھے، سارے لفافے انہوں نے رملی کی گود میں ڈال دیئے اور بولے۔

چائے پیو گی؟

نہیں شان بھائی ابھی گھر سے پی کر چلی تھی۔

وہ پھر باہر چلے گئے۔

دوبارہ اندھیرا ہوا تو وہ جلتے سگریٹ کے ساتھ اندر آ گئے سارے باکس میں سگریٹ کی بو پھیل گئی جو رملی کو اچھی نہیں لگی۔ جب ساری بتیاں گل ہو گئیں اور سکرین دوبارہ متحرک ہوئی تو شان بھائی نے سگریٹ کا ٹکڑا فرش پر پھینک کر جوتے سے مسل دیا۔ فلم دوبارہ شروع ہو گئی۔

فلم میں کیا دیکھنے آتے ہیں لوگ......؟

رملی نے کرب سے سوچا۔

نہ تو اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں مسکراتا ہوا ہیرو اچھا لگ رہا تھا اور نہ اداؤں سے کھیلتی بنی ٹھنی ہیروئن...... شادی سے پہلے اسے فلموں کا جنون تھا۔ ہر فلم ہر صورت میں دیکھتی تھی اور ہر نوجوان لڑکی کی طرح...... اپنے آپ کو ہیروئن کے فریم میں جڑ لیتی تھی۔ لڑکیاں اور لڑکے شاید اپنے خواب مجسم دیکھنے آتے ہیں۔ وہ اکثر سوچتی نہ جانے یہ ادھیڑ اور بوڑھے کیا دیکھنے آتے ہیں؟ اس کا کوئی خواب پورا نہیں ہوا تھا تو ساری دنیا ایک جھوٹ نظر آ رہی تھی۔

For more visit (exponovels.com)

ایک ہی تو بازی ہوتی ہے عورت کے مقدر کی...... وہ بھی ہار جائے تو اس کے پاس کیا رہ جاتا ہے؟ کل کو اس کا بچہ ہو جائے گا اور لوگ کہیں گے بچے والی ماں کو خواب دیکھنے کی کیا ضرورت تھی...... اسے تو اس کائنات میں سے ایک حصہ مل چکا۔

کیا دنیا ایک فریب مسلسل ہے؟

کیا زندگی خوابوں سے کوئی الگ شے ہے؟

اگر انسان مجبور محض ہے تو اسے خواب دیکھنے کی صلاحیت کیوں بخشی گئی؟

کیا زندگی ایک پر فریب بہلاوہ ہے؟

لوگ لوگوں کو پھسلائے جا رہے ہیں؟ کہانیاں سنا کر...... فلمیں بنا کر...... یہ فلمیں، یہ افسانے، یہ سب ان تشنہ آرزو لوگوں کے نہ پورے ہونے والے خواب تو نہیں...... جنہیں کبھی وہ سکرین پر پھیلا دیتے ہیں اور کبھی کاغذ پر...... اور مجھ جیسی دیوانی لڑکیاں ان خوابوں میں اپنی ذات کے گھروندے بنا لیتی ہیں۔

یکا یک اسے محسوس ہوا کہ شان بھائی اس کی طرف کھسک آئے ہیں۔ اس کا دل پھر دھڑ دھڑ بولنے لگا۔

اور وہ سن ہو گئی۔

شان بھائی اس کے ساتھ جڑ کر بیٹھ گئے۔

تھوڑی دیر بعد چہرہ اس کی طرف جھکا کر بولے۔

اتنی سمٹ کر کیوں بیٹھی ہوئی ہو؟ کیا خوف آ رہا ہے؟

نہیں تو...... وہ جلدی سے بولی۔

کیسی لگ رہی ہے پکچر......؟

بے ہودہ۔

تو چلو پھر چلتے ہیں...... وہ حامی بھرنے والی تھی کہ وہ بولے۔ اس سے اچھا ہے کسی ریستوران میں چل کر بیٹھتے ہیں، گپ لگاتے ہیں۔ کھانا کھاتے ہیں۔

رملی ایک دم چپ ہو گئی، تھوڑی دیر بعد بولی۔

بس تھوڑی سی تو رہ گئی ہے فلم...... اب دیکھ کر ہی چلیں گے۔

لیکن پھر اس کے بعد رملی فلم نہیں دیکھ سکی۔ اسے شان بھائی کے یوں جڑ کر بیٹھنے سے الجھن ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے صوفے کی پشت پر اس طرح

For more visit (exponovels.com)

بازو رکھ لیا کہ اس کا سر بازو کے حلقے میں آ گیا۔ رملی کا دل چاہ رہا تھا یہاں سے اٹھ کر بھاگ جائے اس نے جلدی سے اپنے ٹھنڈے ہاتھ اپنی شال میں چھپا لئے اور دم سادھ کر بیٹھ گئی۔

بارے فلم ختم ہوئی...... تو اس کی جان میں جان آئی۔ شال لپیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی، بلکہ دروازے کی طرف دوڑی۔

ٹھہرو...... رمو: ذرا بھیڑ کو چھٹنے دو...... شان بھائی نے بڑی نرم آواز سے کہہ کر آہستہ سے اس کا بازو تھام لیا۔

چاہنے کے باوجود وہ بازو نہ چھڑا سکی۔ جب ذرا راستہ صاف ہوا تو وہ اسے تھامے تھامے یوں نیچے لائے جیسے وہ صدیوں کی بیمار ہو اور ان کے سہارے کے بغیر چل نہ سکتی ہو۔

موٹر میں بیٹھی تو اور بھی سکڑ گئی۔

کچھ کھاؤ گی؟

نہیں شان بھائی۔

اس نے جلدی سے کہا۔

مجھے بار بار پھوباجی کا خیال آ رہا ہے۔ پتہ نہیں لاڈلی کی طبیعت اب کیسی ہوگی؟

وہ اکیلی پریشان ہو رہی ہوں گی۔

اچھا کہیں رک کر پان لے لیتے ہیں۔

انہوں نے ایک جگہ گاڑی روک کر پان خریدے۔

وہ دونوں جب گھر میں داخل ہوئے تو میز پر کھانا لگوائے پھوباجی سلائیاں لے کر بیٹھی ہوئی تھی۔

شان بھائی کا چہرہ چمک رہا تھا اور بڑے شگفتہ موڈ میں نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے پانوں کا بنڈل کسریٰ باجی کی گود میں پھینک دیا اور پھر اس کے کندھے پر دھپ رسید کرتے ہوئے اس کے ساتھ جڑ کر بیٹھ گئے۔

کیسی ہو ڈارلنگ......؟

پکچر کیسی لگی رمو......؟ کسریٰ باجی نے شان بھائی کے چھپاتے چہرے سے نظریں ہٹا کر رملی کا بجھا بجھا چہرہ دیکھتے ہوئے پوچھا۔

اچھی تھی...... وہ بیدلی سے بولی۔

For more visit (exponovels.com)

رملی زینب کی اُنگلی پکڑے ہوئے شان بھائی کے ساتھ کلب میں داخل ہوئی تو ہر فرد و بشر کی نگاہ اس کی سمت اُٹھ گئی۔ ایک تو اس پر آج کل ویسے ہی آسمانی روپ اُتر رہا تھا اس پر زکام کی وجہ سے ننھی سی ناک سرخ ہو گئی تھی اور آنکھوں میں ایک کیف آگیں نمی ٹھہر گئی تھی۔ اس نے اپنے سارے وجود کو تلے دار شال میں ڈھکا ہوا تھا۔ لمبے اور سیدھے بال کندھوں پر جھول رہے تھے۔

مسکراتی ہوئی ہال میں داخل ہوئی تو ہر چہرہ سوال تھا۔

لوگوں کو یوں مبہوت دیکھ کر رملی جی ہی جی میں بہت خوش ہوئی۔ شان بھائی نے کندھے اچکائے اور سرگوشی میں بولے۔

دیکھی میری شان۔

اچھا آپ بھی شان دکھاتے ہیں۔

جی ہاں میں تو ہوں ہی شاندار۔

رملی ہنس دی۔ کاش پھوباجی بھی ساتھ ہوتیں۔

چپ رہو، کئی لوگوں کو معلوم نہیں تم میری کیا لگتی ہو؟ دیکھو...... کیسے رشک سے دیکھ رہے ہیں۔

تو آپ انہیں بتادیں نا! شان بھائی...... کہ یہ میری سالی ہے۔

ارے بھئی اتنی جلدی کیا ہے؟ پہلے یہ لوگ اچھی طرح میری قسمت پر رشک تو کرلیں، رملی کو یہ بات اچھی نہیں لگی۔

آج جمعہ تھا اور شان بھائی نے اٹھتے ہی بتا دیا تھا کہ آج کلب میں طنبولا پارٹی ہے اور سب لوگ جائیں گے۔

پھوباجی بیچاری بالکل تیار تھیں۔ آج تو لاڈلی کی طبیعت بھی ٹھیک تھی اور پھر پارٹی چار بجے شام تھی۔ خیال تھا لاڈلی کو لپیٹ کر اُٹھا لیں گے اور سب چلیں گے مگر عین وقت پر خانساماں دغا دے گیا اس کی بیوی کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ صبح دو گھنٹے کی چھٹی لے کر گیا تھا مگر شام کو کہلا بھیجا کہ وہ نہیں آسکتا۔ اس پر غضب یہ ہوا کہ پھوباجی کی ایک سہیلی واہ سے پنڈی آئی ہوئی تھی۔ وہ دن گزارنے کے لئے ان کے ہاں آگئی۔ سارا دن تو کھانا تیار کرنے میں گزر گیا تھا۔ جب شام کو خانساماں نہیں آیا تو پھوباجی گھر پر ہی رک گئیں اور منت سماجت کر کے رملی اور زینب کو شان کے ساتھ بھیج دیا۔ رملی پھوباجی کا دل نہیں توڑ سکتی تھی۔ ناچار آنا پڑا۔

آج رملی نے پہلی بار محسوس کیا، شان بھائی اس کو اپنے ساتھ لے جا کر بہت خوش ہوتے تھے۔

کبھی بیٹھے بیٹھے کسری باجی کہہ دیتیں۔ شان آج پھل بالکل نہیں ہے۔ ذرا دوڑ کے پھل تو لے آؤ۔ ہاں...... رملی کو ساتھ لیتے جانا۔

کبھی رملی کے ہاتھ پر پیسے رکھ کر کہتی۔ رملی شان کے ساتھ جا کر انڈے ڈبل روٹی تو لے آؤ۔ [illegible]

For more visit (exponovels.com)

اور نہیں تو لاڈلی کے دودھ کے ڈبے...... دوائیاں...... یا فیڈر وغیرہ لینا ہوتا تو پھوپا جی مسلسل چلائے جاتیں۔شان بھائی کے کان پر جوں تک نہ رینگتی۔جونہی وہ کہتی......رملی تم ہی جا کر لا دو...... تو شان بھائی چابیاں پکڑ کر کھڑے ہو جاتے...... رملی جانتی تھی کہ وہ اپنی سب بہنوں میں حسین ہے۔اس کو اپنی جاذبیت کا پورا پورا احساس تھا۔اسے شان بھائی کا سراہنا اچھا بھی لگتا تھا۔مگر جب سے اس نے ان کے گھر میں رہ کر شان بھائی کا رویہ پھوپا جی کے ساتھ دیکھا تھا۔اسے بہت برا لگا تھا۔کس قدر معمولی شے سمجھتے تھے شان بھائی پھوپا جی کو...... ذرا بھی توجہ کے قابل نہیں سمجھتے تھے۔صرف ان کا رنگ ہی گندمی تھا، مگر کتنی کشش تھی ان کے سانولے رنگ میں۔

شان بھائی آپ پھوپا جی کو بھی یہاں لاتے ہیں۔

ابھی تو میں خود نیا ممبر بنا ہوں اور جب سے وہ چندی آئی ہے...... بیمار ہے۔

ان کو بھی لائیں نا؟

ارے وہ میرے ساتھ چلتی ہوئی اچھی لگے گی۔

کیوں...... ان میں کیا کمی ہے؟

تم ذرا اپنی طرف دیکھو، پھر بات کرو۔ادھر دیکھو لوگ آپس میں چہ مگوئیاں کر رہے ہیں اور سوچ رہے ہیں کتنی لاجواب جوڑی ہے۔

وہ دونوں ایک میز کے گرد بیٹھ گئے...... زینب بھی ساتھ بیٹھ گئی۔

بیٹھتے ہی رملی کو معاذ کا خیال آ گیا۔اگر کبھی رملی معاذ کے ساتھ کلب میں آئے تو لوگ کیا سوچیں گے۔

سوچیں گے کتنی بدذوق عورت ہے...... احساس جمال تو اس میں ہے ہی نہیں اور ممکن ہے یہ بھی سوچیں کہ اس عورت کی بینائی کمزور ہے جو اتنے مکروہ صورت آدمی کے ساتھ اٹھتی بیٹھتی ہے۔عام طور پر حسین و جمیل عورتیں ان بدصورت مردوں سے شادیاں کر لیتی ہیں جن کے پاس اقتدار یا بے تحاشا دولت ہوتی ہے۔ایسے میں اسے جیکی کنیڈی کا خیال آ گیا۔جان۔ایف کنیڈی کے بعد جب اس نے اوناسس سے شادی کر لی تھی تو رملی کو ذہنی دھچکا لگا تھا۔اس کا خیال تھا جیکی کو جان کی طرح کے کسی خوبرو اور پرکشش آدمی سے شادی کرنی چاہیے تھی۔لیکن پھر کسی نے بتایا کہ اوناسس دنیا کا امیر ترین آدمی ہے۔تب جیکی کی بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔

لیکن معاذ تو امیر ترین آدمی نہیں تھا، بس اچھا گزارا ہو رہا تھا۔گھر میں کسی چیز کی کمی نہیں تھی۔ویسے تو سب ہی کہتے تھے، معاذ ایک دن بہت بڑا آدمی بن جائے گا۔ اس کے اندر بڑا آدمی بن جانے والی ساری صلاحیتیں تھیں مگر اسے کیا۔

دس بارہ سال بعد اگر وہ بڑا آدمی بن گیا تو رملی کو اس سے کیا فائدہ ہوگا۔کیا اس کے لٹے ہوئے ارمان اور بجھی ہوئی جوانی لوٹ آئے گی...... وہ بھی تو اپنا تن من

exponovels

مار چکی ہوگی۔

کیا خوبی ہے ایسے بڑے آدمی کی، جس کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہوئے دل کراہتا رہے، آنکھ روتی رہے، ہونٹ آہیں بھرتے رہیں اور پھر کیا دولت سے سب خوشیاں خریدی جاسکتی ہیں۔

اب بھی اسے اپنی سب بہنوں سے زیادہ جہیز ملا تھا۔ سب نے دل کھول کر تحفے دیئے تھے۔ بری میں بے جی دو سونے کے اور ایک ہیروں کا سیٹ لائی تھیں۔ بے جی کا ایک ہی بیٹا تھا، انہوں نے اپنا سارا گہنا کپڑا اسی کو دے دیا تھا مگر وہ تو اس زیور اور کپڑے کو ہاتھ بھی نہیں لگاتی تھی۔

یہ گہنا اور کپڑا اس کے جذبات کا مول تو نہ تھا۔

اس لئے کانوں میں وہ ہیروں کے چھوٹے چھوٹے ٹاپس پہنے رہتی۔ جو خضری آپا جی نے اسے شادی پر دیئے تھے اور کلائیوں میں وہ چوڑیاں جو امی جان کی طرف سے ملی تھیں۔ انگلیوں میں بس دو انگوٹھیاں ایک سیدھے ہاتھ میں جو شب عروس میں معاذ نے پہنائی تھی اور جس کے ساتھ اس کے قیمتی جذبات وابستہ نہیں تھے اور دوسری الٹے ہاتھ میں۔

ویسے اس کے پاس ہیرے کی دو چار انگوٹھیاں تھیں۔ مگر آج کل نمائش پسند عورتوں کی طرح اسے ایک ہی انگلی میں تین تین چار چار ہیرے کی انگوٹھیاں پہننا بالکل بھی پسند نہیں تھا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اس کی مخروطی انگلیاں اس قدر خوبصورت تھیں کہ اگر وہ انگلیوں میں کچھ نہ بھی پہنا کرتی تو وہ خوبصورت ہی لگتیں۔

نہ اوڑھنے پہننے میں دلچسپی تھی، نہ ہار سنگھار میں...... ایسے میں وہ سوچا کرتی کون سی شے دل کو خوش رکھ سکتی ہے؟

نظر اٹھا کر دیکھا تو شان بھائی بیرے کو آرڈر دے رہے تھے۔

شان بھائی واقعی اسمارٹ آدمی تھے۔ آج انہوں نے بادامی رنگ کا سوٹ پہنا تھا۔ پرنٹیڈ ٹائی کی ناٹ بڑی اچھی لگ رہی تھی۔ پرنٹیڈ رومال جیب سے جھانک رہا تھا۔

بال قرینے سے بنے ہوئے تھے۔ آنکھوں میں حد درجہ چمک تھی۔ شان بھائی کسی بھی لڑکی کو لبھا سکتے تھے...... اور پھر کتنا مہذب اور دلکش انداز تھا، ان کا باتیں کرنے کا۔

کاش! اس کا شوہر بھی کچھ اسی قسم کا ہوتا، تو پھر وہ دنیا سے منہ چھپا کر اس طرح نہ رہتی۔

کیا دیکھ رہی ہو۔

شان بھائی نے ایک دم اس کی چوری پکڑلی۔

exponovels

دیکھ رہی تھی۔وہ سادگی سے بولی آپ کے سوٹ کا رنگ آج کی شام میں بہت اچھا لگ رہا ہے۔

شکریہ! انہوں نے سر کو خم دے کر کہا۔

صرف سوٹ کا رنگ ہی اچھا ہے۔خاکسار کے متعلق تم نے کچھ نہیں فرمایا۔

بس اب اترایئے نہیں، رملی نے اپنے لڑکپن والے انداز میں اچک کر کہا۔

ذرا سی تعریف کر دیں تو آپ اترانے لگتے ہیں۔

بھئی میں تو ہوں ہی تعریف کے قابل...... دیکھا نہیں کلب کی ساری عورتیں مجھے پرشوق نظروں سے دیکھ رہی ہیں۔

کچھ کم خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہیں آپ!

اچھا تو تم یہ جوس پی لو...... گیم شروع ہونے والی ہے۔

رملی نے جوس کا گلاس اپنے آگے کر لیا اور اس میں سے Straw نکال کے پھینک دیا۔

پہلا گھونٹ لے کر بولی۔

شان بھائی! میں جب سے آئی ہوں آپ ہر روز ایک نیا سوٹ پہن رہے ہیں کتنے سوٹ ہیں آپ کے پاس۔

شان بھائی کھلکھلا کر ہنس دیئے اور بولے۔

میں شہر کا خوش لباس آدمی ہوں۔میرے دفتر میں بھی میرے پہناوے کی دھوم ہے۔

شان بھائی! آپ کو دیکھ کر سوچتی ہوں، عورتیں تو بچاری ناحق بدنام ہیں، آج کل کے مرد فیشن میں عورتوں سے چار ہاتھ آگے ہیں۔دیکھیں نا آپ کے پاس جتنے سوٹ ہیں، اتنی ہی قمیصیں، جرابیں، ٹائیاں، رومال اور سوئیٹر ہوں گے...... کف لنک، کریم، لوشن، خوشبوئیں، الگ...... اور ظاہر ہے مردانہ کپڑے، زنانہ کپڑوں سے زیادہ مہنگے ہوتے ہیں تو اس مہنگائی کے دور میں مرد اتنی زیادہ فضول خرچی کیوں کرنے لگے ہیں جبکہ پہلے زمانے کے مرد ایک کوٹ اور دو پتلونوں میں گزارہ کر لیتے تھے۔

رملی ڈیئر! شان بھائی بولے۔

اب وہ زمانہ نہیں رہا۔زندگی کے معیار بدل گئے ہیں۔اب لوگ اپنی ظاہری حیثیت اور لباس سے پہچانے جاتے ہیں۔مردوں میں بھی خود پسندی اور خودنمائی آ گئی ہے اور پھر ہم لوگ کماتے ہیں، چاہیں تو ساری تنخواہ لباس پر ہی خرچ کر لیں۔

For more visit (exponovels.com)

تو پھر بیچاری عورتیں بدنام کیوں ہیں کہ فیشن پر پیسہ تباہ کرتی ہیں۔ میک اپ پر سینکڑوں روپیہ ضائع کرتی ہیں۔ حالانکہ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ آج کل کے نوجوان لڑکے بیوٹی پارلر جا کر بال سیٹ کراتے ہیں۔ ناخن بڑھا کر نیل پالش لگاتے ہیں، گلے میں لاکٹ پہنتے ہیں، حتیٰ کہ ہلکا ہلکا میک اپ بھی کرتے ہیں...... آپ تو روزانہ خوشبو میں نہا کر نکلتے ہیں، روزانہ ایک شیشی تو استعمال کرتے ہوں گے۔

فیشن کے ساتھ سب اچھا لگتا ہے۔ شان بھائی نے کہا اور میں فیشن کا مخالف نہیں ہوں۔ خواہ عورتیں کریں یا مرد...... میرے خیال میں عورت کو ہمیشہ خوبصورت نظر آنا چاہئے، خوش لباس ہونا چاہئے، ہر وقت شگفتہ نظر آنا چاہئے، جیسے تم ہو۔

ہم سب بہنوں میں کسریٰ باجی خوش لباس تھیں اور میک اپ کی شوقین بھی تھیں۔

رملی جلدی سے بولی۔

اونہوں...... شان بھائی نے بیچ میں ٹوک دیا۔

کسریٰ تو انتہائی بدذوق عورت ہے۔ کئی کئی دن تک کپڑے نہیں بدلتی، ویسے وہ بیچاری فیشن کرے بھی تو اس پر جچتا نہیں۔

یہ سن کر رملی کو دھچکا سا لگا۔

پھو باجی، شان بھائی پر جان چھڑکتی تھیں، سارا دن ان کی خوشنودی میں لگی رہتیں۔ ان کے اشارے پر زندگی گزار رہی تھیں اور شان بھائی کو دیکھو...... ان کی عدم موجودگی میں کس قسم کے خیالات کا اظہار کر رہے تھے۔

اسی وقت سب لوگ اٹھ کر ہال کے اندر چلے گئے تو رملی بھی زینب کی انگلی پکڑ کر کھڑی ہوگئی۔ ہال کے اندر شان بھائی بہت سے لوگوں سے ہاتھ ملا کر ملے...... کئی لوگ رملی کو دیکھ کر مسکرائے...... دو ایک نے استفسار کیا مسز شان ہیں؟

بوجھیں تو یہ کون ہیں؟

شان بھائی ہر ایک کو گول مول جواب دیتے رہے، مگر زینب کو بیٹی بیٹی کہہ کر پکار رہے تھے۔ رملی کو یہ ادا بھائی نہیں...... اور اس نے خود ہی عورتوں کو بتانا شروع کر دیا کہ شان اس کے بہنوئی ہیں۔ اس کی بہن آج کل چھلے میں ہے، اس لئے وہ نہیں آ سکی۔

طنبولا شروع ہوا مگر رملی نے حصہ نہیں لیا۔ شان بھائی نے بہت مجبور کیا اور کہا وہ بہت خوش نصیب ہے۔ خوب جیتے گی، مگر رملی نے صاف انکار کر دیا۔ زینب کو گود میں بٹھا لیا اور صوفے سے سر ٹکا لیا اور بولی۔

مجھے اس کھیل سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں صرف دیکھوں گی۔

exponovels

For more visit (exponovels.com)

دور بیٹھ کر وہ کھیل نہیں دیکھ رہی تھی بلکہ سب مردوں اور عورتوں کا جائزہ لے رہی تھی۔عورتوں پر تو اس نے بس سرسری نگاہ ڈالی اور چرالی...... مگر مردوں کو خوب غور سے دیکھ رہی تھی۔شادی سے پہلے وہ مردوں کو غور سے نہیں دیکھا کرتی تھی۔اس کے ذہن میں مرد کے حسن کا کوئی خاکہ خالی نہیں تھا،کوئی معیار نہیں تھا۔

مگر اس وقت اس نے اندازہ لگایا کوئی مرد گورا تھا...... کوئی سانولا اور کوئی کالا...... کسی نے عینک لگا رکھی تھی...... کسی کا قد لمبا تھا...... کسی کا قد چھوٹا تھا،کوئی درمیانہ تھا۔کوئی بہت دبلا تھا کسی کی توند نکلی ہوئی تھی۔مگر کوئی چہرہ ایسا نہیں تھا جسے دیکھ کر طبیعت متلانے لگے۔

شادی سے پہلے وہ بڑی نخریلی ہوا کرتی تھی۔ذرا کوئی بے ڈھنگا مرد دیکھ لیتی تو وہ فوراً ناک سکوڑ کر کہتی۔

آخ تھو،کتنا گندہ ہے۔

لیکن آج اسے سب مرد ٹھیک ٹھاک لگ رہے تھے۔کیونکہ اس نے ایک انتہائی بدصورت مرد دیکھ لیا تھا۔

یہ مرد اپنی جگہ ٹھیک ٹھاک نظر آرہے تھے،ان کی بیویوں کی طرف دیکھتی تو وہ بھی خوش باش اور مطمئن نظر آرہی تھیں۔کچھ ایسے مرد بھی تھے محفل میں جو ہر لحاظ سے اپنی بیویوں سے اچھے تھے،مگر سب لوگ مگن اور خوش نظر نہیں آرہے تھے۔

مگر وہ کبھی خوش نظر نہیں آسکتی۔

اس میں اور معاذ میں دن اور رات کا فرق تھا۔

جس طرح دن اور رات ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر نہیں چل سکتے...... وہ دونوں بھی ایک ساتھ دیکھے نہیں جاسکتے۔کتنا ارمان تھا کہ شادی کے بعد اپنے شوہر کے قدم بہ قدم ساری دنیا کی سیر کرے گی۔جگہ جگہ جائے گی،خوب گھوما پھرا کریں گے...... گھومنے پھرنے کا اسے بہت شوق تھا اور گھومنے پھرنے کے لئے...... مستی میں لہرانے کے لئے...... ایک طرحدار خوبرو مرد کی ضرورت تھی،جس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے تو احساس کے سارے قمقمے ایک دم روشن ہو جائیں۔

اور اب غالباً یہ تمنا ایک حسرت میں بدل گئی تھی...... اور حسرت کو بھی چپ چاپ آنسوؤں کی قبر میں دفن کرنا تھا۔جب وہ خود اپنے شوہر کے ساتھ چلنا برداشت نہیں کرتی تو دیکھنے والے اس تضاد کو کیسے سہہ سکتے تھے...... ہر قدم پر طنزیہ نظروں کے بھالے دل میں اتارنا...... اور لوگوں کے زہر بھرے فقرے سننے کا یارا اس میں نہیں تھا۔

آج اسے پھر ایک بار قنوطیت کا دورہ پڑا تھا اور وہ بیٹھے بیٹھے احساس کمتری کے اندھیرے کنوئیں میں اُتر گئی...... اس کا دل خالی کنوئیں کے ڈول کی طرح...... ادھر ادھر الٹنے پلٹنے لگا...... ہاتھ پاؤں ٹھنڈے برف ہوگئے...... دل الٹ جائے تو ایک دم جسم کی ساری توانائی نچوڑ لیتا ہے...... اس کے چہرے کا نکھار شبنم کی طرح ہو گیا...... اور وہ ایک دم زرد پیلی...... اداس اور گم صم دکھائی دینے لگی۔

For more visit (exponovels.com)

جب گیم ختم کر کے شان بھائی آئے تو اسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔

تمہیں کیا ہوا ہے رمو تھکی تھکی لگ رہی ہو۔

اس نے بھی بات پکڑ کے بات بنائی۔

زیادہ دیر بیٹھی رہوں تو تھک جاتی ہوں۔

دیکھو......شان بھائی مٹھی میں کچھ نوٹ پکڑے ہوئے تھے۔

جتنی گیمز تمہارے نام پر کھیلیں جیت گیا اور اپنے نام کی پرچیاں ہارتا رہا......تم بڑی خوش قسمت لڑکی ہو۔

رملی دکھ سے مسکرائی۔

لوگ محبت کے پردے میں پتہ نہیں کیوں اس کے زخم کریدتے ہیں......اور یہ میرے دکھ کو کیا جانیں۔

الٰہی! ساری دنیا کو میں کیوں رازداں کرلوں؟

آؤ! وہ بولے، کلب کی گرل سے کچھ کھا لیں۔

نہیں شان بھائی! رملی کے چہرے پر بیزاری تھی۔

ارے تمہارے نام سے جیتے ہوئے پیسوں سے......آج تو میں تمہیں ضرور ٹریٹ دوں گا۔

میرا کچھ بھی کھانے کو دل نہیں چاہ رہا اور میرا خیال ہے زینو کو بھی نیند آ رہی ہے۔اب گھر چلیں۔

شان بھائی نے آگے بڑھ کر اس کا ٹھنڈا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے کھینچا......رملی ڈر کر فوراً کھڑی ہوگئی۔سب کے سامنے اسے شان بھائی کی بے تکلفی ذرا بھی اچھی نہیں لگی۔خوف کے مارے ان کے پیچھے چل دی۔

لان میں کرسیاں لگی تھیں اور بیرے تکے اور کباب کی گرم گرم دھواں دیتی سیخیں اٹھائے سروس کر رہے تھے۔لوگ قہقہوں کے ساتھ تکے کباب بھی کھا رہے تھے۔

رملی بھی لہو کے گھونٹ پیتی وہیں بیٹھ گئی۔

بیرے نے جب گرم سیخیں ان کے آگے لا کے رکھیں تو اسے یوں لگا جیسے کباب نہیں بلکہ اس کے دل کو سیخوں میں پرو دیا گیا ہے۔ایسی تکلیف دہ حالت اس کے دل کی بھی تھی۔جل بھی رہی تھا اور لہو بھی ٹپک رہا تھا......دھواں نکل بھی رہا تھا اور کسی کو نظر بھی نہیں آ رہا تھا۔البتہ زینو کی بھوک چمک اٹھی تھی اور وہ اسے گودی میں بٹھا کر اپنے ہاتھ سے کھلانے لگی۔کبھی کبھی بے دلی سے خود بھی کوئی لقمہ کھا لیتی۔

exponovels

یہاں بھی چاروں طرف دیکھتی، اکثر شادی شدہ جوڑے ایک دوسرے کے ساتھ چہلیں کر رہے تھے۔کبھی یہی خواب اس نے بھی دیکھا تھا۔اس کا ہر خواب اپنے شوہر کے ساتھ وابستہ تھا۔اس نے شادی سے پہلے کبھی کسی کے ساتھ فلرٹ نہیں کیا تھا، حالانکہ کئی کزن اسے بے تحاشہ پسند کرتے تھے۔اسے خوبصورت لڑکیوں کی طرح لڑکوں کو ناز نخرے دکھانے میں بھی مزہ نہیں آتا تھا۔بس ذہنی طور پر وہ بڑی مشرقی لڑکی تھی اور ہر تمنا شادی کے بعد پوری کرنا چاہتی تھی۔

مگر قسمت کا کتنا عجیب مذاق تھا۔

جس شوہر کے ساتھ اس کی ذہنی اور جسمانی ہم آہنگی نہیں تھی، اس کا بچہ اس کے پیٹ میں تھا۔

واپسی پر وہ کار میں بڑی گم صم بیٹھی تھی۔زینو اس کے سینے کے ساتھ لگ کر سو رہی تھی۔زینو کو گود میں سلا کر وہ بیٹھ نہ سکتی تھی۔اس لئے اسے ذرا ٹیڑھا ہونا پڑا۔ایک بازو اس کے گرد لپیٹ لیا اور دوسرا سیٹ کی پشت پر رکھ لیا۔وہ ہمیشہ شان بھائی کے ساتھ آگے ہی بیٹھا کرتی تھی۔پیچھے بیٹھنے کا شان بھائی برا مانتے تھے۔

رمو......شان بھائی بڑی آہستہ کار چلا رہے تھے۔

مجھے ایسے لگتا ہے جیسے تم اکثر کسی خیال میں کھوئی رہتی ہو۔

نہیں تو شان بھائی۔

خیر اب مجھ سے نہ چھپاؤ......میں تمہارا روایتی رشتہ دار نہیں ہوں کہ نصیحتیں کرنا شروع کر دوں۔

کیا مطلب شان بھائی۔

میں جانتا ہوں تمہیں معاذ بالکل پسند نہیں ہے۔

رملی تھرا گئی......اس کا سیٹ کی پشت پر رکھا ہوا بازو اپنے آپ سیٹ پر گر گیا۔اس نے اپنی ہتھیلی سیٹ پر ٹکا کر اپنے آپ کو سہارا دیا اور کوشش کی کہ اس بات کی تردید کرے۔اگر کچھ اور نہ کہہ سکے تو حسب عادت نہیں تو......ہی کہہ دے۔

مگر اس کا منہ سل گیا......آج وہ بے حد افسردہ تھی......اس لئے اپنی افسردگی کو چھپا بھی نہ سکی، بن ہو گئی۔

تمہارے ساتھ جو ظلم ہوا ہے......اس کا مجھے پورا احساس ہے، مگر اب اس کا اظہار کرنے کا کوئی فائدہ نہیں......ویسے اتنا تمہیں بتا دوں کہ دن رات جو تمہارے دل پر گزرتی ہے، میں اس سے بے خبر نہیں ہوں۔جب بھی معاذ کو تمہارے ساتھ دیکھتا ہوں......اس انمول بے جوڑ شادی پر جی ہی جی میں کھول اٹھتا ہوں۔جی چاہتا ہے، تمہیں اس خبیث کے پہلو سے نوچ کر اپنے دل میں چھپا لوں......کیا کسی نے چاند کو بھی کبھی اندھیرے کنوئیں میں لٹکایا ہے۔

مگر میں کڑھنے کے علاوہ تمہارے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا رمو۔

exponovels

For more visit (exponovels.com)

یہاں بھی چاروں طرف دیکھتی، اکثر شادی شدہ جوڑے ایک دوسرے کے ساتھ چہلیں کر رہے تھے۔ کبھی یہی خواب اس نے بھی دیکھا تھا۔ اس کا ہر خواب اپنے شوہر کے ساتھ وابستہ تھا۔ اس نے شادی سے پہلے کبھی کسی کے ساتھ فلرٹ نہیں کیا تھا، حالانکہ کئی کزن اسے بے تحاشہ پسند کرتے تھے۔ اسے خوبصورت لڑکیوں کی طرح لڑکوں کو ناز نخرے دکھانے میں بھی مزہ نہیں آتا تھا۔ بس ذہنی طور پر وہ بڑی مشرقی لڑکی تھی اور ہر تمنا شادی کے بعد پوری کرنا چاہتی تھی۔

مگر قسمت کا کتنا عجیب مذاق تھا۔

جس شوہر کے ساتھ اس کی ذہنی اور جسمانی ہم آہنگی نہیں تھی، اس کا بچہ اس کے پیٹ میں تھا۔

واپسی پر وہ کار میں بڑی گم صم بیٹھی تھی۔ زینو اس کے سینے کے ساتھ لگ کر سو رہی تھی۔ زینو کو گود میں سلا کر وہ بیٹھ نہ سکتی تھی۔ اس لئے اسے ذرا ٹیڑھا ہونا پڑا۔ ایک بازو اس کے گرد لپیٹ لیا اور دوسرا سیٹ کی پشت پر رکھ لیا۔ وہ ہمیشہ شان بھائی کے ساتھ آگے ہی بیٹھا کرتی تھی۔ پیچھے بیٹھنے کا شان بھائی برا مانتے تھے۔

رمو......شان بھائی بڑی آہستہ کار چلا رہے تھے۔

مجھے ایسے لگتا ہے جیسے تم اکثر کسی خیال میں کھوئی رہتی ہو۔

نہیں تو شان بھائی۔

خیر اب مجھ سے نہ چھپاؤ......میں تمہارا روایتی رشتہ دار نہیں ہوں کہ نصیحتیں کرنا شروع کر دوں۔

کیا مطلب شان بھائی۔

میں جانتا ہوں تمہیں معاذ بالکل پسند نہیں ہے۔

رملی تھرا گئی......اس کا سیٹ کی پشت پر رکھا ہوا بازو اپنے آپ سیٹ پر گر گیا۔ اس نے اپنی ہتھیلی سیٹ پر ٹکا کر اپنے آپ کو سہارا دیا اور کوشش کی کہ اس بات کی تردید کرے۔ اگر کچھ اور نہ کہہ سکے تو حسب عادت نہیں تو......ہی کہہ دے۔

مگر اس کا منہ سل گیا......آج وہ بے حد افسردہ تھی......اس لئے اپنی افسردگی کو چھپا بھی نہ سکی، بن ہو گئی۔

تمہارے ساتھ جو ظلم ہوا ہے......اس کا مجھے پورا احساس ہے، مگر اب اس کا اظہار کرنے کا کوئی فائدہ نہیں......ویسے اتنا تمہیں بتا دوں کہ دن رات جو تمہارے دل پر گزرتی ہے، میں اس سے بے خبر نہیں ہوں۔ جب بھی معاذ کو تمہارے ساتھ دیکھتا ہوں......اس انمول بے جوڑ شادی پر جی ہی جی میں کھول اٹھتا ہوں۔ جی چاہتا ہے، تمہیں اس خبیث کے پہلو سے نوچ کر اپنے دل میں چھپا لوں......کیا کسی نے چاند کو بھی کبھی اندھیرے کنوئیں میں لٹکایا ہے۔

مگر میں کڑھنے کے علاوہ تمہارے لئے کچھ بھی نہیں کر سکتا رمو۔

exponovels

اس بات پر رملی باقاعدہ رونے لگی۔

اور اس کے آنسو زینو کے چہرے پر گرنے لگے۔ رملی نے اپنا چہرہ پرے کر لیا کہ کہیں زینو کی نیند نہ کھل جائے۔ مگر اس کا دل چاہا کہ وہ اپنے آنسو چھپائے۔

آج وہ اپنے سرکش جذبوں سے ہار گئی تھی اور چھالے کی طرح پھوٹ پڑنا چاہتی تھی...... اگر چھالا زیادہ پھول جائے تو اس میں نشتر چبھو دیتے ہیں کہ یہی اس کا آخری علاج ہوتا ہے۔

اگر شان بھائی نے ہمدردی کا نشتر چبھویا تو بہت اچھا کیا...... زہریلا مادہ باہر تو نکلا۔

کتنی خوبصورت ہے تو رمو...... جیسے پریوں کے دیس کی البیلی شہزادی! مجھے یاد ہے کل تک تیرا معصوم چہرہ ہر غم اور ہر فکر سے آزاد تھا اور آج تیرے چہرے پر کتنا کرب ہے...... کتنی یاسیت اور کتنی تھکن ہے۔

کون ظالم چھین کر لے گیا...... تیرے چہرے کا لاابالی پن...... وہ بے پروائی...... وہ بے فکری...... وہ معصومانہ دلکشی۔

اف...... اپنا چہرہ دیکھو...... کتنی بے چارگی ہے تمہارے چہرے پر......!

رملی کے بے آواز آنسو اس کے رخساروں پر گرتے رہے۔ اس وقت پوری دنیا میں صرف شان بھائی ہی اسے سچے ہمدرد نظر آ رہے تھے۔ وہ تو شکر ہوا کہ وہ موٹر چلا رہے تھے اور اس کی گود میں زینو لیٹی ہوئی تھی، ورنہ اس وقت وہ شان بھائی کے کندھے سے لگ جاتی اور چیخ چیخ کر رونے لگتی۔

کاش میں تیری تقدیر بدل سکتا رمو! اے کاش......!

یہ کہہ کر شان بھائی نے آہستہ سے اپنا گرم گرم مضبوط ہاتھ سیٹ پر پڑے ہوئے رملی کے ٹھنڈے ٹھار ہاتھ پر رکھ دیا...... رملی چونک گئی...... چاہنے کے باوجود اپنا ہاتھ الگ نہ کر سکی۔

شان بھائی کے ہاتھ کی گرفت بہت مضبوط تھی۔ رملی کا سارا جسم لرزنے لگا۔

رمو! شان بھائی کی آواز جذبات میں بھیگ گئی۔

تو کیا جانے مجھے تیرا کتنا خیال ہے، کاش تجھے اندازہ ہو سکتا۔ اگر تجھے منظور ہو تو میں اپنی زندگی کی ساری خوشیاں تیرے قدموں پر رکھ دوں۔

رملی نے زور سے ہاتھ کھینچ لیا۔

کوئی بات ضرورت سے زیادہ ہو گئی تھی...... کہیں دراڑ آ گئی تھی...... کچھ ٹوٹ گیا تھا...... جیسے چلتے چلتے پاؤں کے نیچے کوئی پلاسٹک کا کھلونا آ کر چور چور ہو جائے۔

رملی اپنے پرس سے رومال نکال کر اپنا چہرہ صاف کرنے لگی...... وہ کافی رو چکی تھی۔ اس کے آنسو اس کے دل کی کیفیت کا اظہار کر چکے تھے...... اس کا بھید کھل گیا

For more visit (exponovels.com)

آپ نے کیا کہا۔

میں نے بتادیا کہ شان کے ساتھ کلب گئی ہے۔

اچھا......رملی کا دل دھڑک اٹھا۔

پھر کیا بولے۔

کہنے لگا ایک گھنٹے بعد پھر کرلوں گا۔

تو کیا ایک گھنٹے بعد......؟

ہاں......میں نے معذرت کی کہ وہ ابھی نہیں آئے......جونہی آئے گی میں اسی وقت فون کروادوں گی تو بولا آپ لوگ زحمت نہ کریں۔دس بجے رات میں خود فون کرلوں گا۔

رملی نے گھڑی دیکھی اس وقت پونے نو بج رہے تھے۔

کسری باجی بولیں۔

دس بجنے میں تو کافی وقت ہے۔جاؤ نمبر ملا کر بات کرلو۔خوش ہوجائے گا......کوئی ضرورت نہیں اس کی کال کا انتظار کرنے کی۔

نہیں......رملی کے اندر کی آواز ایک دم پھوٹ کر باہر آ گئی۔میں دس بجے تک انتظار کروں گی۔اگر فون نہ آیا تو خود کرلوں گی۔

ٹھیک ہے کسری باجی نے لاڈلی کے منہ سے بوتل نکال لی۔وہ سوگئی تھی اسے اچھی طرح کمبل میں لپیٹا اور کھاٹ میں ڈال دیا۔پھر رملی کے ساتھ ہی باہر نکل آئیں۔

تم کھانا کھاؤ گی۔انہوں نے رملی سے پوچھا۔

نہیں شان بھائی نے تکے کباب کھلا دیے تھے،حالانکہ رملی نے برائے نام کھایا تھا۔

تو اس کا مطلب ہے کہ شان بھی کھانا نہیں کھائیں گے میں ذرا ان سے پوچھ لوں۔

شان بھائی سامنے ٹی وی لاؤنج میں نہیں تھے۔اس لئے پھو باجی ان کے کمرے میں چلی گئیں۔

رملی اپنے کمرے کی طرف مڑ گئی۔دل سخت گھبرا رہا تھا۔غسل خانے میں جا کے منہ دھویا تو کہیں قرار آیا۔ساڑھی اتار کے رات کے ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہنے......کنگھی سے اپنے بال سلجھا کے ایک چٹیا باندھ لی پھر اون سلائیاں اٹھا کر ٹی وی لاؤنج میں آ گئی۔

For more visit (exponovels.com)

خبرنامہ ہو رہا تھا اور ٹی وی کے پاس کوئی بھی نہیں تھا۔ رملی کو کسریٰ باجی نے اون لا دی تھی کہ وہ زینو اور لاڈلی کا ایک سیٹ ہی بنا دے..... سو وہ بیٹھ کر سلائیاں چلانے لگی۔

اتنے میں کسریٰ باجی ٹرالی گھسیٹتی ہوئی آئیں اور اس کے پاس بیٹھ گئیں۔

کافی پیو گی.....؟

اس وقت؟

اور کب.....؟

کیا کوئی مہمان آ رہے ہیں پھوباجی؟

نہیں تو..... شان کہہ رہے ہیں، کافی پینے کو دل چاہ رہا ہے۔ ان کے لئے بنا لائی ہوں۔

کہاں ہیں شان بھائی۔

اپنے کمرے میں ہیں۔

تو کیا وہ آپ کے کمرے میں نہیں رہتے.....؟

پگلی..... کسریٰ باجی ہنسیں..... پتہ نہیں کیوں ہنسیں..... جب سے دوسری بچی ہوئی ہے۔ میں خود بچوں والے کمرے میں آ گئی ہوں۔ مجھے تو ساری رات جاگنا ہوتا ہے۔ انہیں کیوں بے آرام کروں۔

مگر بچوں کے ساتھ جو بے آرامی ہوتی ہے۔ اس میں دونوں ماں اور باپ کے لئے ایک قسم کی راحت ہوتی ہے۔ شوہر کو بھی اسے Share کرنا چاہئے۔

اچھا..... پھوباجی حسب عادت بڑے پیار سے مسکرائیں اور پھر بولیں اب تمہارا بچہ ہوگا نا؟ تو تم سے سب پوچھوں گی۔

ہائے.....!

رملی نے دل میں سوچا۔

وہ تو بچے کے بغیر بھی ہمیشہ یہی چاہتی رہی کہ معاذ دوسرے کمرے میں سوئے، دوسرے بستر پر سوئے..... اس سے دور رہے..... پرے رہے.....!

اسی وقت اسے کال کا خیال آ گیا..... گھڑی دیکھی تو ابھی پونے دس ہوئے تھے۔ کسریٰ باجی نے کافی کی پیالی بنائی اور شان کو دینے چل دی۔ اٹھتے ہوئے بولیں۔

تمہیں آ کر بنا دوں گی۔

exponovels

اندازے سے زیادہ دیر لگا کر آئیں تو ہنستے ہوئے بولیں۔

خوبصورت مرد کے نخرے بڑے ہوتے ہیں۔

کیسے......؟

شان کہہ رہے تھے پہلے پاس بیٹھ جاؤ...... پانچ دس منٹ سر کو دباؤ...... پھر جانے دوں گا۔

تو آپ نے دبایا سر......؟

ہاں!

اچھا...... میں ہوتی تو کبھی نہ دباتی۔ اس کے تصور میں اپنا شوہر تھا۔

کسریٰ باجی نے اسے غور سے دیکھا اور بس ہنس پڑیں۔

پگلی تو نے ابھی ازدواجی زندگی کی اصلیت کہاں دیکھی ہے۔ رفتہ رفتہ تجھے سب نشیب و فراز سمجھ میں آ جائیں گے۔

اس پر رملی خاموش ہو گئی اور سوچنے لگی...... اور نشیب و فراز کیا ہوں گے اور بر ہم گردش شمس و قمر ہو گی تو کیا......؟

کسریٰ باجی نے کافی بنا کر اس کے ہاتھ میں پکڑائی تو اندر سے لاڈلی کے چیخنے کی آواز آئی۔

وہ پیالی چھوڑتے ہی اندر بھاگ گئی۔

بیچاری۔

یہ کہہ کر رملی نے کڑوی کڑوی گرم گرم کافی کو گھونٹ گھونٹ کر کے پینا شروع کر دیا۔

دس بج گئے تھے اور معاذ کا فون نہیں آیا تھا۔

کبھی وہ سوچتی کیا معاذ اس کے کلب جانے کا برا مان گئے یا کسی دلچسپی میں لگ گئے۔ دونوں باتوں سے اسے سروکار نہیں تھا۔ برا مانتا ہے تو مانے...... بلا سے...... میں کسی غیر کے ساتھ تو نہیں گئی۔ اپنے بہنوئی کے ساتھ گئی تھی۔

اور اگر بھول گیا تو اور بھی اچھا...... وہ کونسا اس کو یاد رکھتی ہے۔ ہاں اسے اچانک بے جی کا خیال آ گیا۔

بڑی نیک خاتون ہیں۔

کافی پی کر اس نے پیالی ٹرالی پر رکھ دی۔ ٹی وی پر کوئی خاص پروگرام نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے اٹھ کر ٹی وی بند کر دیا۔ گھر میں خاموشی چھا گئی۔ وہ پھر سلائیاں بننے

For more visit (exponovels.com)

گئی۔

ٹھیک ساڑھے دس بجے فون کی گھنٹی بج اٹھی۔اس نے میکانکی انداز میں ریسیور اٹھا لیا۔

رملی......معاذ نے بے قراری سے کہا۔

جی......رملی نے آہستہ سے کہا۔

معاف کرنا تمہیں آدھا گھنٹہ انتظار کرنا پڑا۔پتہ نہیں ٹیلی فون میں کیا گڑبڑ ہو گئی تھی۔پونے دس بجے سے تھوڑی تھوڑی دیر بعد کوشش کر رہا ہوں۔لگ نہیں رہا تھا

مجھے معلوم تھا تمہیں انتظار ہو گا۔

اتنی سی بات سے رملی کا جی برہم ہو گیا،سمجھتا کیا ہے اپنے آپ کو......!

کیسی ہو رملی......؟

اس نے اتنے پیار سے پوچھا کہ رملی جواب دینا بھول گئی۔

اس وقت کیا کر رہی ہو؟

رات کے گہرے سناٹے میں رملی نے پہلی بار محسوس کیا کہ معاذ کی آواز فون پر بہت دلکش،بہت ہی گھمبیر لگ رہی تھی۔بھاری بھاری......بھیگی بھیگی......اور سوز میں ڈوبی ہوئی......مردوں کی ایسی آواز اسے بہت پسند تھی۔جو دل پر گلاب برساتی ہے......اس سے پہلے اس نے کبھی معاذ کی آواز پر غور ہی نہیں کیا تھا۔

جان چپ کیوں ہو......؟

اس نے دوبارہ پوچھا......تو رملی نے کرب سے سوچا کاش تمہاری صورت بھی تمہاری آواز کی طرح ہوتی تو پھر جو برقی تاروں میں سے تمہاری آواز کی لہریں نکل رہی ہیں میں ان کو چوم لیتی۔

میں تو ٹھیک ہوں معاذ۔

وہ آہستہ سے بولی۔

نہیں ایسا لگ رہا ہے،تمہارا جی اچھا نہیں۔

اچھا ہے بالکل......وہ زبردستی ہنس کر بولی۔

اتنے میں کسری باجی نکل آئیں اور آ کر اس کے پاس بیٹھ گئیں۔

For more visit (exponovels.com)

کب آ رہی ہو جان میں تو بہت اداس ہو گیا ہوں۔

اس کا ڈائریکٹ جواب دینے کی بجائے رملی بولی۔

بے جی کہاں ہیں......ان کا کیا حال ہے؟

اس وقت تو غالباً سو گئی ہیں، ورنہ میں انہیں ضرور بلا دیتا......معاذ بولا۔

وہ بھی تمہارے لئے اداس ہیں۔روز پوچھتی ہیں دولہن کب آئے گی؟

آ جاؤں گی......رملی نے مری ہوئی آواز میں کہا۔

ذرا فون مجھے دو......کسریٰ باجی نے حسب عادت ریسیور اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

کیا حال ہے معاذ......چونگا منہ سے لگا کر بولی۔

پھو باجی میری بیوی کو کب بھیج رہی ہیں؟

بھیج دیں گے بابا۔

کب بھیجیں گے......بس بہت ہو چکی۔

اب مجنوں بن کر مت دکھاؤ۔

میں بن کب رہا ہوں......معاذ ہنسنے لگا۔

اس پر کسریٰ باجی نے بھی قہقہہ لگایا۔

دیکھو معاذ میرے کہنے پر ابھی اسے ایک ہفتہ اور یہاں رہنے دو۔

بھئی یہ زیادتی ہے۔

دیکھو نا؟ جتنے دن رملی یہاں رہی......میں بچوں میں مصروف رہی۔اب کل میرا سوا مہینہ پورا ہو جائے گا۔میں چاہتی ہوں ایک ہفتہ کے لئے میں لاہور آ جاؤں۔

رملی کو روک رکھا ہے کہ اسے چھوڑنے کے بہانے میں بھی آ جاؤں گی۔ورنہ میرا گھر سے نکلنا مشکل ہو جائے گا۔

اچھا آپ کی خاطر ایک ہفتہ اور سہی......معاذ نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

معاذ! تم بڑے اچھے ہو۔اللہ تمہیں چاند سا بیٹا دے۔

exponovels

پہلے میری چاندنی بیوی تو واپس کریں۔

کسریٰ باجی زور سے ہنس پڑیں۔

لو......اپنی چاندنی بیوی سے بات کرلو۔

رملی نے پھر ریسیور پکڑلیا۔

جان......معاذ اپنی جذبات میں بھیگی آواز میں بولا۔

میں نے صرف ایک ہفتے کی چھٹی اور دی ہے۔

جی اچھا......رملی نے سعادت مندی سے کہا۔

اور......!

کچھ نہیں......رملی بولی۔

اور......!

رملی خاموش ہوگئی۔

اور کچھ بولو رملی۔

جی کیا کہوں۔

تمہیں تو زیادہ بولنے کی عادت نہیں رملی۔

بے جی کو میرا سلام کہہ دیں۔رملی نے جلدی سے کہا۔

کہہ دوں گا حضور......اور کوئی پیغام......؟

جی اور تو کوئی پیغام نہیں۔

اپنا خیال رکھو۔ایسے لگ رہا ہے آج تم ذہنی طور پر ٹھیک نہیں ہو۔

نہیں جی......میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔

اچھا اب جاؤ......آرام کرو،کافی دیر ہوگئی ہے۔

exponovels

خدا حافظ!

شب بخیر۔

شب بخیر۔

دوراتیں رملی بالکل نہ سو سکی تھی۔ جانے کیا پریشانی تھی۔ ساری رات بستر میں پڑی کروٹیں بدلتی رہی۔ ڈاکٹر نے کہا بھی تھا ایسے میں اگر نیند نہ آئے تو نیند کی گولی کھا لیا کریں۔

مگر گولی کھانے کو اس کا دل ہی نہیں چاہا۔ اس کا جی عجیب طرح بے چین تھا۔ ایسے لگ رہا تھا اسے کوئی ذہنی اذیت پہنچ چکی ہے یا پہنچ رہی ہے۔

آج رات ذرا پرسکون تھی۔ اس لئے بغیر کوشش کے نیند آ گئی اور چونکہ قدرتی نیند تھی اس لئے وہ جلدی گہری نیند سو گئی۔ نیند میں اسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی اس کے چہرے سے اس کے بال ہٹا رہا ہے۔ کوئی اس کے چہرے کو چھو رہا ہے..... کوئی اپنے گرم سانس کی ہوا اسے دے رہا ہے۔

کوئی......!

کوئی.....!

وہ ایک دم گڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ رضائی دور پھینکی...... تو سایہ ذرا پرے ہٹ گیا۔ غنودگی اور غضب کے ملے جلے عالم میں ذرا سی دیر کو وہ بالکل اوسان کھو بیٹھی۔ گھور گھور کر اپنے مقابل چہرے کو پہچاننے لگی...... زیرو کا ہلکا نیلا بلب روشن تھا۔ چہرہ اتنا قریب تھا کہ صاف نظر آ رہا تھا۔ جسے پہچان کر بھی پہچاننے سے گریز کر رہی تھی۔

کبھی کبھی کسی وحشت ناک آواز کو سن کر شب کے پچھلے پہر اچانک آنکھ کھل جاتی ہے۔ نیند کی پہلی سیڑھی پر قدم رکھتے ہی؟ اگر آنکھ اس طرح کھل جائے تو آدمی ہوش اور بے ہوشی کے درمیان معلق ہو جاتا ہے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ جاگ رہا ہے یا سو رہا ہے..... خواب میں ہے یا عالم بیداری میں...... زمین پر ہے یا آسمان پر...... تھوڑی دیر کے لئے سارے حواس معطل ہو جاتے ہیں۔ اپنا آپ ایک انجانا سوال بن کر روبرو آ کھڑا ہوتا ہے۔

پر اس وقت جو روبرو تھا۔ وہ شناخت کی گرفت میں آنے کے باوجود فہم کی گرفت میں نہیں آ رہا تھا۔

رملی کی پھٹی پھٹی آنکھوں میں حیرت ٹھہر گئی اور زبان گنگ ہو گئی۔

پیشتر اس کے کہ ہوش کھو بیٹھتی...... ایک ننھی سی سرگوشی اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

رموڈارلنگ...... میں ہوں...... شان!

شان بھائی؟

رملی حلق پھاڑ کر اس طرح چیخی جیسے مدت کے بعد گویائی ملی ہو۔

آہستہ بولو۔

انہوں نے اپنا معطر ہاتھ اس کے ہونٹوں پر رکھ دیا۔

exponovels

رملی نے دھکا دے کر انہیں پیچھے کیا اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ غصیلے لہجے میں وہ تھرتھراتی ہوئی بولی۔

آپ اس وقت یہاں کیا کر رہے ہیں؟

ڈارلنگ۔ وہ عجیب سی آواز میں بولے تمہارا ادنی پرستار ہوں، عاشق ہوں، میرے آنے کی وجہ نہ پوچھو۔

شان بھائی......؟

اب رملی کی پوری آنکھیں کھل چکی تھیں۔

پھوبا جی کہاں ہیں...... وہ اپنے خوف سے دھڑ دھڑاتے دل پر قابو پا کر بولی۔

وہ اپنے کمرے میں سو رہی ہے۔ فکر نہ کرو۔ آج اس کے سر میں درد ہو رہا تھا۔ میں نے درد کی دوائی کے ساتھ اسے ایک نیند کی گولی کھلا دی ہے...... آج میں تمہیں بتانے آیا ہوں کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں...... اور اس وقت سے محبت کرتا ہوں جب اپنی شادی کے روز آرسی مصحف کے وقت میں نے کسری کی بجائے تمہارا چہرہ آئینے میں دیکھ لیا تھا...... تم اس بدصورت انسان کے لئے پیدا نہیں کی گئیں...... تمہارا صحیح قدردان اور تمہارا اصل جوڑ میں......

کمران کا فقرہ پورا ہونے سے پہلے رملی نے ایک زناٹے دار تھپڑ مار کے شان بھائی کا منہ بند کر دیا۔

شان بھائی اس اچانک حملے کے لئے تیار نہیں تھے۔ کمزور اور بزدل سی رملی سے وہ ایسی توقع بھی نہیں رکھتے تھے...... چونک...... جھلائے...... پھر یوں رملی کی طرف دیکھا جیسے بھینسا لال کپڑے کو دیکھتا ہے۔ مگر جلدی ہی پینترا بدل دیا۔

رملی دل ہی دل میں ان کے اس زہریلے روپ سے ڈر گئی۔

انہوں نے بھی جلدی سے اپنے چہرے پر پرانا ماسک چڑھا لیا اور آواز کو زیادہ پرسوز بنا کر بولے۔

میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ ایک عرصے سے تم پر جان چھڑکتا ہوں۔ اب تم اتنی قریب ہو...... اتنی اداس ہو...... میں تم سے اتنی محبت کرنا چاہتا ہوں کہ......!

رملی کے ذہن میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں...... رات کے سنسان لمحوں نے جلدی سے اس کے ذہن میں ایک شمع روشن کر دی۔ دروازے کی طرف دیکھ کر بولی۔

وہ پھوبا جی آ گئیں۔

بس اتنا کہنا تھا کہ شان بھائی اس طرح اٹھے جیسے انہیں کرنٹ لگ گیا ہو، چھلانگ لگائی اور کچھ کہے بغیر دروازے سے نکل گئے اور لپک کر رملی نے اپنے دروازے کی کنڈی لگا لی۔

exponovels

For more visit (exponovels.com)

نیا گھر تھا۔ رات کو تنہا سوتے ہوئے اسے ڈر لگتا تھا۔ پھو باجی نے کہا تھا ساری رات بچیاں باری باری اٹھتی رہتی ہیں اور میں سارے گھر میں پھرتی رہتی ہوں۔ تم گھبراؤ نہیں اپنے کمرے کا دروازہ کھلا چھوڑ کر سو جایا کرو۔ میں آتے جاتے ہوئے تمہیں بھی جھانک جایا کروں گی...... اس لئے وہ بے دھڑک دروازہ کھول کر سو جاتی تھی۔ کئی بار پھو باجی جاتے جاتے اس کے کمرے کی بتی بجھا جاتی تھیں۔

پر آج...... اف اس نے پھڑ پھڑ بولتے سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے جسم کے اندر کئی پنکھے لگ گئے ہوں۔ تمام جسم پسینے سے تر بتر ہو رہا تھا اس نے رضائی دور پھینک دی اور بستر پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔ دیوار سے ٹیک لگا کے اس نے اپنے ابھرے ہوئے پیٹ کی جانب دیکھا اور یہ دیکھ کر اسے تعجب ہوا کہ اس کا پیٹ مسلسل ہل رہا تھا۔ یہ اضطراری لہر اس کے پیٹ کے اندر سے اٹھ رہی تھی اور جب اور زیادہ غور کیا تو صاف پتہ چلا کہ پیٹ کے اندر بچے کی جنبش تیز ہو گئی تھی۔

اس کے اپنے وجود کا اضطراب اور بے چینی بچے کے وجود میں ڈھل گئی تھی...... اور اس پورے عرصے میں پہلی بار...... رملی کو محسوس ہوا کہ ماں اور بچے کا ناتا کیا ہے؟ کیا اسے بچے کی فطرت کہتے ہیں یا ماں کا قدرتی روپ...... میں جذباتی طور پر پریشان ہوں تو بچہ اپنی جگہ بے کل ہے...... یہ بچہ ہوتا ہے...... اسے دل کا ٹکڑا کہتے ہیں...... یہ تعلق کے ریشے ہوتے ہیں...... یہ محسوسات کے بندھن ہوتے ہیں۔

اس نے اپنے لتے ہوئے پیٹ پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ دیے...... جیسے اپنے ان دیکھے بچے کو اپنے بازوؤں میں لے لیا ہو۔ اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

جاری ہے...

For more visit (exponovels.com)

exponovels

صبح ہونے تک رملی بستر میں یونہی بیٹھی رہی۔

جب تک رنج اور غصے کے مارے اعصاب تنے رہے، سردی کا بالکل احساس نہیں ہوا۔ سوچ سوچ کر شل ہو چکی......اور رو رو کر غصہ نکال چکی تو پھر سارا جسم ایک دم ٹھنڈا ہو گیا جلدی سے قالین پر گری ہوئی رضائی اٹھائی اور اپنے اوپر اوڑھ لی جس قدر رضائی کو لپیٹتی......اتنا ہی لرزہ بڑھتا جاتا......ہاتھ پیر ٹھنڈے برف ہو گئے۔ حالانکہ آج کل اس حالت میں اس کے ہاتھوں کی ہتھیلیاں اور پاؤں کے تلوے گرم رہتے تھے۔ اس وقت یوں محسوس ہوا جیسے وہ برف میں دب گئی ہو۔

برف باری کی یہ کیفیت صبح پانچ بجے تک رہی۔

اگر کوئی کتاب اٹھا کر پڑھنے کی کوشش کرتی تو الفاظ برف کے گالے بن جاتے۔ رفتہ رفتہ اس کے دانت بھی کپکپانے لگے۔ تب اس نے ہمت کر کے ہیٹر چلایا۔ ہیٹر کے آگے رکھ کر اپنے ہاتھ گرم کیے، پھر ان گرم ہاتھوں میں ٹھنڈے یخ پاؤں دبا کر بیٹھی رہی۔ اسے احساس ہوا کہ جینے کے لئے حرارت کس قدر ضروری ہے......جانے کب تاریکیوں سے چھن چھن کر فجر کی اذان کی آواز آنے لگی۔

تو سحر قریب ہونے کے احساس سے اس کے مردہ تن میں آپ ہی آپ جان آنے لگی۔

بار بار سوچتی آخر شان بھائی کس نیت سے اس کے کمرے میں آئے تھے......اور انہوں نے اسے کس قماش کی لڑکی سمجھا تھا۔

اف توبہ......اس خیال سے اس کی رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ آخر شان بھائی جو اتنے شاندار نظر آتے ہیں۔ اس قدر ذلیل کیسے ہو گئے......یہ ٹھیک ہے کہ اس کے چہرے پر لکھا ہے وہ اپنے شوہر کو پسند نہیں کرتی مگر وہ بددیانت عورت ہرگز نہیں ہے۔

شان بھائی کیا اتنے گھٹیا ہو سکتے ہیں کہ رشتوں ناتوں کا احترام چھوڑ دیں۔

صبح ہولے۔ ان کی اچھی طرح خبر لوں گی اور پھر پھوپھا جی کو سب کھول سناؤں گی۔ ذرا پتہ بانده کے رکھیں، اپنے سیف الملوک کو۔

کل ہی روانہ ہو جاؤں گی۔

معاذ کو فون کر دوں گی۔

لعنت بھیجو اس تفریح پر۔

ابھی میری آنکھ نہ کھلتی تو جانے کیا ہو جاتا۔

بیٹھی اپنے خیالوں سے لڑتی اور الجھتی رہی۔ رات تو جادو کی ایک چادر ہے، آتی ہے تو اپنے ساتھ شر اور اسرار کو لے کر آتی ہے۔

مگر صبح کا رنگ نرالا ہے۔

exponovels

یوں جھانکتی ہے کہ رات کے اندھیروں کے علاوہ دل پر گرے ہوئے منوں بوجھ اپنے آپ ہی سرک جاتے ہیں۔

رات موت ہے اور صبح زندگی ہے۔

زندگی کی طرح مسکراتی ہے اور وسوسوں کا لہو کر دیتی ہے۔

صبح کی پہلی آہٹ محسوس کرتے ہی رملی کے جسم میں نئی توانائی آ گئی......رضائی کو اچھی طرح اپنے گرد لپیٹا......باہر لاؤنج میں کسی کے چلنے کی آواز آئی تھی۔شاید پھوباجی چل پھر رہی تھیں لاڈلی کی ایک چیخ بھی سنائی دی تھی۔یہ سب سن کر رملی کے تھکے ہوئے اعصاب کو بڑی تسکین ملی۔رضائی کے اندر منہ کر لیا۔سانس کی گرمی کا نشہ چڑھا تو وہ بے سدھ ہو کر سو گئی۔

نیند کھلی تو دن کے دس بج رہے تھے اور پھوباجی بری طرح دروازہ پیٹ رہی تھیں اور ساتھ میں چلا چلا کر اسے بھی پکار رہی تھیں۔رملی ہڑبڑا کر اٹھی۔رضائی کو دور پھینکا اور گرتی پڑتی نے اٹھ کر دروازے کی کنڈی کھولی اور پھر واپس آ کر دھم سے بستر پر گر گئی۔

ہائے رمو......یہ تو نے کیا کیا......؟

پھوباجی اندر بڑی اچھی آ گئیں۔

رملی نے ڈر کر ان کی طرف دیکھا۔

اندر سے دروازہ بند کر لیا۔

رملی سمجھ گئی۔

تو کیا ہوا؟

اس سے پہلے دو دفعہ آ کے تجھے جگا چکی ہوں۔پہلے تو تو کبھی دروازہ بند کر کے نہ سوتی تھی جب کئی بار دروازہ پیٹنے پر بھی تو نے نہیں کھولا تو میں ڈر گئی کہ کہیں تو نے خودکشی نہ کر لی ہو......

خودکشی......شاید اس کی نوبت آتی پھوباجی۔

پھر وہ انگڑائی لے کر بیدار ہو گئی اور اپنے آپ کو سنبھال کے بولی۔

کل رات میں سوتے سوتے ڈر گئی تھی۔اس لئے اٹھ کر دروازہ بند کر لیا۔

اگر ڈر گئی تھی تو میرے کمرے میں آ جاتی۔

exponovels

میں نے آپ کو ڈسٹرب کرنا مناسب نہ جانا۔ بمشکل تو آپ سوئی تھیں۔

کل رات پتہ ہے میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ آدھے سر میں مسلسل درد ہو رہا تھا۔

پھوپا جی بولیں...... کل رات شان نے میرے سر میں خوب مالش کی...... پھر گرم دودھ کے ساتھ مجھے دو گولیاں کھلا دیں۔ اس کے بعد میں ایسے سکون سے سوئی کہ بچیوں کے رونے پر بھی نہیں جاگی۔ صبح اٹھ کر شان سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ انہوں نے دانستہ نیند کی گولی دی تھی تا کہ میں ایک رات آرام کر لوں اور خود رات کو اٹھ اٹھ کر بچیوں کو دیکھتے رہے ہیں۔

پھوپا جی محبت سے مسکرائیں، دیکھ نہیں رہی ہو۔ آج میں کتنی تازہ دم لگ رہی ہوں۔ ساری رات گھوڑے بیچ کر سوئی ہوں۔

رملی کے دل میں درد سا اٹھنے لگا۔

ابھی پھوپا جی کو کچھ معلوم نہیں کہ اس خبیث نے کیوں اسے نیند کی گولی کھلائی۔

اور اس کے جی میں کیا تھا۔

افوہ! یہ بیویاں اس قدر بھولی کیوں ہوتی ہیں؟

رنج اور غم سے پھر رملی کے اعصاب میں تناؤ پیدا ہونے لگا اور اس ڈر سے کہ صبح صبح کوئی بات غلط طریقے سے نہ نکل جائے، وہ ایک دم کھڑی ہو گئی اور کہنے لگی۔

پھوپا جی آپ ناشتہ رکھوائیں۔ میں غسلخانے میں جا رہی ہوں۔

غسلخانے جا کر پھر اسے شان بھائی کی رات والی باتیں یاد آنے لگیں۔ وہ پھر غصے سے کھولنے لگی...... پھر ہاتھ پاؤں میں تشنج سا ہونے لگا، پھر جسم لرزنے لگا۔ اسی وقت اسے محسوس ہوا، اس کے پیٹ کے اندر جنبش تیز ہونے لگی ہے۔

اف میرے خدا......!

یہ تعلق ہوتا ہے ماں بچے کا۔

اتنی مضبوط ڈور ہے ماتا کی۔

ذرا احساسات تپش کی زد میں آتے ہیں...... اندر ہلچل ہونے لگتی ہے...... منہ ہاتھ دھو کر باہر آ گئی۔

تھوڑی دیر کے لئے پلنگ پر بیٹھ کر لمبے لمبے سانس لینے لگی...... جیسے اپنے بچے کو تھپک رہی ہو پھر اٹھ کر کنگھی سے بال سنوارے۔ کندھوں پر شال ڈالی اور کھانے والے کمرے میں آ گئی۔ جمعدارنی لاؤنج میں جھاڑو لگا رہی تھی اور گرم چائے آ گئی۔ پھوپا جی اس کا انتظار کر رہی تھیں۔

For more visit (exponovels.com)

رملی بھی آ کر ان کے سامنے بیٹھ گئی۔

اور سوچنے لگی، بات کس طرح شروع کی جائے۔

وہ جانتی تھی یہ بات سن کر پھوباجی کو ذہنی صدمہ پہنچے گا۔ وہ نہ صرف اپنے شوہر سے محبت کرتی تھیں بلکہ ان پر حد درجہ اعتماد بھی کرتی تھیں اسی لئے تو انہیں یوں شتر بے مہار چھوڑ رکھا تھا۔ اور ممکن ہے یہ بات کھلنے کے بعد پھوباجی شان بھائی پر کبھی اعتماد نہ کر سکیں۔ لڑائیوں کا ایک راستہ کھل جائے۔ عین ممکن ہے، بات اتنی بڑھے کہ ان میں ناچاقی ہو جائے پھوباجی ہمیشہ کے لئے ان کو چھوڑ جائیں۔ اس طرح ایک بھرا گھر برباد ہو جائے گا۔

ایک طرف ان کی بہن تھی جس پر شان بھائی نے بری نظر ڈالی تھی۔

دوسری طرف شوہر تھا۔

رملی ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو گئی۔

بتائے یا نہیں۔

کیا بات ہے؟ پھوباجی نے رملی کی دلی کشمکش کو اس کے چہرے سے پڑھ کر پوچھا۔ اس وقت تم تذبذب میں لگ رہی ہو۔

رملی نے آئی بات منہ پر روک لی اور جلدی سے کہا۔

کچھ بھی نہیں...... رات مجھے ٹھیک طرح سے نیند نہیں آئی۔ طبیعت اب بھی گری گری محسوس ہو رہی ہے۔

کیا مطلب ہے تمہارا...... پھوباجی نے تردد سے پوچھا۔

جسم میں عجیب سے لہریں اٹھ رہی ہیں۔

ابھی ساتواں شروع ہوا ہے نا؟

پھوباجی فکرمندی سے بولیں۔

بھئی کچھ نہیں ہو سکتا۔ خدا کے لئے مجھے ڈرانے والی باتیں نہ کرو۔ ابھی میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے چلتی ہوں۔

رملی ہنسنے لگی۔

وہ بات نہیں پھوباجی۔

تو کیا بات ہے؟

exponovels

رملی نے چائے کا گھونٹ بھرا۔ ادھر ادھر دیکھا کہ جمعدارنی اس وقت کہاں ہے؟ اور نوکر تو نہیں سن رہا۔

پھوپھا جی نے ٹوسٹر میں سے ٹکڑے نکال کر اس کے آگے سرکائے اور اس کی طرف دیکھے بغیر بولیں۔

پہلے بچے کا تجربہ بھی عجیب ہوتا ہے۔ مجھے بھی طرح طرح کے وہم ہوتے رہتے تھے۔ ذرا بچے کی Movement زیادہ ہوتی، میں بھاگی بھاگی ڈاکٹر کے پاس جاتی۔ کمر میں درد ہوتا تو رونا شروع کر دیتی...... تم فکر نہ کرو...... ایسی کیفیات سے عورتیں گزرتی رہتی ہیں۔

رملی سر جھکا کر توسٹ پر مکھن لگانے لگی۔

وہ بھلا بات کس طرح شروع کرے۔

اور اگر اس بات کو پی جائے تو عین ممکن ہے۔ شان بھائی دوبارہ اسے تنگ کرنے کی کوشش کریں۔

یہ سوچ کر اسے جھرجھری آ گئی۔

اور اگر پھوپھا جی کو سب پتہ چل گیا انہوں نے باز پرس شروع کر دی تو۔

اور اس کے جواب میں شان بھائی صاف مکر گئے تو۔

آخر رملی کے پاس کیا ثبوت ہے اس بات کا۔

جو آدمی اتنا کر سکتا ہے وہ مکر بھی تو سکتا ہے۔

اس خیال سے رملی لرز گئی...... پھر اس کی اپنی وقعت کیا رہ جائے گی...... ٹوسٹ پر جیم لگاتے ہوئے وہ ایک کڑی منزل سے گزر رہی تھی۔

اتنے میں باہر سے گھنٹی بجی تو ملازم نے آ کر کہا۔

جی دھوبی آیا ہے۔

اسے بٹھاؤ...... پھوپھا جی نے چائے کا آخری گھونٹ پیا اور کھڑی ہو گئیں بولیں۔

رموا! تم ناشتہ کرو میں ذرا دھوبی کو کپڑے دے آؤں۔

رملی ناشتہ کرنے کے دوران برابر سوچتی رہی۔

مگر کسی فیصلے پر نہیں پہنچ رہی تھی۔

کبھی سوچتی...... ممکن ہے شان بھائی نے محض مذاق کیا ہو۔ کیونکہ وہ مذاق میں بڑی بڑی باتیں کر جانے کے عادی تھے...... ممکن ہے وہ شام کو آ کر خود ہی معذرت

For more visit (exponovels.com)

کرلیں...... بات کھول دیں...... کہہ دیں کہ انہوں نے تو جان بوجھ کر شرارت کی تھی، وغیرہ وغیرہ۔

یہ سوچ کر اسے قدرے اطمینان ہوا۔ اس نے سوچا...... بہتر ہے وہ شام تک انتظار کرلے جلدی میں اس گھر کے سکون کو برباد نہ کرے۔

پھوپھو باجی کس لگن سے اپنے گھر کے معمولات میں مگن ہیں۔ گھر میں ڈوب جانا ہی عورت کے اطمینان کی علامت ہے۔ یہ ننھے ننھے کام...... ہر روز کے بکھیڑے...... صبح وشام کی سردردی۔

اگر دل مطمئن ہو تو عورت ان میں لگی رہتی ہے...... اور زندگی تمام کر دیتی ہے...... لیکن گھر میں بے سکونی کی ہوا چلنے لگے...... تو معمولات کے سارے ورق اڑ جاتے ہیں اور پھر گھر میں انتشار ہی انتشار نظر آنے لگتا ہے۔

❁❁❁

exponovels

رات کے کھانے پر پھو باجی بہت دیر تک شان بھائی کا انتظار کرتی رہیں۔ عام طور پر شان بھائی شام کے چھ بجے کلب سے ٹینس کھیل کر واپس آ جایا کرتے تھے۔ یا زیادہ سے زیادہ آٹھ بجے تک باہر رہتے تھے مگر آج تو ساڑھے دس بج گئے تھے۔ اب پھو باجی نے سب کو کھانا کھلا دیا تھا اور ان کا کھانا ہاٹ کیس میں رکھ دیا تھا۔ اندر ہی اندر پھو باجی مضطرب سی تھیں۔ مگر رملی دیکھ رہی تھی کہ بظاہر پھو باجی مطمئن نظر آنے کی کوشش کر رہی تھیں اور ہر کام معمول کے مطابق کر رہی تھیں۔

رملی سلائیاں بنتے بنتے نگاہ اٹھا کر ان کا مطمئن چہرہ مگر ماتھے پر تردد کی تین سلوٹیں دیکھ لیتی۔ خود بھی دل میں پریشان تھی۔ وہ تو سوچ رہی تھی آج شام شان بھائی شرمندہ شرمندہ اور چپ چپ لوٹیں گے۔ کسی سے نظر نہیں ملائیں گے۔ موقع کے انتظار میں رہیں گے جونہی وہ تنہا ہوگی، گڑگڑا کر معافی مانگیں گے اور وہ بھی اس وعدے پر معاف کر دے گی کہ آئندہ وہ کسی دوسری عورت پر بری نگاہ نہیں ڈالیں گے اور نہ اس کی معصوم اور حساس بہن کے ساتھ بددیانتی کریں گے۔ وغیرہ وغیرہ...... مگر وہ تو آ نہیں چکتے تھے۔

رملی کو ویسے بھی آج اپنے کمرے میں سونے سے ڈر لگ رہا تھا۔ جس طرح چور آ کے چلا جائے تو کئی دن تک پھر اس کی دہشت طاری رہتی ہے۔ اسی طرح تنہا سونے کے خیال سے جھرجھری آ جاتی...... عورت کتنا کچا آبگینہ ہے۔ وہ دل میں سوچتی...... کسی صورت کسی حالت اور کسی عمر میں اسے قرار نہیں۔

رات ہوتے ہی پھو باجی نے اسے خود ہی کہہ دیا تھا کہ

اگر بچوں کی چوں چوں میں تجھے نیند نہ آئے تو بے شک میرے کمرے میں چلی آ ؤ۔ شان والا پلنگ تو خالی پڑا رہتا ہے۔

زیادہ دیر تک رملی پھو باجی کے ساتھ شان بھائی کا انتظار نہ کر سکی۔ اس لئے اٹھ کے ان کے کمرے میں چلی گئی اور اطمینان سے سو گئی۔

آدھی رات کے وقت کچھ شور اور ہنگامہ سن کر اس کی آنکھ کھل گئی۔ دل اس کا بدگمان سا ہو گیا۔ اٹھتے ہی نظر پھو باجی کے پلنگ پر گئی۔ وہ اپنے بستر پر نہ تھی۔ ذرا کان شور کی طرف لگائے تو پتہ چلا کہ آوازیں تو باہر سے آ رہی تھیں۔ بلکہ ساتھ والے کمرے سے آ رہی تھیں۔ اس کا مطلب ہے یہ سب تلخ و ترش پھو باجی اور شان بھائی میں ہو رہی تھی۔ تب اسے یاد آیا...... رات گیارہ بجے تک شان بھائی نہیں آئے تھے۔ جلدی سے اس نے رضائی میں سے ہاتھ نکال کر اپنی کلائی کی گھڑی کو دیکھا۔ اس وقت دو بج رہے تھے۔

اللہ شان بھائی اتنی دیر تک باہر کیا کرتے رہے۔

پھر اس نے ان آوازوں کو غور سے سننا شروع کر دیا۔ بھلا سنے تو میاں بیوی میں کس بات پر لڑائی ہو رہی ہے۔

حالانکہ اسے معلوم تھا کن سوئیاں لینا بری بات ہے۔

مگر کل رات کا واقعہ بھوت کی طرح اس کے ذہن پر منڈلا رہا تھا۔ پتہ نہیں شان بھائی کچھ الٹ سلٹ نہ کہہ دیں۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اسے زیادہ غور نہیں کرنا پڑا۔

For more visit (exponovels.com)

رات کے سناٹے میں آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں اور پھو باجی نے یہ غلطی کی کہ دروازہ کھلا چھوڑ گئی تھیں شاید اس خیال سے کہ بچیاں روئیں تو وہ دوڑی آئیں۔

میرا گھر آنے کو دل نہیں چاہتا۔ سن لیا تم نے...... شان بھائی نے غرا کر کہا۔

کیا ہے اس گھر میں جو آؤں...... دو ڈھائی سال سے تمہاری منحوس صورت دیکھ دیکھ کر تھک گیا ہوں۔

شان...... شان...... پھو باجی دکھ سے بولیں۔

کبھی کبھی تمہیں کیا ہو جاتا ہے...... کل تک تو تم بالکل ٹھیک تھے۔ رات تم اتنی محبت سے پیش آ رہے تھے۔ میرے سر میں مالش کر کے مجھے گولی کھلائی...... اور اب ذرا میں نے یہ پوچھ لیا کہ اتنی دیر کہاں رہے...... تو تم......!

تم ہوتی کون ہو مجھ سے یہ پوچھنے والی...... کہ میں اس وقت کہاں سے آ رہا ہوں۔ میرا جب دل چاہے گا اور جہاں دل چاہے گا جاؤں گا...... اور جب دل چاہے گا آؤں گا...... یہ میرا گھر ہے۔ اگر تم نے حوالدار بن کر رہنا ہے تو اپنے گھر چلی جاؤ۔

شان...... پھو باجی کی آواز میں دکھ ہی دکھ تھے۔

میں تمہاری بیوی ہوں۔ میرے ساتھ اس طرح نہ بولو میں نے کون سی بری بات کی ہے۔ ہر بیوی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے شوہر سے دیر سے آنے کا سبب دریافت کرے۔ اگر تم جاتے وقت مجھے بتا جاتے تو میں کبھی نہ پوچھتی...... دس بجے تک تمہارے انتظار میں ہم نے کھانا نہیں کھایا۔ اگر دیر سے آنا تھا تو کم از کم فون ہی کر دیتے...... رملی کیا کہے گی کہ......

مجھے کسی کی پروا نہیں ہے۔ شان بھائی جھپٹ کر بولے۔

میں تمہارے بہن بھائیوں کو جوتے کی نوک پر جانتا ہوں۔ اگر وہ یہاں ہمارے معمولات میں دخل دینے آئی ہے تو اسے کہو یہاں سے دفعان ہو جائے۔ میری زندگی اجیرن کرنے کو ایک ہی کافی ہے۔

رملی کو یوں لگا جیسے اس کے کلیجے میں کسی نے گھونسا مارا ہو۔

اس بچاری نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔ پھو باجی کی آواز آپ ہی آپ آہستہ ہو گئی۔ اس غریب کو کیوں بیچ میں گھسیٹ رہے ہو اور کون کسی کے گھر ساری عمر رہنے کو آتا ہے۔

میں نے تم سے پہلے بھی کئی بار کہا ہے کہ اپنے رشتے داروں کو یہاں مت بلایا کرو میں ان کا غلام نہیں کہ ان کی مرضی کے مطابق اپنے دن رات گزاروں۔ تمہیں جو

For more visit (exponovels.com)

گوارا کر رہا ہوں یہی بہت احسان ہے ان پر۔

(یہ ہیں شان بھائی......؟ رملی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔اس کی خوشامد کرتے نہ تھکتے تھے، اور کیسے کیسے اسے شیشے میں نہیں اُتارا۔)

(اف شوہر کا اتنا گھناؤنا روپ ہوتا ہے۔میرے اللہ)

آہستہ بولو شان...... پھوپا جی نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔رملی میرے کمرے میں سو رہی ہے۔کہیں سب سن نہ لے۔

میں اس سے ڈرتا نہیں ہوں اگر تم نے زیادہ سوال وجواب کیے تو ابھی دونوں بہنوں کو چٹیا سے پکڑ کر باہر کھڑا کر دوں گا۔ذلیل عورت...... مکروہ صورت...... ایسے مجھے چپک گئی ہے جیسے چاند کو گرہن لگا ہو۔مجھے بھی لوگوں نے بدصورتی میں اسیر کر دیا۔تمہاری صورت دیکھ کرتے آتی ہے...... چپ چاپ پڑی رہو۔یہی بہتر ہے تمہارے لئے اور کیا دوں تمہیں میں...... دو بیٹیاں دے دی ہیں۔یہ احسان سمجھو میری طرف سے...... زیادہ جرح کرو گی تو صاف بتا دوں گا کہ تمہاری صورت بری لگتی ہے۔اس لئے گھر آنے کو دل نہیں چاہتا...... اگر مجھے گھر میں رکھنا ہے تو اپنی صورت بدل کے آؤ۔

تقدیر نہیں بدل سکتی تو صورت کیسے بدل سکتی ہے شان۔

یہ کہہ کر پھوپا جی رونے لگیں۔ان آنسوؤں کی نمی رملی نے اپنے کلیجے پر محسوس کی۔ایسے لگا جیسے ایک برچھی سی اس کا دل چیر کے گزر گئی۔پھوپا جی ہرگز بدصورت کہلائے جانے کی مستحق نہ تھیں۔ان کی کالی کالی لمبی لمبی اور گہری گہری آنکھیں تھیں گھنی پلکوں کی باڑھ نے ان آنکھوں کو مزید پرکشش بنا دیا تھا۔چھوٹی سی باریک سی ناک تھی جس میں ہیرے کی کیل رہتی۔

بال بھی سیاہ کالے اور گھنے لمبے تھے۔

ہاں صرف ان کا رنگ سانولا تھا۔

مگر اب تو کچھ بھی نہیں تھا۔نہ پلکوں کا گھنیرا پن نہ آنکھوں میں جگنوؤں جیسی چمک...... نہ لمبے بال گھٹاؤں سے۔

تو اس طرح جل جل اور رو رو کر پھوپا جی نے دو سالوں میں اپنا آپ تباہ کر لیا تھا۔ایک طرف بچے پیدا کرنا، دوسری طرف شوہر کے کچوکے سہنا...... ان حالات میں تو حسین سے حسین عورت بھی ختم ہو جاتی۔

اور یہ شان بھائی کا دوسرا رُخ ہے۔

شادی سے پہلے وہ اس کی نظر میں ایک آئیڈیل شوہر تھے۔مہذب...... معطر...... شائستہ...... اور طرح دار...... بس آنکھوں میں اپنا دل لئے پھرتے تھے۔جس کی طرف مست نظروں سے دیکھ لیتے وہ دل تھام کر وہیں بیٹھ جاتی۔

exponovels

For more visit (exponovels.com)

اور پھوباجی کی طرف دیکھو......کبھی بھی تو ان کے ماتھے کی شکن سے ان کا دلی کرب آشکار نہیں ہوا۔ٹھوکریں کھا رہی ہیں اور سیج سجا رہی ہیں۔

ایک تم بھی ہو رملی۔

لعنت ہے تمہاری سوچ پر......رملی اندر سے لرز گئی۔

اس وقت لاڈلی نے چیخ مار کر کروٹ بدلنا چاہی تو پھوباجی کے دوڑنے کی آواز آئی......رملی لاڈلی کو چپکارنے کی بجائے جلدی سے رضائی میں گھس گئی۔مبادا پھوباجی کو پتہ چل جائے کہ وہ اس کی باتیں سن رہی تھی۔اس نے یوں منہ پر رضائی ڈال لی جیسے گہری نیند سو رہی ہے۔پھوباجی جب اپنے بستر پر بیٹھیں تو ان کے سسکنے کی صاف آواز آ رہی تھی۔انہوں نے آنسو بہاتے ہوئے لاڈلی کا نیپکن بدلا۔اسے دودھ پلایا اور پھر اس کی کھاٹ میں لٹا دیا۔پھر اس کے بعد رضائی اپنے گرد یوں لپیٹ کر بیٹھ گئی۔جیسے فقیر اپنے حجرے میں بیٹھ کر آنسوؤں کی تسبیح گھماتا ہے۔رملی نے رضائی میں ذرا سا سوراخ بنا کر دیکھا۔پھوباجی......تن مارے ہارے سادھو کی طرح اشکوں کی دھونی رمائے بیٹھی تھیں۔اس کا دل چاہا وہ رضائی پرے پھینک دے اٹھ کر بیٹھ جائے۔اپنی پیاری بہن کو اپنے سلگتے ہوئے سینے کے ساتھ لگا لے اور کہے۔

آ......میری ماں جائی میں تیرا درد بانٹ لوں......آ......میں تیرے سارے آنسو پی لوں......آ میں تجھے اس سنگدل بے مروت اور کمینے انسان سے دور لے جاؤں۔

آ میری بہن آ......!

تیرا میرا درد مشترک ہے۔سلگنے کا انداز جداگانہ ہے۔

مگر رضائی کے اندر منہ کر کے وہ بھی لگاتار آنسو بہانے لگی۔پتہ نہیں ایسے میں شرکت غم پھوباجی کی غیرت کو گوارا ہو یا نہ ہو۔

❀❀❀

exponovels

صبح دونوں بہنیں ایک دوسرے سے آنکھ نہیں ملا رہی تھیں۔ پھو باجی بچوں کے کپڑوں کا ڈھیر لگا کے دھونے بیٹھ گئیں تو رملی دونوں بچیوں کو لے کر دھوپ میں جا بیٹھی۔

رات تک انہوں نے صرف سرسری سی گفتگو ایک دوسرے کے ساتھ کی...... لیکن اپنے اپنے طور پر دونوں نے اپنے آپ کو مصروف رکھنے کا کوئی نہ کوئی بہانہ تلاش کر لیا تھا۔

بلکہ صبح رملی بہت خوفزدہ تھی۔

جب تک شان بھائی کی باتیں نہیں سنی تھیں اور طرح کا خوف تھا۔ اب ان کی گفتگو کا انداز جان کر اس کی جان نکلی جا رہی تھی۔ ایسے گھٹیا آدمی سے ہر گری ہوئی حرکت کی توقع کی جا سکتی ہے۔

بالفرض وہ پھو باجی کو بتائے اور استفسار پر شان بھائی بالکل مکر جائیں۔ بلکہ آپے سے باہر ہو جائیں۔ بقول ان کے دونوں بہنوں کو چٹیا سے پکڑ کر نکال باہر کریں...... تو......!

تو لوگ کیا کہیں گے؟ زمانہ اس پر کیا الزام دھرے گا...... یہی نا؟ کہ چند دنوں کے لئے بہن کے گھر گئی تھی...... اپنی بہن کا ہرا بھرا گھر برباد کر کے آ گئی۔

بے جی کیا سوچیں گی......؟

معاذ کے کیا تاثرات ہوں گے؟

ممکن ہے معاذ یہ بھی سوچ لے کہ میرے عرصہ دراز سے شان سے مراسم ہوں گے تبھی تو اسے اب دست درازی کی جرأت ہوئی۔

امی ابا جی کو کیا جواب دوں گی۔

کتنے لوگوں کو سمجھانا پڑے گا...... بار بار رونا پڑے گا۔ قسمیں کھانا پڑیں گی سارے رشتوں میں بال آ جائے گا۔

اور پھر پتہ نہیں میری بے گناہی کا کسی کو یقین آئے گا یا نہیں...... لوگوں کو اس بات کا یقین کیسے دلایا جائے گا کہ میرا دامن بے داغ ہے۔

میں چھینٹوں سے محفوظ رہی ہوں۔

اور...... اور...... شان بھائی دشمنی میں آ کر جانے اور کیا کیا کہہ دیں۔

بیٹھے بیٹھے رملی سر سے پاؤں تک لرز جاتی۔ اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو جاتے۔ اس کا دل چاہتا وہ یہاں سے بھاگ جائے۔ مگر کچھ بھی تو اس کے اختیار میں نہ تھا۔ ابھی تک تو اس کا شان بھائی سے سامنا نہیں ہوا تھا اور نہ اس کا شان بھائی کے سامنے جانے کا ارادہ تھا لیکن سامنا ہو گیا تو پھر کیا ہو گا

For more visit (exponovels.com)

ادھر جب پھوپھو باجی کی ازدواجی زندگی کی طرف دیکھتی تو دل ٹھہرنے لگتا...... وہ اوپر سے کتنی مطمئن نظر آ رہی تھی۔ پتہ نہیں کتنے سخت مرحلوں سے گزری ہوں گی۔

پتہ نہیں اور کتنے کٹھن مقام ان کی زندگی میں آئیں گے۔

ہائے اللہ کیا ہر عورت اتنی مجبور ہوتی ہے۔

اگلے دو تین دن بڑی کشمکش میں گزرے۔

شان بھائی سے سرسری سا سامنا ہوتا رہا...... وہ یوں نکل جاتے جیسے جلدی میں ہوں اور وہ یوں ظاہر کرتی جیسے اس نے دیکھا ہی نہیں۔

شاید یہی بندوبست ٹھیک تھا۔

پھر پھوپھو باجی نے بتایا کہ جمعہ کو وہ لوگ لاہور جا رہے ہیں تو جیسے اس کے دل کی کلی کھل اٹھی۔

دو دن پھوپھو باجی بچوں کے کپڑے اور چیزیں سمیٹتی رہیں اور وہ ہنس ہنس کر ان کی مدد کرتی رہی۔

سب سے عجیب بات اسے یہ لگ رہی تھی کہ پھوپھو باجی ہمیشہ کی طرح ہنس ہنس کر شان بھائی کے آگے پیچھے پھر رہی تھیں۔ جیسے کبھی کانٹے ان کے راہ میں نہیں آئے تھے۔ وہ ہمیشہ سے پھولوں اور پتیوں پر چل رہی ہیں۔

وہ آ جاتے تو کھل اٹھتیں، کھانا چائے...... لوازمات...... لے لے کر ان کے کمرے میں جاتیں۔ وہ جانے لگتے تو بچھ بچھ کر خدا حافظ کہتیں۔

کیا پھوپھو باجی حوصلے کا سمندر ہیں۔

یا پھوپھو باجی بے غیرت ہیں۔

رملی کا دماغ پھٹتا جا رہا تھا، یہ سب دیکھ دیکھ کر۔

بارے جمعہ کا دن آیا اور وہ وہاں سے ریل کار میں سوار ہو گئیں۔

بچوں کے ساتھ سفر کرنے کا رملی کا پہلا تجربہ تھا۔ کوئی اور دن ہوتا تو وہ پھوپھو باجی کو صاف جواب دے دیتی کہ وہ ان کی بچیوں کو ہرگز نہ سنبھالے گی۔

مگر پھوپھو باجی کی اندرونی حالت کو جان کر وہ ہر ہر کام میں ان کا ہاتھ بٹاتی رہی...... بچیوں کو سنبھالتی رہی۔ بالآخر پھوپھو باجی نے کہہ ہی دیا۔

رمو تو ساتھ نہ ہوتی تو میں اکیلی مر کھپ جاتی۔ اسی لئے تو تجھے روک رہی تھی۔

اور واپسی پہ آپ کیا کریں گی پھوپھو باجی۔

واپسی پہ شان لینے آ جائیں گے۔

exponovels

پھوپھو باجی نے یوں بے پروائی سے کہا جیسے شان بھائی ان کے اشارے کے غلام ہوں رملی جانتی تھی شان بھائی سفر میں کیا کریں گے۔ جو اپنی بیوی کے کمرے میں سونا پسند نہیں کرتے وہ سفر میں اسے کیا آرام پہنچائیں گے۔

اسٹیشن پر امی جان نے ڈرائیور بھیج دیا تھا۔ اس لئے وہ دونوں پہلے میکے چلی گئیں۔ سارا پروگرام رملی نے فون پر معاذ کو بتا دیا تھا۔ اس لئے رات کے دس بجے معاذ وہیں پر لینے آ گیا۔ آیا تو امی جان نے زبردستی اسے کھانے پر بٹھا لیا۔ کچھ دیر گپ شپ ہوتی رہی۔ پھر معاذ اسے گھر لے آئے۔

بے جی اس کے انتظار میں جاگ رہی تھیں۔ اٹھ کر اس کی بلائیں لیں۔ کھانے پینے کو پوچھا......اور پھر بولیں۔

کمرے میں چل کر آرام کرو میں وہیں آ رہی ہوں۔

رملی اپنے کمرے میں آ گئی۔

مگر وسط میں ہی کھڑی رہ گئی۔ کمرے کی ترتیب بالکل بدلی ہوئی تھی۔ اب پلنگ دوسری دیوار کے ساتھ لگا تھا۔ ڈریسنگ ٹیبل کھڑکی کے پاس آ گئی تھی۔ صوفوں کا رخ دروازے کی طرف ہو گیا تھا۔ گلاب کے ادھ کھلے پھول سائیڈ ٹیبل کے گلدان میں پڑے تھے۔

ڈریسنگ ٹیبل کی ہر چیز چمک رہی تھی۔

کمرے میں ایک زندگی تھی......ایک اطمینان تھا، جس کی چھاپ ہر شے پر لگی تھی۔

رملی کھڑی اک اک شے کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ اگر عورت اپنے گھر واپس آئے تو اسے ہر شے صاف ستھری، مسکراتی گاتی ملے تو جی کتنا نہال ہوتا ہے۔

اس کا سامان اٹھا کر معاذ اندر آ گیا اور بولا۔

کمرے کی ترتیب میں نے بدل دی ہے۔

کیوں......وہ آہستہ سے بولی۔

موسم بدلنے والا ہے نا؟ اب بستر اس رخ پر ٹھیک رہے گا اور پھر وہ شوخی سے مسکرایا۔ ایک اور بستر کے لئے جگہ کی ضرورت ہو گی۔

رملی نے چونک کر معاذ کی طرف دیکھا۔

تاریک رات میں کوئی ستارہ نہ جل رہا تھا۔

اپنا پیٹ پکڑ کر گھستی ہوئی آئی اور پلنگ پر بیٹھ گئی۔

معاذ باقی ماندہ سامان لینے پھر باہر نکل گیا۔

exponovels

رملی گم صم سی بیٹھی اک اک شے کوتک رہی تھی۔ یہاں ہر بے جان چیز میں حسن تھا سوائے معاذ کے چہرے کے۔

بے جی تسبیح گھماتی اندر آ گئیں۔

کیسی طبیعت ہے دوہٹی تمہاری۔

جی......بس میں بالکل ٹھیک ہوں۔رملی نے مسکرانے کی کوشش کی۔

مجھے تو بہت کمزور لگ رہی ہے، چہرہ اُترا ہوا ہے۔آنکھیں اندر کو دھنس گئی ہیں۔وہاں ڈاکٹر کو دکھاتی رہی ہو۔

جی......دکھایا تھا ایک بار......مگر آج تو ذرا سفر کی تکان ہے۔

پاؤں اوپر کرلو،انہوں نے اس طرح کہا کہ رملی نے جوتا اتار کر جھٹ پاؤں اوپر کر لئے۔

دکھانا......بے جی اس کا پائنچہ ہٹا کر بولیں۔تمہارے پاؤں پہ سوجن بہت ہے کیا وجہ ہے دوہٹی۔

کچھ نہیں بے جی......رملی دونوں پاؤں پلنگ پر رکھ کر گھٹنے جوڑ کر بیٹھ گئی۔

ٹرین میں پاؤں لٹکا کے بیٹھی رہی ہوں نا؟ تو اس لئے سوج گئے ہیں۔

بے جی نے اپنا ہاتھ نکال کر دونوں پاؤں کے اوپر والے حصوں کو ملا۔

یہ کیا کر رہی ہیں بے جی آپ......؟

دیکھ رہی ہوں سوجن کیوں ہے......؟

کبھی کبھی پاؤں لٹکانے سے ہو جاتی ہے۔آپ ہی آپ ٹھیک ہو جائے گی۔آپ اس طرح ہاتھ نہ لگائیں۔

خیر ہے،تو میری بیٹی ہے۔

بے جی نے اس کا چہرہ غور سے دیکھا اور کچھ سوچتے ہوئے بولیں۔

صبح اپنی ڈاکٹر کو ضرور دکھا لینا۔ویسے اس وقت تو بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہے۔میرا خیال ہے اب آرام کرو۔

یہ کہہ کر بے جی کھڑی ہو گئیں۔

معاذ رملی کا باقی ماندہ سامان لے آیا اور اسے قرینے سے ایک طرف رکھ دیا۔بے جی باہر نکل گئیں تو آ کر ان کی جگہ پر بیٹھ گیا۔اس نے غور سے رملی کے اترے ہوئے چہرے اور تھکی تھکی آنکھوں کو دیکھا۔

For more visit (exponovels.com)

نور ملی نے اپنی تھوڑی اپنے گھٹنوں پر رکھ لی۔ معاذ اسے چہرے کی طرف سے دیکھتا ہوا قدموں تک آیا۔ پھر اپنے دونوں ہاتھ اس کے پاؤں پر رکھ کر بولا۔

ایسے لگتا ہے تم بہت تھک گئی ہو رملی۔

رملی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے کالے سیاہ ہاتھوں کا موازنہ اپنے گورے چاندی سے پاؤں کے ساتھ کرنے لگی۔

پاؤں پر رکھے ہوئے دو ہاتھ کس قدر برے لگ رہے تھے۔

اس کے اندر پھر ابال اٹھنے لگے۔

ٹرین میں سارا وقت وہ اپنے آپ پر لعنت ملامت کرتی آئی تھی۔ بار بار اپنا موازنہ پھوباجی سے کرتی اور شرمندہ ہو جاتی...... اور اپنے دل کو سمجھاتی...... کہ اسے معاذ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہئے۔

جو کچھ بھی ہے معاذ ایک شریف آدمی ہے۔ منکسر المزاج ہے...... خدمت گزار ہے کتنی مٹھاس ہے اس کی زبان میں...... اک ذرا صورت ہی بری ہے نا؟ تو کیا اتنی خوبیوں کے آگے وہ صورت برداشت نہیں کر سکتی۔

اسے برداشت کرنی چاہئے۔

ایک انسان میں دنیا بھر کی خوبیاں نہیں ہو سکتیں اور پھر صورت بنانے والا تو اللہ ہے۔

ہر طرح سے اس نے اپنے آپ کو سمجھا لیا تھا منا لیا تھا۔ اس کی مہربانیوں کو بار بار یاد کیا تھا اور دل میں تہیہ کیا تھا کہ اب اس کے ساتھ اپنا رویہ بدل لے گی۔

مگر اس کی صورت دیکھتے ہی سارے ارادے اور سارے وعدے بھک سے اڑ گئے تھے۔ اندر وہی لال آندھیاں چلنی شروع ہو گئی تھیں...... اور اب جو وہ اس والہانہ پن سے قریب آ کر بیٹھا تو رواں رواں احتجاج کرنے لگا...... نس نس میں درد کی ٹیسیں اٹھنے لگیں۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

سارا کڑوا پانی پپوٹوں کے آس پاس اکٹھا ہونے لگا۔

واقعی تمہارے پاؤں سوج گئے ہیں۔

اس نے اپنے گرم ہاتھوں کا دباؤ پاؤں پر ڈالا...... نور ملی کو یہ گرم دباؤ بہت اچھا لگا۔ واقعی وہ بہت تھک گئی تھی اور جیسے اس کے پاؤں تھکاوٹ سے چیخ رہے تھے۔

معاذ نے محبت سے ہاتھ رکھے تو عجیب سا چین ملا...... سارے جسم میں طمانیت کی لہر دوڑ گئی۔

رملی کا دل چاہا وہ معاذ سے کہے۔ میرے پاؤں اپنی گود میں رکھ لو...... اور اسی طرح لئے بیٹھے رہو جب تک کہ میں خوابوں کے دیس میں نہ اتر جاؤں...... ایسے میں اندازہ ہوا کہ ہاتھوں کا لمس تھکے ہوئے اعصاب کو نئی زندگی دیتا ہے۔

exponovels

آنکھوں پہ پٹی باندھ کے آنکھ مچولی نہ کھیلو۔

اس کے دل نے کہا۔

آنکھیں کھول کر چلو......آنکھیں کھول کر چلنے سے گرنے کا ڈر نہیں رہتا۔

رملی نے پوری آنکھیں کھول کر معاذ کو دیکھا، کوئی شے گلے میں اٹک گئی۔

تم آرام کرو رمو۔ معاذ ایک دم کھڑا ہو گیا۔

بہت ہی نڈھال لگ رہی ہو۔

لیٹ جاؤ۔

سو جاؤ۔

رملی حیرت سے معاذ کا چہرہ دیکھنے لگی۔ اس کا چہرہ ایسا تھا کہ دلی جذبات ظاہر نہ کرتا تھا۔

معاذ نے پائنتی کی طرف رکھا ہوا کمبل اٹھایا۔

اور بڑے پیار سے بولا۔

لیٹ جاؤ تمہارے اوپر کمبل ڈال دوں۔

اسے حیرت سے تکتی ہوئی رملی اسی طرح لمبی ہو گئی۔ چیت لیٹ گئی۔

معاذ نے آہستہ سے کمبل اس کے اوپر اوڑھا دیا۔

ایک بتی بجھا دی۔

رملی کی بولتی نگاہوں کو پڑھ کر بولا۔

آج مجھے دفتر کی کچھ ضروری فائلیں دیکھنا ہیں۔ وہاں بیٹھ کے لیمپ جلا کے دیکھتا رہوں گا۔ تم لمبا سفر کر کے آئی ہو، آرام کرو۔

رملی کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

آنکھیں پھاڑے اسے تک رہی تھی۔ ٹیلی فون پہ اپنی بے تابیوں کا اظہار کرنے والا، اسے اصرار کر کے بلانے والا......جنونی سا مرد اسے کہہ رہا تھا تم آرام کرو۔

کتنا عجیب شوہر ہے۔ رملی نے دل میں سوچا۔

exponovels

اس کے قریب آنے کے خیال سے رملی کا رواں رواں احتجاج کر رہا تھا اور اب جو اس نے احساس مندی کی نئی روش اختیار کی...... تو یہ رملی کو پہلے سے بھی عجیب لگی...... پتہ نہیں یہ آدمی دلوں کا بھید جان لیتا ہے...... یا...... خاموشی کی زبان پڑھ لیتا ہے۔ انسانیت کے درد سے مالا مال ہے...... یا خبطی ہے۔

خیر......!

اس کے باغی خیالات کو تو پناہ مل گئی۔

معاذ ساتھ والے کمرے میں چلا گیا اور رملی نے بہت آہستہ سے دائیں طرف کروٹ بدل لی۔

رملی کے بیڈروم کے ساتھ ہی ایک چھوٹا سا کمرہ تھا جس کا دروازہ دونوں کمروں کو ملاتا تھا۔ یہ کمرہ معاذ نے اپنے دفتری امور کے لئے بنا رکھا تھا۔ اس میں دروازوں والی ایک دفتری میز پڑی تھی۔ آرام دہ کرسیاں تھیں، فائلوں کے انبار تھے اور معاذ کے پیشے سے منسلک ہر شے وہاں تھی۔

ہاں ایک بات اور تھی...... کام کرنے کے دوران معاذ کو موسیقی سننے کی عادت تھی...... جس دن وہ سنجیدگی کے ساتھ دفتری کام کرنا چاہتے...... اس کے کمرے میں چاروں سپیکر دھیرے دھیرے موسیقی اگلنا شروع کر دیتے۔ ایسے جیسے اس کے اردگرد موسیقی کا دائرہ بنا رہے ہوں اور اس دائرے کے اندر وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر کام کئے جاتے۔ جب کافی عرصہ بعد سپیکر ایک دم خاموش ہو جاتے تو رملی کو اندازہ ہو جاتا کہ معاذ نے کام ختم کر دیا ہے اور اب آ رہا ہے۔

کتنے نفیس اور انوکھے شوق ہیں اس بدصورت آدمی کے...... وہ دل میں سوچا کرتی، شاید اپنے بہت سارے کامپلیکس دور کرنے کے لئے اس نے انوکھے نرالے شوق پال رکھے ہیں۔

آج بھی معاذ اسے شب بخیر کہہ کے اپنے اسی چھوٹے سے کمرے میں چلا گیا اور پھر میوزک شروع ہو گیا۔ دھیما دھیما...... آہستہ آہستہ...... رگ جاں میں اترتا ہوا جیسے در و دیوار گنگنا رہے ہوں...... جھوم رہے ہوں...... سرگوشیوں میں ہنس رہے ہوں۔

دھک دھک دھن دھن...... دھک دھک دھن دھن......

رات کے خاموش لمحوں میں موسیقی کا دھیما دھیما شور بہت اچھا لگ رہا تھا۔

بہت پراسرار لگ رہا تھا۔

خیال سج دھج رہے تھے۔

رملی نے اپنی ہتھیلی پر اپنا رخسار رکھا۔

اور سوچا خوابوں کی کوئی حد بھی ہے...... کہاں سے شروع ہوتے ہیں، کہاں جا کے ختم ہوتے ہیں

exponovels

اجازتوں کی گلیاں کہاں سے شروع ہوتی ہیں۔
ممنوع کی تختیاں کب لگ جاتی ہیں۔
اور جس دیس کا کوئی نام نہیں......دل اس دیس میں کیوں جا نکلتا ہے۔

❁❁❁

exponovels

For more visit (exponovels.com)

اس روز رملی صبح اٹھی......تو طبیعت کی بے چینی اور گرانی ایک نئے موڑ پر دکھائی دی۔ جب تک معاذ دفتر نہیں چلا گیا وہ اٹھتی بیٹھتی کام کرتی رہی وہ جب چلا گیا تو آ کر بستر پر لیٹ گئی۔

بستر پر لیٹی تو یوں لگا جیسے ادھر ادھر سب کانٹے بچھے ہوئے ہوں۔ جسم کے ادھڑنے کا احساس سا ہو رہا تھا۔ بے کلی کی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

اور سارا وجود بے گانہ بنا کھڑا تھا۔

تھوڑی دیر اسی طرح لیٹی رہی اور روتی رہی۔

پھر اٹھ کر باہر آ گئی بے جی حسب معمول دوپہر کے لئے سبزی بنا رہی تھیں اور ان کے پاس محلے کی ایک خوش پوش خاتون بیٹھی تھی۔ وہ سلام کر کے چارپائی پر بیٹھ گئی اور دیوار سے ٹیک لگا لی۔

بے جی آپ خود ہی انصاف کریں نا؟ وہ عورت بولی۔ یہ کتنا بڑا ظلم ہے میں دفتر میں بھی کام کروں۔ بچے بھی پالوں اور پھر آ کر گھر کا سارا کام کروں۔ کم از کم گھر کے کام میں تو شوہر کو ہاتھ بٹانا چاہئے۔

بے جی مسکرائیں۔

یہ دفتر کا کام چھوڑ دو اور لڑائی جھگڑوں سے نجات حاصل کر لو۔

بے جی! آپ تو جانتی ہیں۔ گھر کے آدھے اخراجات میری تنخواہ سے پورے ہوتے ہیں اور نوکری میں نے اپنے شوہر کی اجازت سے کی تھی۔

میں جانتی ہوں بے جی بولیں۔

غور کرو کہ دونوں تکلیفوں میں سے کونسی تکلیف کم ہے اور برداشت کی جا سکتی ہے اس طرح ایک بڑی تکلیف سے چھٹکارا حاصل کر لو۔

بے جی آپ سوچیں میں نے کس محنت سے اپنی جگہ بنائی ہے۔ بار بار تو نوکری نہیں ملتی نا......؟

جھلی......بے جی نے سبزی کا ٹرے ایک طرف رکھ دیا۔

دنیا کا دستور ہے کہ جو جتنا بوجھ اٹھاتا جاتا ہے اس پر اتنا زیادہ بوجھ لادا جاتا ہے۔ جدید عورت کا یہ المیہ ہے۔

اس غریب نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی، پرانا لبادہ اتارا، روایات کو خیر باد کہا، مرد کے ساتھ قدم ملا کر چلنے کی کوشش کی۔ اقتصادی بوجھ کو بٹانے کے لئے میدان میں نکل آئی۔ مگر مرد ان سب باتوں کو کہاں مانتا ہے......باہر کی دنیا میں وہ عورت کے عمل دخل کو پسند نہیں کرتا اس لئے عورت کی صلاحیت کو نہیں مانتا......اور نہ مانے گا۔

تو جھلیو......یہ کوشش کیوں کر رہی ہو۔ میں دیکھتی ہوں بے چاری کام کرنے والی عورتیں تھکی دوپہروں میں تھکی ہاری آتی ہیں تو گھر کے بے شمار مسائل جڑے

For more visit (exponovels.com)

پھاڑے ان کا استقبال کرتے ہیں۔ دفتر میں جتنا بھی سر کھپا کر آتی ہوں۔ گھر آ کر گھر داری کرنی پڑتی ہے ہر عورت کی استطاعت تو نہیں ہوتی کہ وہ خانساماں یا آیا رکھ لے...... اس مہنگائی کے دور میں ہر کوئی نوکر نہیں رکھ سکتا۔ اس طرح بچاری عورت دو خانوں میں بٹ جاتی ہے۔ گھر آ کر بچوں کی طرف توجہ دے تو گھر عدم توجہی کا شکار رہتا ہے اور اگر گھر کو بنائے سنوارے...... تو بچے بیدل ہو جاتے ہیں۔ بیٹا ایک عورت کتنے کام کر سکتی ہے۔ کوئی عورت فولاد کی تو بنی ہوئی نہیں ہوتی۔ وہ مہینے بعد کتنی تنخواہ لائے۔ مرد یہ نہیں دیکھتا۔ اک دن اگر سالن خراب ہو تو طعنے دے دے کر اس کا کلیجہ چھلنی کر دیتا ہے...... چترا یہ ٹھیک ہے تم نے بڑی محنت کر کے دفتر میں ایک مقام پایا ہے اور اب ماشاء اللہ کافی تنخواہ ہو گئی ہے تمہاری...... مگر اپنی جان کو کیوں مصیبت میں ڈالا ہوا ہے۔ باہر نکلتی ہو، موسموں کا مقابلہ کرتی ہو۔ شوہر تمہیں شک کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اس کی جلی کٹی سنتی ہو، آرام کا وقت نہیں ہے تمہارے پاس گھر بیٹھ جاؤ آرام سے۔

عورت کو جو آرام گھر کے اندر ملتا ہے وہ باہر نہیں مل سکتا۔ تب میں تو یہ دیکھ کر حیران ہوتی ہوں کہ عورتوں نے خواہ مخواہ بے شمار ذمہ داریاں اپنے کندھوں پر لاد لی ہیں جن سے یہ مرد بے پرواہ اور تن آسان ہو گیا ہے۔

دیکھیں نا؟ بے جی......!

وہ عورت ایک دم بھڑک اٹھی۔

ہم لوگ کتنا کام کرتے ہیں۔ صبح اٹھ کر پہلے ناشتہ بناتی ہوں۔ پھر بچوں کو تیار کر کے خود تیار ہو جاتی ہوں۔ شبیر تو ناشتہ کر کے اپنے سکوٹر پر دفتر چلے جاتے ہیں۔ میں بچوں کو کار میں بٹھا کر پہلے ان کو سکولوں میں چھوڑتی ہوں پھر دفتر جاتی ہوں۔ دوپہر کو پہلے ان کو سکولوں سے لیتی ہوں پھر بازار سے سودا سلف خریدتی ہوں۔ بجلی کے بل جمع کراتی ہوں۔ ٹی وی کا لائسنس میں بنواتی ہوں اور جتنے بل گھر میں آتے ہیں وہ بھی جمع کراتی ہوں۔ بچوں کی فیس دینے میں خود جاتی ہوں۔ ان کے استادوں سے میں خود ملتی ہوں۔ کتابیں وغیرہ خریدنا ہوں تو میں بازار جاؤں۔ رات کو ہوم ورک کروانا بھی میری ڈیوٹی ہے۔ پھر شبیر رشتہ داروں سے بھرا ہے اگر کہیں سے بلاوا آ جائے تو میں ہی جاؤں۔ شبیر صاحب تو دفتر سے آنے کے بعد تھکاوٹ کا بہانہ کر کے لیٹ جاتے ہیں اور تو اور...... اگر بچہ بیمار ہو تو میری ڈیوٹی ہے کہ اسے ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں نہ مکمل طور پر آرام کرنے کا وقت ملتا ہے اور نہ مقدر میں تفریح ہے۔ اس پر ہر روز کی لڑائی...... اب تو میں تنگ آ گئی ہوں۔ میں نے شبیر سے کہہ دیا ہے کہ ہمیں علیحدہ ہو جانا چاہیے۔

جاری ہے...

For more visit (exponovels.com)

او بے وقوف!

بے جی نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ ہر مسئلے کا حل علیحدگی نہیں ہوتا تو بچوں والی ہے علیحدگی کے بعد اور طرح کے ہزار مسئلے اٹھ کھڑے ہوں گے تو یہ سوچ لے کہ وہ اسی طرح بولتا رہے گا اور تجھے گذارہ کرنا ہوگا۔ وہ عورت زیادہ آرام میں تھی جو گھر کے اندر رہتی تھی۔ مگر اس وقت بھی وہ کمبخت مطمئن نہ تھی۔ اب تم لوگ باہر نکل آئی ہو اور اپنی ہمت سے بڑے کام سنبھال لئے ہیں تو حوصلہ بھی بڑا رکھو۔

مگر بے جی۔ کسی بات کا کوئی صلہ تو ہونا چاہیے۔

تم کو باہر آنے کا صلہ مرد نہیں دے گا۔ خود آئی ہو تو خود اس کی قیمت بھی ادا کرو۔ عورت کو جب گھر کے اندر رہنے کو کہا جائے تو اسے بہت غصہ آتا ہے اور وہ سمجھتی ہے اس کی ترقی کی راہیں مسدود کی جا رہی ہیں۔ مگر یہ بات نہیں ہے...... میں کوئی زیادہ پڑھی لکھی نہیں ہوں۔ میں تو صرف اتنا جانتی ہوں کہ عورت نازک ہے۔ نفیس ہے۔ خوبصورت ہے اس کو نازک اور نفیس کام کرنے چاہیے۔ اپنی زندگی آرام اور چین سے بسر کرنی چاہیے۔ بچے پالنا اور گھرداری کرنا بڑے مشقت کے کام ہیں۔ مگر انہی کاموں میں اس کی راحت ہے۔ اتنی ذمہ داریاں نہیں اٹھائے گی تو مرد خود بخود ٹھیک ہو جائے گا......

بے جی...... آپ ہمیشہ مرد کی حمایت میں بولتی ہیں۔

اس عورت کو غصہ آ گیا۔

بے جی ہنسنے لگیں۔

اچھا تو اپنا غصہ تھوک دے۔ میں آؤں گی کسی دن تیرے گھر...... شبیر سے بات کروں گی مگر دیکھو...... لڑائی جھگڑے کے دوران علیحدگی کا لفظ بالکل استعمال نہیں کرتے۔ خواہ میاں بیوی میں کتنی شدید لڑائی ہو رہی ہو۔ یہ لفظ زبان پر نہیں لاتے۔ یہ لفظ فاصلے پیدا کرتا ہے محبتوں کی جڑیں کاٹ دیتا ہے...... ازدواجی زندگی میں محبت ایک فصل کی طرح اگتی ہے۔ بعض اوقات جب اس فصل کو حالات کی کھاد اور احساس کی گرمی نہ ملے تو اس کی نشوونما رک جاتی ہے۔ لیکن جب تم نے لوگ ہر لڑائی کے بعد طلاق کا لفظ زبان پر لانے لگتے ہو۔ تو یہ فصل گل سڑ جاتی ہے...... فصل کا دھیان رکھنا چاہیے...... اس پر نکھار کا موسم ضرور آتا ہے۔

رملی جو بڑی بے زاری شکل بنائے بیٹھی تھی۔ بڑے غور سے بے جی کا چہرہ دیکھنے لگی۔ کیا یا گلے وقتوں کے لوگ اتنے گہرے ہوتے ہیں؟

میں جاؤں اب بے جی...... وہ عورت کھڑی ہو گئی۔ آپ سے بات کر کے تسلی ہو جاتی ہے۔ اسی لئے آ بھی جاتی ہوں۔

اچھا کرتی ہے۔ زندگی میں کوئی ایسا آدمی ضرور ہونا چاہیے۔ جس سے آدمی دل کی بات کہہ سکے۔ رنج اور غصے اندر نہیں رکھنے چاہیے۔ یہ انسان کی خوبصورت عادتوں کو کھا جاتے ہیں اور ان کی جگہ انسان کے اندر کینہ بغض اور تعصب لے لیتا ہے۔ تم نے دیکھا نہیں لوگوں میں اب کتنا حسد آ گیا ہے۔ کیونکہ لوگ ایک

For more visit (exponovels.com)

دوسرے کے خلاف اندر ہی اندر کھولتے رہتے ہیں۔

پر بے جی..... دنیا میں کتنے لوگ ہیں جن پر کوئی بھروسہ کر سکتا ہے۔

یہ بھی تو ٹھیک کہتی ہے۔ دل کی بات کوئی ظرف والا ہی ہضم کر سکتا ہے۔ دل کی بات کہنے کے لئے صحیح آدمی کا انتخاب کرنا چاہئے۔

بے جی..... وہ عورت بولی اللہ کا شکر ہے۔ آپ مجھے مل گئی ہیں۔ قسم خدا کی ورنہ میں پاگل ہو جاتی۔ جس رات لڑائی ہوتی ہے۔ صبح دفتر نہیں جا سکتی۔ بس آپ کے پاس آ کر بیٹھ جاتی ہوں اور ایک ایک بات بتا کے چین ملتا ہے۔

یہی رویہ ٹھیک ہے۔ بیٹی..... اس کام کے لئے گھر کے بزرگ ضروری ہوتے ہیں جن سے تم لوگ دور بھاگنا چاہتی ہو۔ بزرگ اور کسی کام کے قابل ہوں یا نہ ہوں۔ مگر ان کے دل میں اتنی وسعت اور گہرائی ہوتی ہے کہ تمہاری ہر بات اپنے سینے میں دفن کر لیتے ہیں۔ ان کے نحیف و نزار سینے راز کے کنوئیں ہوتے ہیں۔ ان کے پاس ان کی ساری عمر کا تجربہ ہوتا ہے۔ یہ بزرگ جب تم لوگوں کو کسی بات سے منع کرتے ہیں تو اس لئے نہیں کہ وہ اپنے آپ کو بہت عقلمند سمجھتے ہیں بلکہ انہوں نے ماضی میں جو غلطیاں کی ہوتی ہیں ان کی روشنی میں تم لوگوں کو غلطیاں کرنے سے روکتے ہیں۔ زندگی کے ہر تجربے کا ردعمل ایک دم سامنے نہیں آ جاتا بڑھاپا ایک بازگشت ہے۔ جب آدمی ضعیف ہو کر ایک طرف بیٹھتا ہے۔ تو اسے گزری زندگی آئینے کی طرح نظر آنے لگتی ہے کس بات کا کیا نتیجہ نکلا.....؟ یہ تجربات کی ڈگر سے گذر کے پتہ چلتا ہے۔ اگر گھر کے بزرگوں پر بھروسہ کیا جائے۔ انہیں اپنا راز دار بنایا جائے اور ان کے تجربوں سے روشنی ادھار لی جائے تو زندگی آسان ہو سکتی ہے۔

بے جی آپ مانیں یا نہ مانیں..... وہ عورت بولی۔

میں نے آپ جیسے سیانے بزرگ بہت کم دیکھے ہیں۔ ایک میری ساس بھی ہیں۔ اپنی جوان بہوؤں سے بس حسد ہی کرتی رہتی ہیں.....

ہائے وہی ساس بہو کی رقابت.....

بے جی سبزی کا ٹرے پکڑ کے کھڑی ہو گئیں.....

ایک دوسرے کے قریب رہنے کے لئے ایک دوسرے کو سمجھنا ضروری ہوتا ہے۔

اچھا اب تو جا..... میں پھر کسی روز تیرے ساتھ بات کروں گی۔

جاتے جاتے اس عورت نے رملی کی طرف دیکھا.....

اور بولی.....

exponovels

بے جی! آپ بڑی خوش نصیب ہیں، آپ کو بڑی اچھی بہول گئی ہے۔

کیسی ہو رملی...... اس نے پھر رملی سے پوچھا۔

رملی جیسے زبردستی مسکرائی اور بولی۔

ٹھیک ہوں جی......

ہاں آج کل بیچاری بیزار ہو رہی ہے بڑے واہیات دن ہوتے ہیں یہ ابھی تمہیں آگے آگے پتہ چلے گا کہ عورتوں کو کیا کیا بھگتنا پڑتا ہے۔ شادی بس ایک سہانا سپنا ہے۔ زیور اور کپڑے کے پس پردہ ساری سردردی ہے۔

یہ کہہ کر اس نے خدا حافظ کہا اور باہر نکل گئی۔

مگر بے جی نے جو اچٹتی سی نگاہ رملی پر ڈالی تھی۔ تو ان کی وہ نگاہ وہیں اٹک گئی......

جب وہ عورت باہر نکل گئی۔ تو بے جی رملی کے قریب آ گئیں۔ بڑے تردد سے اس کا چہرہ دیکھا۔ پھر اس کے پاس چارپائی پر بیٹھ گئیں۔

کیا بات ہے وو ہٹی...... انہوں نے اس کی آنکھوں میں اپنی تجربہ کار بوڑھی آنکھیں گاڑ دیں۔

تیرا سارا چہرہ نیلا ہو رہا ہے......؟

رملی تو جیسے پھٹ پڑنے کو بے قرار بیٹھی تھی بے جی کا ہاتھ تھام کے چیخ اٹھی......

بے جی نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ ٹھنڈا برف ہو رہا تھا۔ اپنے ہاتھوں سے پسینہ پونچھا اور اسے لٹا دیا......

اس کے رخسار پر ہاتھ رکھ کر پوچھا......

کب سے ہے یہ حالت......؟

پچھلی رات سے......

پچھلی رات سے...... اور تو نے مجھے بتایا نہیں...... ہائے ہائے یہ لڑکیاں...... میں مر جاؤں گی...... آج میں ضرور مر جاؤں گی۔

جھلی...... بے جی پھر سٹپٹا کر اس کی چارپائی پر بیٹھ گئیں۔

منہ سے خیر کا کلمہ نکال...... اللہ اللہ...... ابھی سب ٹھیک ہو جائے گا...... ابھی...... ابھی...... دیکھنا تو سہی......

لیکن بے جی کو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ایک دم بوکھلا گئیں۔ رملی تکلیف سے تلملا رہی تھی اور اس کی گھٹی گھٹی چیخیں انہیں اور بھی مضطرب کر رہی تھیں۔ کبھی اندر

For more visit (exponovels.com)

جاتیں اور کبھی باہر آ جاتیں......

بے جی...... بے جی......رملی روتے روتے بولی۔

پلیز میری امی کو بلا دیں...... بلا دیں نا؟ میری امی کو...... ورنہ میں مر جاؤں گی۔

اسی وقت بے جی کو معاذ کا خیال آ گیا۔

فوراً اندر گئیں۔ معاذ کے دفتر میں فون کیا۔ اتفاق سے وہ مل گیا۔ اسے فوراً گھر آنے کا کہہ کے بے جی باورچی خانے میں چلی گئیں۔ انہیں معلوم تھا اب کیا کرنا ہے۔ انہوں نے چولہے پر تھوڑا سا دودھ رکھ دیا۔ دودھ میں ایک چمچ دیسی گھی کا ڈالا۔ ایک چھوہارا بھی کتر کے ڈال دیا۔ پھر چٹکی سونف اور سفید زیرے کی ڈالی...... جب ابال آ گیا تو چٹکی بھر ہلدی بھی ڈال دی خوب جوش دلا کر دودھ کو پیالے میں ڈالا اور رملی کے پاس لے آئیں۔

یہ کیا ہے بے جی......؟

دودھ ہے بس...... اسے پی لو۔ اس سے درد تیز ہو جائیں گے۔

بے جی...... رملی چیخنے لگی۔ آپ کیا ظلم کرتی ہیں۔ میری پہلے ہی جان نکلی جا رہی ہے اور آپ کہتی ہیں درد تیز ہو جائیں...... کیوں مارنا چاہتی ہیں مجھے......

بیٹی بیٹی...... بے جی نے پیالہ تپائی پر رکھ دیا اور اس کو سہارا دے کر اٹھایا۔

تم ابھی نا تجربہ کار ہو۔ وہاں پتہ نہیں ہسپتال میں کتنی دیر لگ جائے...... وہ ٹیکہ لگا کے تمہیں ایک جگہ ڈال دیں گی۔ یہ گرم دودھ پی لو گی...... تو جلدی سب ہو جائے گا۔ اٹھو...... شاباش...... ضد نہیں کرتے......

اٹھو...... اٹھو......

رملی نے جب اٹھنے کی کوشش کی تو کئی ہزار برچھیاں اس کی جسم میں کھب گئیں آنکھوں کے آگے اندھیرا آ گیا۔ زمین و آسمان گھومنے لگے...... اپنا آپ اپنے ہاتھوں سے چھٹنے لگا...... کیسی کڑی مسافت تھی کہ چل بھی نہ رہی تھی۔ پھر بھی تھکن سے چور چور تھی......

جوڑ جوڑ الگ ہو رہا تھا...... اور ہمت جواب دے رہی تھی...... سانس پھول رہی تھی...... پتہ نہیں بے بسی کا کونسا مقام تھا...... اس کی آنکھوں سے جھڑی لگی تھی۔ ایسے لگتا تھا بس دم نکلنے والا ہے۔

امی کو فون کیا آپ نے......؟

اس نے ایک گھونٹ دودھ پی کر یوں سر اٹھایا جیسے نزع کے وقت اپنی ماں کو دیکھنا چاہتی ہو......

exponovels

نہیں......بے جی نے آہستہ سے کہا۔

کیوں......کیوں......رملی نے ہاتھ مار کر ذرا سا دودھ گرا دیا۔

میں مر رہی ہوں اور آپ میری ماں کو نہیں بلا تیں......

پہلے تم یہ دودھ پی لو......میں پھر جا کے فون کروں گی......

رملی نے بے دلی سے گھونٹ گھونٹ کر کے دودھ پیا......دودھ اس طرح گلا چیر کر جا رہا تھا جیسے ہر گھونٹ کے ساتھ خنجر کی دھار اندر جا رہی ہو......اندر باہر کوئی ستانے کا مقام نہ تھا......درد کا ایک بگولا تھا جس نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔سکون کی زمین پر قدم نہ ٹکتے تھے اور وہ درد کے گرداب میں پھنسی لحہ بہ لمحہ فضا میں معلق ہوئی جا رہی تھی۔

اس وقت اسے اپنی زندگی بہت پیاری لگی۔اپنی ذات دنیا کی ہر شے سے قیمتی لگی۔اس کی آنکھوں میں ایک خاموش التجا اتر آئی۔

مجھے بچا لو......کسی طرح مجھے بچا لو......!

اس احساس کے ساتھ ہی ماں کی گود میں چھپ جانے کی تمنا جاگ اٹھی۔

ماں کی گود......جو زندگی کے ہر کٹھن اور کڑے لمحوں میں یاد آ جاتی ہے۔

جو عافیت کی چھایا ہے......اور جس گود میں منہ چھپا کر انسان دنیا کے ہر غم سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

پلیز امی کو فون کر دیں بے جی......

رملی نے رکتی سانسوں کے درمیان کہا......

اچھا......بے جی نے پیالہ اٹھایا اور خاموشی سے اندر چلی گئیں۔

بے جی کے اٹھتے ہی درد کی ایک لہر آئی......اور رملی زور سے چیخی۔

بے جی واپس آ گئیں......پاس بیٹھ کے انہوں نے رملی کے دونوں کندھے پکڑ لئے۔

اس ایک لمحے میں جب کرب کا دریا اسے ایک نامعلوم جہاں کی طرف بہا لے جانے والا تھا۔اس نے اپنی سوچی سوچی اور آنسوؤں سے بھری ہوئی آنکھوں کو کھول کر آسمان کی طرف دیکھا......اور آنسوؤں کی زبان میں التجا کی......!

خدایا! مجھے......مجھے بچا لے......میں جینا چاہتی ہوں......ابھی......!

ابھی نہیں......خدایا......خدایا......خدایا......!

اور پھر نڈھال ہو کر اس نے سر تکیے پر رکھ دیا۔

اس کے بعد کافی دیر تک سکون رہا اور بے جی اندر جا کر بچے کا سامان اکٹھا کرنے لگیں......

اسی وقت گھبرایا ہوا سا معاذ گھر کے اندر داخل ہوا......

گھبراہٹ میں اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور ایسے میں وہ کچھ اور بھی بے ہودہ لگ رہا تھا......

رملی نے اپنی نیم وا آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا......تو خوف اور وسوسوں میں گھرے دل میں ایک کانٹا سا چبھ گیا۔اس شخص کے لئے تو خدا سے زندگی مانگ

رہی ہے......

کیا ہوا ہے رمو......معاذ ایک دم اس کے قریب بیٹھ گیا۔

رملی نے اپنا بازو اپنی روتی ہوئی آنکھوں پر رکھ لیا......کیا بتاؤں کیا ہوا ہے؟

رملی پھر رونے لگی۔

جو بھی ہو رہا ہے تمہارے کارن ہو رہا ہے......کون سا درد گھناؤنا ہے یہ نہیں جانتی......تھوڑی دیر پہلے زندہ رہنے کی خواہش جاگی تھی......زندگی پیاری لگی تھی......دنیا

خوبصورت لگی تھی......

تم آئے ہو تو......

وہ سسکنے لگی......

دعا بیچ راہ کے حیران کھڑی ہے......

انسان کتنا متلون مزاج ہے......پل میں زندگی مانگتا ہے۔پل میں موت......آسمان ششدر ہے۔کس دعا کے لئے دروازہ کھولے......کس دعا کے لئے دروازہ

بند کر دے......ساری دعائیں آسمان کے نیچے کھڑی انسان کو کوستی ہیں......

رملی نے ادھر ادھر سر پٹخا......

مجھے نہیں چاہیے زندگی......مجھے نہیں چاہیے بچہ......!

بس......بس......!

exponovels

اسی وقت معاذ نے اس کا ٹھنڈا برف ہاتھ پکڑ لیا۔

رموسب ٹھیک ہو جائے گا جان......!

اس نے اتنے پیار سے کہا۔ جیسے اردگرد دودھ اور شہد کی نہریں بہہ رہی ہوں۔ کتنا ملائم تھا اس کا لہجہ...... کتنی یقین دہانی تھی اس کے ہاتھ کے لمس میں...... اس کی پور پور احسان مندی کا اظہار کر رہی تھی......

اس کی سانس کی خوشبو رملی کے چہرے پر گر رہی تھی...... اور صاف کہہ رہی تھی۔

محبتوں کو مجسم کرنے کے موسم کرب کی آندھیوں میں لپٹے ہوتے ہیں...... اپنا وجود تقسیم کرتے وقت اذیت کی انتہا سے گزرنا پڑتا ہے...... اس طرح ہم تعلق کی ایک اٹٹ ڈور باندھتے ہیں۔ ایک دوسرے کے خون سے گروا گاتے ہیں...... ایک دوسرے کی روح کے آر پار ہو جاتے ہیں......

جس کی بہار سے پہلے...... نازک پل صراط آتے ہیں۔

میں یہاں تمہارے ساتھ ہوں۔ تمہارے دل کے قریب...... اپنے پیارے کو تکلیف میں مبتلا دیکھنا سب سے بڑی اذیت ہے...... جب تم درد بانٹ نہیں سکتے...... اور جب تمہیں درد کی انتہا کا علم ہے۔ تو تم بن چھری کے ذبح ہو جاتے ہو...... تڑپ تو میں بھی رہا ہوں۔ مگر کچھ اور طرح سے۔

عذاب میں تو میں بھی مبتلا ہوں...... روح تو میری بھی اذیت کے سوا نیزے پہ ٹنگی ہے۔ جان تو میری بھی نکل رہی ہے۔

مگر دونوں کا انداز جداگانہ ہے۔

میں اپنی ساری عقیدتوں کے چراغ جلا کر نس نس سے تمہاری زندگی کے لئے دعا مانگوں گا۔

زندگی...... زندگی...... مجھے نہیں چاہیے زندگی۔

رملی پھر زار و قطار رو رہی تھی۔

بے جی کپڑوں کی ٹوکری اٹھائے باہر آئیں تو معاذ کو وہاں بیٹھے ہوئے دیکھا۔

جلدی کرو معاذ یہ سامان موٹر میں رکھو اور رملی کو ہسپتال لے چلو......

لیبر روم میں جانے سے پہلے رملی نے ایک بار پھر بے جی سے پوچھا......

بے جی...... میری امی کو فون کر دیا ہے......

کر دیا ہے...... بے جی نے آہستہ سے کہا......

exponovels

اور پھر تسبیح لے کر دروازے کے ساتھ کھڑی ہو گئیں۔۔۔۔۔ معاذ باہر نکل گیا۔۔۔۔۔

ہسپتال کی عمارت سے نکل کر ہرے بھرے لان میں اتنی دور نکل گیا۔ جہاں اسے رملی۔۔۔۔۔ کی چیخیں نہ سنائی دیں۔۔۔۔۔

کتنی دلخراش چیخیں تھیں۔ جیسے کوئی اس کی من موہنی چاندی رملی کی کھال اتار رہا ہو۔

اسی لئے شاید ماں کو اتنا بڑا درجہ دیا گیا۔۔۔۔۔

جب وہ درختوں کے ایک نیم تاریک جھنڈ میں پہنچ گیا تو اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا مصلے گھاس پر بچھا دیا۔

اور اپنی اک اک سانس کے ساتھ۔۔۔۔۔ اللہ سے اپنی رملی کی زندگی کی بھیک مانگنے لگا۔ نوافل پڑھتے پڑھتے اس نے نگاہ اٹھا کے سامنے دیکھا تو انٹرنس والے گیٹ پر بے جی کھڑی ادھر ادھر دیکھ رہی تھیں۔۔۔۔۔

معاذ نے جلدی سے مصلے لپیٹا اور ان کی طرف بھاگا۔ دل میں وسوسوں کا ایک ہجوم تھا اور دل بری طرح دھک دھک کر رہا تھا۔

تیز تیز قدم اٹھاتا ہکا بکا سا جب وہ قریب پہنچا تو بے جی اسے دیکھ کر ہنس پڑیں۔

کیا بات ہے بے جی۔۔۔۔۔؟

وہ بے جی کی ہنسی کا مفہوم بھی سمجھنے سے قاصر لگ رہا تھا۔

اللہ کا کرم ہوا ہے آ جاؤ۔۔۔۔۔!

بے جی ہسپتال کے کوریڈور میں مڑ گئیں۔ معاذ بھی ان کے ساتھ ہو لیا۔

بہت کچھ پوچھنے کو دل مچل رہا تھا۔۔۔۔۔ مگر کچھ بھی پوچھنے کا ڈھنگ نہیں آ رہا تھا۔

لیبر روم کے باہر پہنچ کر بے جی نے معاذ کی طرف دیکھا۔ ان کے چہرے پر خوشیوں کے چراغ جل رہے تھے۔۔۔۔۔

اللہ کا بڑا احسان ہے۔ پوتا دیا ہے اللہ نے مجھے۔۔۔۔۔

ارے۔۔۔۔۔ معاذ ایک دم چونکا۔۔۔۔۔

سب بہت جلدی لگا اسے۔۔۔۔۔ بہت خوبصورت۔۔۔۔۔ عجیب۔۔۔۔۔

بے جی اسے خبر سنا کر اندر جانے لگیں۔۔۔۔۔ تو وہ بے تاب ہو کر ان کے پیچھے لپکا۔

بے جی رملی کیسی ہے۔۔۔۔۔؟

For more visit (exponovels.com)

بے جی...... رملی ٹھیک ہے......؟

بے جی رملی کا کیا حال ہے......؟

مگر بے جی نرس سے باتیں کرنے میں مگن تھیں۔

اس وقت نقاہت سے چور اور تھکاوٹ سے ریزہ ریزہ رملی کے کان میں معاذ کی آواز پڑ گئی۔

وہ پوچھ رہا تھا۔

بے جی...... رملی تو ٹھیک ہے نا؟

مبارک ہو سر آپ کا بیٹا ہوا ہے۔ نرس نے قریب سے گزرتے ہوئے کہا۔

مگر سسٹر میری بیوی کیسی ہے......؟

نرس ہنس کر قریب سے گزر گئی۔

اب تو جی بالکل ٹھیک ہے۔

معاذ کی آواز نے رملی کو زندگی کا احساس دلایا...... تھوڑی دیر پہلے جب زبردست طوفان اٹھا تھا۔ اس نے ایک بار پھر اپنی ماں کی تمنا کی تھی...... اس خیال سے کہ شاید اس کی ماں اسے اس عذاب سے بچا لے گی۔ لیکن اس عذاب سے گزرے بغیر تو کوئی ماں، ماں نہیں بن سکتی......

پھر ایک نرم سی آواز آئی تھی......

اور اس کے ساتھ ہی سکون کے بادل چھا گئے تھے۔

ڈاکٹر نے بڑی دیر کے بعد اسے بتایا...... کہ تمہارے بیٹا ہوا ہے...... اف......!

اس نے اپنی تھکی ہوئی پلکوں کے سائبان ڈھیلے کر دیے......

نہ تو بچے کو دیکھنے کی تمنا جاگی...... نہ دل میں کوئی ہلچل اٹھی۔ شکر ہے کھولتے لاوے سے نجات ملی۔

یوں لگ رہا تھا ایک زمانے سے پا پیادہ چلتی آ رہی ہے...... اور اب تھک کے سو جانا چاہتی ہے۔

اور جب انجکشن کے اثر سے نیند کے پاتال میں اترتی جا رہی تھی تو ایک بھیانک خیال کا کوڑا لگا آ کر...... اور اس کے زخمی تن میں پھر درد کی لہریں اٹھنے لگیں۔

وہ ایک بدصورت بچے کی ماں بن گئی تھی...... ایک اور کریہہ المنظر انسان کو اس نے جنم دے دیا تھا۔ دنیا کی بدصورتی میں اضافہ کر ڈالا تھا۔ تبھی تو کسی نے اسے بچہ

For more visit (exponovels.com)

نہیں دکھایا...... وہ دور پالنے میں پڑا ہوا تھا اور ایک نرس اس کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔

بے جی مسکراتی ہوئی نرس کے پاس جا کھڑی ہوئیں اور بڑے اترائے ہوئے انداز میں کہنے لگیں۔

بالکل میرے معاذ پر گیا ہے...... چھوٹا سا معاذ لگ رہا ہے مجھے...... وہ پیدا ہوا تھا تو ایسا ہی تھا۔

اف......

اف......

رملی نے اپنے سر کو ادھر ادھر مارا۔

جی اب تو سارا کام ختم ہو گیا ہے۔ اب کیوں بے چین ہو رہی ہیں آپ......!

نرس نے اس کے اوپر سفید چادر ڈالتے ہوئے کہا

تو رملی نے اپنے خشک اور نیلے ہونٹوں پر زبان پھیری۔

چلئے آپ کو آپ کے کمرے میں چھوڑ آئیں۔

دو نرسوں نے مل کر اسے اسٹریچر پر ڈالا...... اور اسٹریچر دھکیلتے ہوئے لیبر روم سے باہر نکل آئیں۔

باہر دروازے کے پاس معاذ کھڑا تھا۔ منتظر اور مضطرب......

اسے دیکھ کر آگے بڑھا...... شاید اس کا دل چاہ رہا تھا کہ رملی کو ہاتھوں میں بھر کے کلیجے میں چھپا لے۔ مگر رملی نے اپنی آنکھیں بند کر لیں...... نرس بڑی مشاقی سے گول گول دائروں میں اسٹریچر کو کھینچتی ہوئی اوپر کی منزل میں لے جا رہی تھی۔ مگر رملی کو یوں محسوس ہو رہا تھا۔

ساری دنیا اس کے اردگرد گھوم رہی ہے...... ساری دنیا اس کی طرف دیکھ رہی ہے...... ساری دنیا کہہ رہی ہے۔ دیکھو یہ عجیب الخلقت بچے کی ماں ہے......

دیکھو...... دیکھو......

اس نے دنیا کو کیا دیا......؟

❀❀❀

exponovels

For more visit (exponovels.com)

ہسپتال کے دستور کے مطابق پورے چوبیس گھنٹے بچہ ماں کے پاس نہیں لایا گیا۔ بس تھوڑی تھوڑی دیر بعد بے جی کمرے سے نکل جاتیں اور بچوں والے کمرے میں جا کر اپنے پوتے کو دیکھ آتیں۔

پھر آ کر کہتیں۔ کم بخت کہیں میرا بچہ بدل نہ دیں۔

اے کاش بدل دیں۔ سوئی ہوئی رملی سوچتی۔ بے جی کے علاوہ کسی نے بچے کا ذکر نہیں کیا تھا۔ کل سارا دن امی بھی یہاں رہیں تھیں۔ امی اس وقت آئیں جب وہ اپنے کمرے میں پہنچ چکی تھی۔

اور ان کے آنے سے پہلے بے جی نے اس کی پیشانی چوم کر اسے بتایا تھا کہ میں نے بچہ ہونے کے بعد تیری ماں کو اطلاع دی ہے۔

کیوں بے جی...... رملی نے کمزور آواز میں پوچھا اگر میں مر جاتی تو......

اچھا اب ایسی منحوس باتیں نہ کر...... وہ بچی تو اس وقت اتنی پریشان تھی اور تیرا چہرہ اس قدر عجیب ہو رہا تھا کہ میں نے تیری ماں کو نہیں بلایا۔

بیٹی! اس معاملے میں ماؤں کا دل کمزور ہوتا ہے۔ خود اس کرب سے کئی بار گذرتی ہیں۔ مگر اپنی بیٹیوں کو تکلیف میں تڑپتا ہوا نہیں دیکھ سکتیں۔ مریض تو اندر ڈاکٹروں کی تحویل میں ہوتا ہے مگر مریض کے لواحقین ہسپتال کے سنگدل برآمدوں میں کھڑے کھڑے مر جاتے ہیں اور میں جانتی ہوں تیری ماں کا دل بڑا چھوٹا ہے۔ اس لئے سوچا آ کر ناحق پریشان ہوں گی اور ان کی صورت دیکھ دیکھ کر تم اور بھی گھبرا جاؤ گی......

اسی وقت دروازہ کھول کر امی اندر داخل ہوئیں اور رملی سے لپٹ گئیں۔ امی کی خوشبو نتھنوں میں پہنچی تو رملی پھر رونے لگی......

اس کی خیر خیریت پوچھنے کے بعد امی تو بالکل مطمئن ہو گئیں اور پھر ہنس ہنس کر بے جی سے باتیں کرنے لگیں۔ کسی نے اسے اس کے بچے کے بارے میں نہیں بتایا۔ حتیٰ کہ امی بھی جاتے وقت وہیں نومولود بچوں کے کمرے میں اسے دیکھ کر گھر چلی گئیں...... پتہ نہیں یہ کیسی بات ہے جو اس سے اس طرح چھپائی جا رہی ہے......

ابھی تھوڑی دیر پہلے نرس نے آ کر بے جی سے کہا تھا۔ بچے کے کپڑے نکال کر رکھیں میں اسے لا رہی ہوں۔

بے جی تو چیزیں نکالنے میں مگن ہو گئی تھیں۔ مگر اس کی نظریں دروازے پر ٹنگ گئی تھی بظاہر اس نے اپنے آپ سے کہا تھا کہ اسے ایسا مکروہ صورت بچہ دیکھنے کا شوق بالکل نہیں ہے......

مگر اندر شوق نے آگ لگا رکھی تھی...... کچھ انجانے سے جذبے سر ابھار رہے تھے۔

اپنے جسم کا ایک حصہ مجسم دیکھنے کو دل مچل رہا تھا مگر اپنی کہنی چہرے پر ٹکائے اس کی نظریں دروازے کی طرف ٹکٹکی لگائے تھیں جیسے دیکھنے والے سمجھیں سو رہی ہے...... مگر بازو

کے ننھے سے مثلث میں سے دروازے کا ہر زاویہ نظر آ رہا تھا۔

اسی وقت کالی سی نرس سفید تولیے میں لپٹا ہوا ایک لوتھڑا لے کر اندر داخل ہوئی۔ بچہ بہت چھوٹا تھا اور پوری طرح کپڑے میں لپٹا ہوا تھا۔ صرف اس کے سر کے بال نظر آ رہے تھے جو بہت سیاہ اور بہت گھنے تھے......بہت سیاہ اور بہت گھنے بال تو معاذ کے بھی تھے۔

بسم اللہ کہہ کر بے جی مڑیں اور نرس کے ہاتھ سے بچہ لے لیا۔

ابھی اس کو غسل دینا ہے۔کل سے یہ نہایا نہیں......

ہائے تم نے گندہ بچہ رکھا ہوا تھا۔ بے جی نے کہا۔

ہم صرف بچوں کو چینج کرتے ہیں۔اب آپ نہلا دھلا کر اسے اچھے کپڑے پہنا دیں نا جو لے کر آئی ہیں۔

تم میری مدد کرو گی......؟ بے جی نے پوچھا۔

ضرور کروں گی......میں تو اسی کام کے لئے آئی ہوں۔

نرس بچے کو لے کر غسل خانے میں چلی گئی تو بے جی نے ہلکا نیلا فراک اٹھایا۔اس کے ساتھ ہلکا نیلا بب بھی تھا۔ نیلے رنگ کے تولیے اور نیلا صابن لیکر جب وہ غسل خانے میں داخل ہوئیں تو نرس نے حیران ہو کر پوچھا۔

کیا آپ کو یقین تھا آپ کی بہو کے لڑکا ہو گا۔

بے جی ہنس پڑیں۔

بس......ایسی باتیں واشگاف الفاظ میں نہیں بتاتے......

ویسے پہلی لڑکی بھی ہو جاتی تو ہمیں کیا فرق پڑتا تھا۔

پھر آپ اسے بھی نیلے کپڑے پہنا دیتیں......؟

اس سے کیا ہوتا ہے......؟ بے جی نے کہا یہ تو آج کے فیشن ایبل دور کا تقاضا ہے۔

ویسے میں نے بچے کے لئے ہر رنگ کے کپڑے احتیاطاً بنا لئے تھے......

نرس بچے کو نہلانے لگی اور ساتھ ساتھ گفتگو بھی جاری رکھی۔

پہلوٹھی کا بچہ ہے آپ کی بہو کا......

For more visit (exponovels.com)

exponovels

ہاں جی...... بے جی نے کہا۔

بہت خوش ہیں آپ پوتا ہوا ہے......

میرا ایک بیٹا ہے۔اس لئے میں چاہتی ہوں۔اس کی بہت سی اولاد ہو......

(اونہہ......کتنی چہرے پر ٹکائے ٹکائے......رملی کو ابال آ گیا۔ایک بدصورت بچہ پیدا کر کے اور بدصورت بچوں کی لائن لگانا چاہتی ہیں۔)

نرس نے بچے کو تیار کر دیا اور لپیٹ کر بے جی کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔پھر بولی۔

ابھی صرف اسے ابلا ہوا پانی اور شہد دیں......اور باہر نکل گئی۔

بے جی نے کچھ پڑھ کر بچے پر دم کیا۔

پھر ایک دم اسے رملی کے پاس لے آئیں اور بولیں۔

وہنی اپنا بچہ تو دیکھو......

رملی کا دل دھڑک اٹھا......اس نے کنی اٹھائی تو جذبات کی شدت سے اپنی جگہ پر جم گئی۔

بے جی نے آہستہ سے ننھا سا فرشتہ اس کے پاس لٹا دیا۔مگر ہاتھوں سے اسے تھامے رکھا۔رملی نے بے تابی سے دیکھا......پھر دیکھا......پھر دیکھا......بہت چھوٹا سا انسان......بہت چھوٹا سا......مگر کتنا خوبصورت......سفید اور سرخ رنگت تھی۔

آنکھیں بہت زور سے بند کی ہوئی تھیں۔جیسے شرط جیت کر ہی کھولے گا۔باقی نقش و نگار کا پتہ ہی نہیں چل رہا تھا......اس میں سے ایک الوہی خوشبو نکل رہی تھی۔ریشمی ریشمی چاند کا ٹکڑا کمبل میں یوں لپٹا تھا جیسے آسمان اپنی تمام تر نرمیوں دل آویزیوں اور خوبصورتیوں کے ساتھ ماں کی گود میں اتر آیا ہو......

رملی کے دل سے ممتا کی ایک ہوک اٹھی۔اندر ایک چشمہ پھوٹا......ایک جھرنے کا منہ کھل گیا۔اس کا دل چاہا۔پلٹ کر اس ننھے سے وجود کو اپنے سینے میں بھر لے......اس کے منہ پہ اپنا منہ رکھ دے......دل میں دفن کی ہوئی ساری محبتیں اس پر لٹا دے......ساری گھٹن نکال دے......پتہ نہیں روئے کہ چلائے......ہنسے قہقہے لگائے......اپنے سے قریب......اپنے بہت پاس......بہت عزیز......دل کے نزدیک ایک وجود......ایک ٹھنڈا میٹھا ٹکڑا محسوس ہو رہا تھا۔

مگر اس نے دل پر جبر کیا، یا شاید بے جی سے شرما گئی۔منہ پھیر لیا۔

اسی وقت بچے نے ایک کمزور سی اور معصوم سی آواز نکالی۔شاید وہ احتجاج تھا۔

بے جی نے لپک کر اسے اٹھا لیا۔

exponovels

For more visit (exponovels.com)

میرے بچے کو بھوک لگی ہوگی۔نہانے کے بعد بچے کو ضرور بھوک لگتی ہے۔

انہوں نے اسے سینے سے لگایا۔پھر بڑی مشاقی سے الٹے بازو پر اٹھا کر سیدھے ہاتھ سے اس کی بوتل میں پانی انڈیلنے لگیں۔پانی میں ذرا سا شہد ملایا اور بستر پر بیٹھ کر اسے گود میں لٹا لیا۔اور پانی پلانے لگیں۔

بچے نے بس ایک ہلکی سی آواز نکالی تھی۔اس کے بعد پھر مٹھیاں بھینچ کر اپنی دنیا میں گم ہو گیا تھا......

بے جی کوشش کر کے اس کے منہ میں نپل ڈالتیں اور وہ پھر باہر نکال کر منہ بند کر لیتا۔تھوڑی سی دیر کو اس کی لال لال زبان نظر آتی اس پر ایک میٹھا قطرہ گرتا...... جسے چوس کر وہ پھر منہ بند کر لیتا۔

بے جی ہنسنے لگیں۔

دیکھو وجی......ہم اسے انسان بنانے کی کوشش کر رہے ہیں......؟

ابھی تک یہ فرشتہ تھا اور اس کی زبان لذت سے ناآشنا تھی۔ہم اس کو لذت کی عادت ڈال رہے ہیں......بلکہ نپل کی عادت ڈال رہے ہیں۔پتہ نہیں یہ نپل کس چیز کا بنا ہوگا؟لیکن ہم ایک خالص دنیاوی اور مصنوعی چیز سے اس کے ذہن کو آشنا کر رہے ہیں جب تک ماں کے پیٹ میں رہا فرشتہ ہی رہا۔دیکھا تم نے......دنیا میں رہنے کے لئے انسان بننا بہت ضروری ہے اور اس کو انسان ہم اپنے طریقے سے بنا رہے ہیں۔ویسے قدرت ان فرشتوں کے لئے ماں کی چھاتی کو مالا مال کر دیتی ہے......تا کہ ملاوٹ کے بغیر پاک صاف دودھ ان کے مقدس دہن میں اترے......پر جب تک......

انہوں نے نظر اٹھا کر رملی کی طرف دیکھا......

اسی وقت رملی کو اپنے سینے میں عجیب سی ٹیسیں محسوس ہوئیں۔بھاری پن......جیسے پتھر لڑھک کر سینے پر چڑھ آئے ہوں......میٹھی میٹھی چھریاں چل رہی ہوں......

کیا یہ ماحتا......؟

اس نے دل میں سوچا......

لیکن بچہ پہلوٹھی کا ہو تو دودھ اترنے میں دو چار دن لگ جاتے ہیں......تب تک ہم بچوں کو مصنوعی دودھ کی لت لگا دیتے ہیں۔پھر کہتے ہیں جی آج کل خالص انسان نہیں ملتے......

رملی نے بہت حیران ہو کر بے جی کی طرف دیکھا......

ایک نیم خواندہ گاؤں کی بوڑھی عورت بڑے مزے سے اپنا فلسفہ بیان کر رہی تھی۔

exponovels

بھوک لگی ہے بیچارے کو...... مگر دیکھو...... ہر بار نپل منہ سے نکال دیتا ہے تھوڑی دیر احتجاج کرے گا۔ پھر قدرت اسے بتائے گی۔ پیٹ بڑا پاپی ہے۔ خود ہی چپے گا۔ خود ہی پکڑ لے گا۔

مگر بے جی...... رملی بے قراری سے بولی۔

آپ کو کیسے پتہ چلے گا کہ اسے بھوک لگی ہے۔

ہاں...... ہاں...... یہ سب دنیاداری کے مرحلے ہیں جو یہ بچہ آپ ہی آپ طے کرے گا۔ زمانے کی ہوا ماں کے بطن سے مختلف ہوتی ہے......

ان چالیس دنوں کے اندر ہی تو قدرت اسے بتائے گی۔ وہاں روتا نہیں تھا۔ اور خوراک مل جاتی تھی۔ بادلوں جیسے بستر میں پڑا رہتا تھا۔ تیز روشنی نہیں تھی۔ اردگرد ماں کی ممتا کا نور تھا۔ دونوں کے دل ایک ساتھ دھڑکتے تھے...... ماں اور بچے کا دل پیٹ کے اندر ہی ایک ساتھ دھڑکنا سیکھ لیتے ہیں۔ اسی لئے تو بچہ جہاں کہیں بھی ہو...... تکلیف میں ہو تو ماں کا دل تڑپنے لگتا ہے...... بچے کا دل ماں کے دل سے دھڑکنا سیکھتا ہے...... احساسات کی ایک ڈوری بندھ جاتی ہے۔ پر جب بچہ دنیا میں آتا ہے نا؟ تو سب سے پہلے یہ چکا چوند روشنی اسے بری لگتی ہے۔ دیکھا نہیں تم نے کسی قدر زور سے آنکھیں بند رکھتا ہے...... پھر رفتہ رفتہ اس کی پاک آنکھیں اس روشنی سے مانوس ہو جاتی ہیں۔ چالیس دن کے اندر اندر وہ اپنی عادتیں بدل لیتا ہے۔ بھوک لگے تو روتا ہے۔ چلاتا ہے...... آنکھیں کھول کے اردگرد دیکھتا ہے...... آوازیں اس کو اچھی لگنے لگتی ہیں...... پھر جب تک بچہ روئے نہیں ماں دودھ نہیں دیتی...... اصل میں اس طرح ہم اسے احتجاج کرنے کی عادت ڈال دیتے ہیں اسے پتہ چل جاتا ہے کہ اپنی بات منوانے کے لئے یا اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے چیخنا چلانا اور دوسروں کو بے سکون رکھنا جائز ہوتا ہے......

بے جی نے بوتل ایک طرف رکھ دی اور بولیں۔ وہ گھٹی والا محاورہ تو بس اب کتابوں کے لئے رہ گیا ہے۔ یہاں ہسپتالوں میں جس نرس کی ڈیوٹی ہو وہی منہ سے بوتل لگا دیتی ہے...... بابا کیا کریں ہم تو پرانے زمانے کے ہو گئے۔ کچھ کہیں تو نئی نسل مذاق اڑاتی ہے۔ گھٹی کو مذاق سمجھتے ہیں۔ کہتے ہیں بچے کو سرہانہ لگائیں۔ اس سے ٹکروں کی بیماری لگ جاتی ہے...... بے جی یہ کہہ کر چپ ہو گئیں کہ کہیں رملی برا نہ مان لے۔ پھر بوتل کے اوپر ہتھیلی چڑھا کے اسے ایک طرف رکھ دیا اور دلاور سے بولیں۔ جیون جوگا۔ سو بھی گیا ہے...... لو بس اتنی سی تو بھوک ہوتی ہے نومولود کی۔ صرف دو تین قطرے ہی اندر گئے ہوں گے...... میں صدقے جاؤں......

انہوں نے جب سے اس کا دہانہ صاف کیا۔

بڑا صابر بچہ ہے ماشاءاللہ...... بالکل میرے معاذ کی طرح......

اوہ...... رملی نے کھینچ کے ایک لمبی سانس نکالی۔

اور ماں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے بے جی...... ماں صابر نہیں ہے جس نے ... نفس نفس پتا لے

لگا کے بیٹھی ہے۔ آپ کو ہر گن اپنے بیٹے میں ہی نظر آتا ہے...... یہ خوبی بس آپ کے بیٹے میں ہے اور یہ سرخ و سفید گورا چٹا، مکھن جیسا بچہ......
صاف نظر آ رہا ہے کہ اس نے رنگ وروپ اپنی ماں سے لیا ہے۔ اسے کون معاذ کا بچہ کہہ سکتا ہے......؟

مگر ماممتا اندھی ہوتی ہے نا؟......

رملی کو کروٹ بدلنے سے تکلیف ہوتی تھی۔ اس لئے اس نے صرف سر موڑ لیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

عورت کیا کچھ قربان کر دیتی ہے......

بیج بھی اور سپنے بھی...... پھر بھی بچہ اس کا نہیں ہوتا۔ ہر بچے پر باپ کی چھاپ ہوتی ہے! پتہ نہیں جو بچے خوابوں سے سینچے جاتے ہیں وہ خواب پورے کرتے ہیں یا نہیں۔

تمہاری کروٹ بدل دوں آ کے دو جی......

اسے اپنی پشت سے بے جی کی آواز آئی۔

رملی سیدھی ہو گئی۔ دو چار آنسو بہا کے اب اس کا دل ہلکا ہو گیا تھا۔ اس نے گردن بے جی کی جانب گھمائی......

وہ بڑے مزے سے بچے کو زانو پہ لیے اپنے ململ کے دوپٹے سے ڈھکے یوں بیٹھی تھیں جیسے کوئی سادھو دھونی رمائے آسن جمائے کوئی جاپ کر رہا ہو۔

ان کے چہرے پر اطمینان کا نور تھا اور ذرا بھی تو تھکاوٹ کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔

رملی کا دل چاہا...... وہ بے جی سے پوچھے کیا بچہ آپ کی گود میں سو گیا ہے......؟

کیا آپ بچے کو اپنی گود سے مانوس کر لیں گی؟ مگر اس نے کچھ نہیں کہا۔ صرف ان کی بات کے جواب میں کہا۔

میں اسی طرح ٹھیک ہوں بے جی۔ ابھی کروٹ بدلنے کو جی نہیں چاہ رہا۔

بے جی نے دوپٹہ ہٹا کے بچے کو جھانکا......

جس طرح ندیدہ بچہ کوئی کھانے کی چیز دیکھتا ہے۔ پھر رملی کی طرف دیکھا۔ اور کہنے لگیں......

میں جب اسکول میں پڑھتی تھی نا؟......

پھر ایک دم اپنی ہی بات کاٹ کر بولیں اب تم کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ اپنے آپ کو تعلیم یافتہ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ بس جیسے اسکول گاؤں میں ہمارے زمانے میں ہوتے تھے...... اس میں میری ماں نے مجھے بھی داخل کرا دیا تھا۔ اس زمانے میں لڑکیاں بمشکل پانچ چھ جماعتیں پڑھتی تھیں کہ ان کی شادی ہو جاتی

تھی۔ ہاں تو جب میں اردو پڑھنے لگ گئی تو ادھر ادھر سے کتابیں مانگ کر پڑھا کرتی تھی۔ ایک بار میرے ابا نے مجھے ایک کتاب لا کر دی جس میں جنگ بدر کا واقعہ درج تھا۔ اس میں دو جوان بھائیوں کا ذکر تھا جو یہ تہیہ کر کے آئے تھے کہ اسلام کے سب سے بڑے دشمن ابوجہل کا خاتمہ کر کے رہیں گے۔

وہ بے جگری سے جان ہتھیلی پر رکھ کر لڑتے رہے۔ انہیں ایک ہی جنون تھا کسی طرح ابوجہل کے قریب پہنچ جائیں۔ آخر ہنگامے کے دوران ان کی عقابی نظروں نے ابوجہل کا پتہ لگا لیا اور بجلی کی سی تیزی کے ساتھ جھپٹ کر اس کی طرف بڑھے۔ اور پے در پے حملے کر کے اسلام کے بڑے دشمن کا پر غرور سر قلم کرنے کی سعادت حاصل کی۔ ان کے جوش و خروش اور جذبہ ایمانی کا یہ عالم تھا کہ ابوجہل کے بیٹے نے ایک مجاہد کا بازو تلوار سے کاٹ دیا مگر ایک تسمہ لگا رہ گیا چونکہ یہ لٹکتا ہوا بازو لڑنے میں رکاوٹ پیدا کر رہا تھا۔ اس لئے اس صاحب ایمان بہادر نوجوان نے اسے الگ کر کے پھینک دیا اور اپنے ایک ہاتھ سے ہی جنگ جاری رکھی۔

جب میں یہ واقعہ پڑھا کرتی تو میرے اندر جوش و خروش کا ایک ولولہ جاگ اٹھتا اور میں سوچتی اے کاش میں بھی لڑکا ہوتی اور کسی جہاد میں شامل ہو سکتی۔

جانتی ہو ان خوش نصیب نوجوانوں کے کیا نام تھے۔ ایک کا نام معاذ تھا۔ دوسرے کا نام معوذ تھا۔ بس معوذ اور معاذ...... دونوں نام جیسے میرے دل میں گڑ کر رہ گئے۔ پتہ نہیں یہ کہانی ہمیشہ میرے ذہن میں کیوں محفوظ رہی۔ جب میری شادی ہوگئی تو میں سوچا کرتی تھی۔ میں اپنے بیٹوں کے نام معوذ اور معاذ رکھوں گی۔ اتفاق سے پہلے بیٹی ہوگئی۔ پھر دوسرا بیٹا پیدا ہوا۔ تو میں نے جھٹ اس کا نام معاذ رکھ دیا۔ ایاز صاحب میری اس خواہش کا بہت احترام کرتے تھے۔ ایک دن بھی انہوں نے اعتراض نہیں کیا...... لیکن صد افسوس...... وہ تھوڑی دیر کے لئے چپ ہو گئیں......

جیسے یادوں کے سمندر میں غوطہ زن ہوں۔

پھر سر اٹھا کر بولیں۔

ایاز صاحب کے انتقال کے بعد میں نے سوچ لیا تھا۔ معاذ کے بیٹے کا نام معوذ رکھ دوں گی......

ان کے کہنے سے پہلے یہ بات رملی کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ کتنی خوبصورتی سے بے جی نے اپنی خواہش بیان کر دی تھی۔ اور رملی میں اتنی ہمت کب تھی کہ ان کی خواہش کی نفی کرتی اول تو وہ رملی پر جان دیتی تھیں۔ بالفرض ایسا نہ بھی ہوتا تو معاذ کی خاطر اسے ایسا کرنا پڑتا۔ معاذ اپنی ماں کی خوشی کو ہر حال میں مقدم جانتا تھا۔

لیکن اصل بات یہ تھی کہ رملی نے کبھی اپنے بچے کے نام کے بارے میں سوچا ہی نہیں تھا۔ وہ تو اس کی صورت ذہن میں نہیں لاتی تھی۔ بھلا اسے نام سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ حالانکہ نو بیاہتا لڑکیاں چن چن کر افسانوی اور رومانوی نام رکھتی ہیں۔ مگر وہ پورے نو مہینے اپنے دل میں پڑے بے نام دکھوں کی گرد ہی جھاڑتی رہ گئی تھی۔ اس لئے نام کی طرف اس کا دھیان ہی نہیں گیا تھا۔

رملی نے چونک کر دیکھا۔ بے جی اس کی طرف عجیب ملتجی نظروں سے دیکھ رہی تھیں وہ سمجھ رہی تھیں شاید رملی کو نام پسند نہیں آیا۔ اس لئے اپنے طور پر کوئی اور نام

تجویز کر چھوڑا ہے۔رملی کو اپنی غلطی کا فوراً احساس ہو گیا۔اس لئے لہجہ خوشگوار بنا کے بولی۔

بے جی......معوذ بڑا خوبصورت نام ہے اور مجھے بھی پسند آیا ہے۔

اللہ تجھے خوش رکھے۔سدا سہاگن رکھے۔دنیا کی سب خوشیاں دے تجھے...... بزرگوں کا دل رکھنے والوں کو اللہ دنیا میں بڑا عزت و احترام دیتا ہے۔دیکھنا تجھے بہت بخت لگے گا......بہت پھلے پھولے گی تو......میرے روئیں روئیں سے تیرے لئے دعا نکلتی ہے......

رملی نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔آنکھوں پر کرب کے بادل چھا گئے تھے۔بے جی آپ کی دعائیں میری تقدیر تو نہیں بدل سکتیں......آپ کا بیٹا تو نہیں بدل سکتیں......

میں نیا جیون تو نہیں لا سکتی......

میں تجھے یخنی پلا دوں وو ہٹی......بے جی نے اٹھ کے بچے کو اس کی کھاٹ میں لٹا دیا۔

اور تھوڑی دیر بسم اللہ......بسم اللہ کر کے اسے تھپکتی رہیں۔

پھر جالی والا رومال کاٹ کے اوپر ڈال دیا۔پیالے میں یخنی انڈیل کر لائیں اور کہنے لگیں۔

ووہٹی......یہ یخنی پی لے۔اور ذرا منہ ٹھیک کر کے سر پر دوپٹہ اوڑھ لے۔حافظ صاحب آتے ہوں گے۔

کون حافظ صاحب بے جی......!

بیٹی یہ ہمارے گاؤں کے حافظ صاحب ہیں۔بہت ضعیف ہیں۔انہوں نے معاذ کے کان میں اذان دی تھی۔اللہ بخشے میری ساس بتاتی تھیں کہ معاذ کے ابا جی کے کان میں بھی انہوں نے ہی اذان دی تھی اب تو سے سال کے ہو گئے ہیں۔مسجد کے امام رہے ہیں ساری عمر......بڑے باعمل اور باکردار عالم ہیں۔اب جب کہ یہ زندہ ہیں تو میں نے سوچا معاذ کے بیٹے کے کان میں بھی انہی سے اذان دلوا دوں۔کل شام میں نے معاذ کو گاؤں بھیجا تھا تاکہ بہت آرام سے انہیں اپنی موٹر میں لے آئے۔بس ابھی وہ لوگ آتے ہوں گے۔

بیٹی میرا یہ تجربہ ہے کہ بچے کے کان میں جس شخص کی پہلی آواز جائے وہ انتہائی دین دار اور مومن آدمی ہو تو پوری زندگی ان الفاظ کا بچے کے کردار پر اثر رہتا ہے۔

بے جی......مگر بچے کو پیدا ہوئے تو آج دوسرا دن ہے اور وہ کئی آوازیں سن چکا ہے۔

ہاں......بے جی نے برا سا منہ بنایا۔

بس مشنری ہسپتالوں کی یہی قباحت ہے۔اپنے نغمات تو ہر صبح سننے پر مجبور کرتے ہیں مگر فوراً مولوی نہیں آ سکتا......ہم کیا کریں بیٹی ......زمانے کے اپنے حالات

For more visit (exponovels.com)

ہوتے ہیں۔

ابھی وہ دونوں اس فلسفے پر گفتگو کر رہی تھیں کہ باہر گھنٹی ہوئی اور پھر معاذ ایک سفید ریش سفید بھنوؤں والے ایک نحیف ونزار بزرگ کو لیکر اندر داخل ہوا۔

بے جی کھڑی ہو گئیں۔ حافظ صاحب کو کرسی پیش کی۔ معاذ کے ہاتھوں میں ایک مٹھائی کا ڈبہ تھا۔ جو اس نے بے جی کو یہ کہہ کر پکڑا دیا کہ آپ کے لئے حافظ صاحب لائے ہیں۔

بے جی بچے کو اٹھا لائیں...... حافظ صاحب نے کانپتے ہاتھوں پر اسے تھام لیا...... مسکرا کر اس کو دیکھا۔ دم کر کے پھونک ماری پھر اس کے دائیں کان میں پہلے اذان دی۔

اللہ اکبر کی پہلی آواز سن کر بچہ ڈر گیا...... ہاتھوں کی مٹھیاں کھل گئیں...... اور پورا کا پورا جھنجھنا اٹھا ہلکی...... ہلکی سی چیخ ماری اور پھر کسمسانے لگا۔

واقعی اللہ اکبر کی آواز انسان کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہے...... ایک نومولود بھی اس کے اثر سے غافل نہیں ہے۔ رملی نے دل میں سوچا۔

باری باری دونوں کانوں میں اذان دیکر حافظ صاحب نے بچہ بے جی کی گود میں دے دیا۔

حافظ صاحب میری بہو کو بھی دم کر دیں۔

بے جی نے رملی کو ذرا اونچا کر کے بٹھا دیا تھا۔

حافظ صاحب اس کے قریب آئے۔ سر پر ہاتھ رکھا اور آنکھیں بند کر کے دم کرنے لگے۔

رملی کی آنکھوں میں پھر گرم گرم پانی اکٹھا ہونے لگا۔

پتہ نہیں دل میں اتنا سوز کہاں سے آ گیا تھا۔

جو بات منہ سے نہیں نکلتی تھی وہ آنکھوں سے نکلنے کو بیقرار رہتی تھی اور معاذ بڑے غور سے اور بڑے دلار سے رملی کے زرد ہلدی جیسے چہرے اور کانپتے لرزتے نیلے ہونٹوں کو دیکھ رہا تھا۔

دستور کے مطابق ہسپتال سے رملی اپنی ماں کے گھر آ گئی تھی...... معوذ ایک مہینے کا ہو گیا تھا اور اس نے اپنے آپ کو اس کے چھوٹے چھوٹے کاموں میں مگن بھی کر لیا تھا۔ اس روز رملی کو معوذ کے لئے کچھ چیزوں کی خریداری کرنا تھی۔

معوذ کو نہلا دھلا کر سلا دیا۔ پھر ہاتھ منہ دھو کر کپڑے بدلے اور اپنے لمبے بالوں پر کنگھی کر کے انہیں کھلا چھوڑ دیا۔ پھر پرس پکڑ کے باہر آ گئی اور امی جان سے کہنے لگی۔

امی میں ذرا بازار جا رہی ہوں۔

امی نے مڑ کر دیکھا اور بولیں۔

شام کو تیرے ابا آتے تو ان کے ساتھ چلی جاتی۔

امی جی..... کئی دنوں سے تو ابا جی کے جلدی آنے کا انتظار کر رہی ہوں۔ مگر وہ رات کو اتنی دیر سے آتے ہی کہ میں جا نہیں سکتی۔ معاذ کی ضرورت کی سب چیزیں ختم ہو گئی ہیں کل ایک فیڈر بھی ٹوٹ گئی ہے۔ مجھے بھی اپنی کچھ چیزیں لانا ہیں۔ بس یہ سامنے والے سٹور پر جاؤں گی جو کچھ یہاں سے مل سکا لے آؤں گی۔ باقی چیزیں پھر ابا جی کے ساتھ جا کر لے لوں گی۔

ٹھیک ہے۔ امی نے دوبارہ عینک لگائی اور اخبار کا اندر والا حصہ اپنے آگے پھیلا لیا۔

خانساماں کو ساتھ لیتی جاؤ......

نہیں امی۔ رملی بولی......

دو قدم پر تو اسٹور ہے۔ وہ بیچارہ کوئی کام کر رہا ہوگا اور پھر کون سا میں پہلی مرتبہ جا رہی ہوں۔

جاری ہے...

For more visit (exponovels.com)

exponovels

رملی کی امی کا گھر چھوٹی سڑک پر تھا۔ لیکن جونہی چھوٹی سڑک سے نکل کر سامنے مین روڈ پر جائیں تو وہاں ایک بڑا جنرل سٹور تھا۔ بلکہ اب وہ ڈیپارٹمنٹل اسٹور بن گیا تھا۔ اس کالونی کے لوگ یہیں سے خریداری کرتے تھے۔ چھوٹی سڑک کے اختتام پر ٹھنڈی بوتلوں کا ایک سٹال بھی تھا۔ اس لئے یہ سڑک بڑی بارونق تھی۔

شادی سے پہلے رملی اکثر اسی سٹور سے شاپنگ کیا کرتی تھی۔ بلکہ چھوٹی موٹی خریداری کے لئے دن میں ایک بار ضرور یہاں جاتی تھی اور کبھی کبھی جب گھر میں کوئی بہن یا بھابی آئی ہوتی تو...... اسے بار بار کچھ لانے کو بھیجا جاتا...... بازار میں خریداری کرنا رملی کو بہت پسند تھا۔ مگر جب سے شادی ہوئی تھی۔ وہ نہ تو قرینے سے میکے آ کر رہی اور نہ اپنے دل پسند اسٹور پر خریداری کے لئے جا سکی۔ اب کئی دنوں سے وہ بازار جانا چاہ رہی تھی۔ معاذ بھی یہاں نہیں تھا۔ وہ پچھلے ہفتے دفتری کام سے کراچی چلا گیا تھا۔ آج مجبور ہو کر وہ تیار ہو گئی۔ پھر اپنا پرس جھلاتی باہر نکل آئی۔ سڑک اسی طرح مصروف تھی...... اپنی شادی کی شاپنگ کرتے ہوئے وہ ہزاروں بار اس سڑک پر سے مختلف جذبات کے ساتھ گزری تھی۔ مگر آج جب اسی سڑک پر چلی جا رہی تھی تو قدم بہت سُست تھے۔ ان میں نہ وہ خود اعتادی تھی اور نہ جوانی کا وہ غرور تھا۔ کتنی عجیب بات ہے۔ اس نے سوچا وہ ایک سال کے اندر اندر بچے کی ماں بن گئی تھی۔ مگر اس کے ذہن نے ابھی تک اس کی شادی کو ہی قبول نہیں کیا تھا۔

اب وہ سڑک پر اس طرح سے جا رہی تھی جیسے مفلوک الحال ہے۔ کل تک جو خزانہ اس نے چھپایا ہوا تھا۔ بے دردڈاکو لوٹ کر لے گئے ہیں۔ اپنے خالی ہونے کا احساس اسے پہلے بھی کئی بار ہوا تھا اور اب اپنی چال کے نمایاں فرق کو وہ صاف محسوس کر رہی تھی۔

چھوٹی سڑک کے آخری کونے پر رک کر اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ مین روڈ پر کوئی ٹریفک نہیں تھی۔ اس نے سڑک پار کر لی اور اسٹور کی طرف بڑھی تو ماچس کی ایک جلتی ہوئی تیلی عین اس کی قمیض کے اگلے حصے پر آ گری۔ ڈر کر وہ ایک قدم پیچھے ہوئی۔ قمیض کو غور سے دیکھا پھر غصے بھری نظر اٹھا کر اس موٹر کی طرف دیکھا جس میں سے تیلی آئی تھی۔

وہاں اسٹیئرنگ پر ایک نوجوان بیٹھا ہوا تھا۔ نوجوان کے منہ میں سگار تھا اور دوسرے ہاتھ میں ماچس تھی۔ سگار کو سلگا کے اس نے بے خیالی میں تیلی اس طرح پھینکی تھی۔ کہ تیز آتی ہوئی رملی کی قمیض کے دامن پر گری جا کر...... یہ تو اچھا ہوا کہ قمیض کو لگتے ہی تیلی ہوا سے بجھ گئی۔ ورنہ اس کا دامن جل جاتا......

جب رملی نے ملامت بھری نظروں سے دیکھا تو وہ ایک دم دروازہ کھول کر باہر نکل آیا اور سر تا پا معذرت بن گیا...... اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے انکساری کی تصویر بن گیا...... بڑے نرم اور رقت آمیز لہجے میں بولا۔

میں معافی چاہتا ہوں غلطی سراسر میری ہے۔ مجھے دیکھ لینا چاہئے تھا اور پھر مجھے حق نہیں پہنچتا کہ میں سڑک پر اس طرح تیلیاں پھینکوں...... سڑک راہگیروں کے لئے ہوتی ہے...... میں...... میں بہت شرمندہ ہوں......!

For more visit (exponovels.com)

پلیز......!

بس......شاید وہ ہاتھ جوڑنے والا تھا یا اس کے احساس ندامت نے ہاتھ جوڑ ہی لئے تھے۔

رملی تو اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہ گئی۔

چمکتی ہوئی شیشے کی گولیوں کی طرح متحرک اور بے چین آنکھیں۔اتنی صاف جتنا آسمان......کہیں کہیں شفق رنگ ڈورے۔

کتنا خوبصورت آدمی ہے......؟ رملی نے سوچا۔

جی......کہیں آگ تو نہیں لگی......اس نے جھک کر رملی کی ہلکے کاسنی رنگ کی قمیض اس طرح دیکھی جیسے سونگھ رہا ہو۔پھر یوں کھڑا ہو گیا جیسے اس کی خوشبو کا گھونٹ بھر لیا ہو۔

اللہ کا شکر ہے آپ کو آگ نہیں لگی۔

تو تم مجھے آگ لگانا چاہتے تھے......رملی نے گھور کر اس کی طرف دیکھا۔

میں معافی چاہتا ہوں۔پلیز معاف کر دیں۔

وہ بہت قریب کھڑا تھا۔اس چمکیلی صبح میں وہ بہت تر و تازہ لگ رہا تھا......اس کے صحت مند چہرے پر لالیاں ابھری ہوئی تھیں......بس رملی کی آنکھوں کے آگے اس کا چہرہ چھا گیا اور پھر رملی بل کھا کر سٹور کے اندر چلی گئی اور اس نے منہ سے کچھ بھی نہیں کہا......

وہ کچھ کہنے کے قابل نہیں تھی۔جب وہ تھکاوٹ سے نیم جان ہو رہی تھی اور اپنا زادِ راہ لٹا چکی تھی۔اچانک اسے اپنے خوابوں میں شہزادہ نظر آ گیا تھا۔ایسا ہی ایک آدمی اس کے ذہن میں رہا کرتا تھا۔سلگتا ہوا، آنکھوں میں شیشے کی گولیاں سجائے......دور مار میزائل کی طرح خفیہ ٹھکانوں کو پھونکتا ہوا۔

اسٹور کے اندر جا کر بھی کافی دیر تک اس کی اتھل پتھل سانس ٹھیک نہ ہو سکی۔جلدی میں وہ غلط کاؤنٹر پر کھڑی ہو گئی اور جب سلزمین نے آ کر فرمایئے کہا تب اسے خیال آیا کہ اسے باورچی خانے کا سودا سلف نہیں لینا تھا وہ مڑی اور مڑ کر اسٹور کے دوسرے حصے میں چلی گئی۔

اس وقت اسٹور میں کافی خواتین شاپنگ کر رہی تھیں۔اس نے کسی کی طرف غور نہیں کیا۔اپنی شوریدہ سر امنگوں کی آواز سے بچنے کے لئے جلدی سے پرس کھول کر کاغذ نکالا جس پر چیزوں کی فہرست لکھی ہوئی تھی اور پھر آہستہ آہستہ اسے آرڈر دینے لگی۔

آرڈر نہیں دینے لگی بلکہ اپنے آپ کو برا بھلا کہنے لگی۔

دوکاندار ساری چیزیں نکال نکال کر کاؤنٹر پر رکھتا گیا۔نیل، بوتلیں، نیپکن......کرائیے واٹر......صابن، لوشن

وہ اپنی مرضی کی چیزیں چن کر الگ رکھتی گئی......اور جب دو کا مدار بل بنا رہا تھا اور وہ شوکیس میں پڑی ہوئی چیزوں پر نظر دوڑا رہی تھی تا کہ کچھ اور یاد آ جائے تو لے لے......اسی وقت ایک سایہ اس کے پیچھے لہرایا۔

مڑ کر دیکھا......تو وہی کھڑا تھا۔بالکل قریب۔

اف اگر وہ ڈگمگاتی تو اس سے ٹکرا جاتی۔

کیا اسے اپنی وجاہت کا احساس ہے۔

جب وہ سیلز مین سے کسی شے کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔رملی نے بغور اس کا جائزہ لیا۔درمیانے قد کے ساتھ اس کے بہت ہی متناسب اعضاء تھے۔پینٹ اور ٹی شرٹ میں بہت ہی کم عمر لگ رہا تھا۔ہونٹوں کے اوپر بڑی طرح دار مونچھیں تھیں جس سے اس کی شخصیت نکھر گئی تھی وہ ان بہت کم خوش نصیب لوگوں میں سے تھا۔جن کے چہرے پر مونچھیں اجالا بکھیرے دیتی ہیں اس کی گردن میں ایک خاص بات تھی اور وہ بے تحاشا سگار پی رہا تھا......سگار کا دھواں خارج کرتے وقت وہ آنکھیں ذرا سی سکوڑ لیتا اور بڑے مزے سے اسے اپنا جلوہ دکھا کے وہ باہر نکل گیا......بچے کی خوبصورت اور پیاری پیاری چیزیں جو پھولوں کی طرح آس پاس بکھری ہوئی تھیں رملی سے میلوں دور چلی گئیں......اس نے کاؤنٹر پر جا کر بل ادا کیا......اپنا تھیلا اٹھایا اور جب مڑنے لگی تو ایک فیشن ایبل خاتون سے ٹکرا گئی......

ارے رملی......؟

اس فیشن ایبل خاتون کے منہ سے اپنا نام سن کر اس نے سر اٹھایا اور اس کی طرف غور سے دیکھا......

جیدہ تو......؟

پھر دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئیں......

خیریت اسی میں تھی کہ وہ کاؤنٹر سے دور ہو جائیں۔لوگ انہیں کافی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔

جیدہ رملی کی کلاس فیلو تھی۔دونوں اسکول سے اکٹھی کالج آئی تھیں۔لیکن فرسٹ ائیر کا امتحان دینے کی بجائے جیدہ نے شادی کر لی تھی۔ان دنوں اس کا رومانس کالج میں بہت مشہور ہوا تھا۔بلکہ وہ عشق میں نیم پاگل نظر آتی تھی۔پھر سنا کہ اس کی شادی ہو گئی اور شادی کے کافی عرصہ بعد کسی نے بتایا کہ وہ اپنے شوہر کے ہمراہ انگلینڈ چلی گئی ہے۔

اور پھر آج اتنے عرصے بعد اسے دیکھ کر اس سے مل کر رملی کو عجیب طرح کی خوشی محسوس ہوئی۔

اف کتنے عرصے بعد ملے ہیں ہم......امید نہیں تھی میں کبھی تمہیں دیکھوں گی......؟

exponovels

For more visit (exponovels.com)

اچھا یہ بتا تیری شادی ہوئی ہے کہ نہیں؟ بس ویسی ہی لگ رہی ہے...... ہاں تھوڑی سی موٹی ہوگئی ہے۔

رملی سوگواری سے ہنسی...... معاذ کا چہرہ اس کے سامنے آ گیا۔ وہ کوئی جواب نہ دے پائی......

تو سنا...... کوئی بچہ بھی ہے......؟

نہیں...... جیدہ اداسی سے بولی۔

پاکستان کب آئی ہو؟

اب تو عرصہ دراز ہوگیا۔

مگر تو اپنے بارے میں بات گول کر رہی ہے۔ ہے کچھ دال میں کالا......

جیدہ نے اس کے ہاتھ میں پکڑا ہو تھیلا دیکھا...... پھر ذرا سامنہ کھول کر اندر جھانکا۔

ارے یہ تو بچے کی چیزیں ہیں...... بتا بتا...... بتاتی کیوں نہیں۔

تیرے بچہ ہوا ہے......؟

رملی پھیکی سی ہنسی ہنس پڑی اور سر کے اشارے سے اثبات میں جواب دیا۔

کب...... کہاں......

کب ہوئی تیری شادی......؟

اب ساری باتیں اسٹور کے اندر ہی پوچھے گی؟

تو اور کہاں پوچھوں......؟

اچھا تو یہ بتا کہاں رہتی ہے آجکل......؟ رملی نے پوچھا۔

یہیں ماڈل ٹاؤن میں......!

نمبر بتا......

بھئی یہ سامنے والی سڑک ہے نا؟ اس کے آخر میں......776 نمبر کی کوٹھی ہے نا اس کی انیکسی میں آئے ہیں۔

غضب خدا کا...... اور مجھے پتہ ہی نہیں۔ رملی بولی۔

exponovels

For more visit (exponovels.com)

کیوں......کیا تو ان لوگوں کو جانتی ہے......؟

جانتی کی بچی وہ میرے والدین کا گھر ہے اور آجکل میں وہیں آئی ہوئی ہوں۔

سچی......؟

جیدہ نے خوشی سے دمکتے ہوئے کہا۔

مگر میں نے تو تجھے وہاں کبھی نہیں دیکھا۔

کتنے دنوں سے وہاں ہے......؟

چھ مہینے سے۔

مجھے یاد ہے امی نے ایک بار مجھے بتایا تھا کہ یہ کرائے دار بڑے اچھے ہیں۔ایک نوجوان جوڑا ہے......مگر میں نے کبھی غور ہی نہیں کیا تھا۔تجھے معلوم ہے پیا پچھلے سال بڑے بھائی جان نے بنوائی تھی ان دنوں بھائی جان کا ارادہ بال بچوں کو لے کر پاکستان آنے کا تھا۔مگر اب بھابی نے انکار کر دیا۔کہتی ہیں کہ دو سال بعد آؤں گی تو اباجی نے کہا تھا۔گھر خالی رکھنے سے بہتر ہے کرائے پر دے دیا جائے۔پتہ ہے تم پہلے کرائے دار ہو......اور میرا خیال ہے تم گھومنے پھرنے کے شوقین ہو۔اس لئے میں نے تم کو کبھی گھر کے باہر نہیں دیکھا۔

اصل میں ہمارا گیٹ بھی دوسری طرف ہے اور پھر تم ٹھیک کہتی ہو۔ہم دونوں گھومنے پھرنے کے بہت شوقین ہیں۔بچے تو ہے نہیں وہ افسردگی سے بولی......تو کیا کریں اپنے آپ کو مصروف رکھتے ہیں۔

رملی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس بات کا کیا جواب دے......

جیدہ بولی۔

آ تجھے اپنے میاں سے ملاؤں۔باہر بیٹھے ہیں۔

جیدہ نے پہلے بل ادا کیا سودے کی ٹوکری اٹھائی اور پھر دونوں آگے پیچھے باہر نکل آئیں۔

جیدہ کو دیکھتے ہی وہی آدمی موٹر سے باہر نکل آیا......

اسی وقت ایک کانٹا سا رملی کے دل میں چبھا......اور ایک زردی بدلی اس کے چہرے پر چھا گئی......بس ذرا کی ذرا......

پھر وہ اپنے آپ میں لوٹ آئی۔بلکہ انتہائی سنگدل فقرے کے لئے اپنے آپ کو تیار کر لیا۔

exponovels

یہ میرے شوہر ہیں۔

یہ......!

یہ......!

یہ......یہ میرے شوہر ہیں۔

شوہر ہیں......شوہر ہیں......شوہر ہیں۔

سڑک کی گرد اڑ کر رملی کا مذاق اڑانے لگی تو کسی کی بیوی ہے۔یہ کسی کا شوہر ہے۔اس دنیا میں یہی ہوتا رہتا ہے۔

رملی نے ایک زبردستی کی مسکراہٹ اپنے ہونٹوں پر سجائی اور اسے سلام کیا۔

یاور یہ میری بچپن کی دوست ہے رملی......

یاور......یاور......یاور......

رملی نے پلکوں سے یہ نام چنا......

یاور نے بڑے دلکش انداز میں اسے ہاتھ سے سلام کیا۔جس ہاتھ کی دو انگلیوں میں ولایتی سگار پکڑا ہوا تھا۔

مسکرایا......جیسے کسی نے قندھاری انار چھیل دیا ہو اور پھر بولا۔

میں تو انہیں ابھی آگ لگانے والا تھا۔

(اور جیسے تم نے مجھے پھونک کے نہیں رکھ دیا)

اچھا......جیدہ نے اپنے اسی پرانے انداز میں قہقہہ لگایا۔

یاور! پلیز اب بس کرو۔یہ آگ لگانے والا کھیل بند کرو۔

یاور نے ٹوکری جیدہ کے ہاتھ سے پکڑ لی۔ڈکی کھولی اور اس میں رکھ دی۔پھر واپس آ گیا اور اسی بے پروا انداز میں بولا۔

یہ تو بہت محتاط معلوم ہوتی ہیں۔انہوں نے اپنے دامن کو آگ ہی نہیں لگنے دی

دل......دل......دل......

رملی کے نتھنے پھڑکنے لگے۔

For more visit (exponovels.com)

(دل میں بھرلی آگ جس سے دامن کو بچایا)

رملی نے نظریں جھکالیں۔

اور یاور مزے لے لے کراسے تیلی پھینکنے اور رملی کے برہم ہو کر گھورنے کا قصہ سنانے لگا۔

جس طرح یہ گھور کر اندر چلی گئی تھیں۔میں سمجھا غالباً یہ خاتون گونگی ہیں۔

اور اس کی تصدیق کرنے تم اندر چلے آئے۔

ویسے فی زمانہ خوبصورت عورت کی یہ ایک ایکسٹرا کوالیفکیشن ہے کہ وہ گونگی ہو......

یاور......یاور......جیدہ مچلنے لگی۔

بس اب تم پھر عورتوں کو تاڑنے لگے۔

بھئی کسی بہانے سے تو یہ بولیں گی۔میں نے تو ان کی آواز ہی نہیں سنی

اچھا رملی۔جیدہ نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

انشاءاللہ آج شام تم سے ملاقات ہوگی......ہم دونوں آئیں گے تمہارے بچے اور شوہر کو دیکھنے......

اسی وقت رملی نے نگاہ اٹھا کر دیکھا۔یاور کے چہرے پر سایہ سالہرایا......ایسا سایہ جو رملی کے دل پر لہرایا تھا۔یہ دلوں کے سائے چہروں پر کیوں آجاتے ہیں؟

رملی گھر پہنچی تو اس کا چہرہ بجھا بجھا تھا۔ایک مہینے میں اس نے اپنی زندگی کا دھارا موڑ لیا تھا اور ایک نئی ڈگر پر چل پڑی تھی۔اپنے آپ کو زندگی کے حوالے کر دیا تھا۔

آج پھر طبیعت اکھڑ گئی تھی اور قدم ڈگمگائے جاتے تھے......پھر محرومیوں کے ناگ سرسرانے لگے تھے......پھر تن من کو پھونکنے والی آندھیاں اٹھ رہی تھیں۔

جلدی جلدی قدم اٹھا کر پہنچی......

تو معوذ نے رو رو کر سارے گھر کو سر پر اٹھا رکھا تھا......اوہ......وہ تو بھول ہی گئی تھی کہ بچے کو گھر پر سلا کر گئی ہے......

بچے کو بھول جانا ممتا کی ریت نہیں......نزع میں بھی ماں بچے کو یاد رکھتی ہے......ہاں......لیکن راستے سے بھٹک جائے تو بچہ ذہن سے محو ہو جاتا ہے......

رملی نے تھیلا میز پر رکھا اور لپک کر معوذ کو پکڑ لیا۔

ننھی سی چیز رو رو کر نیم جان اور ہلکان ہو رہی تھی۔ہاتھ اور ہونٹ نیلے ہو رہے تھے اور سارا جسم سرخ ہو گیا تھا۔

اس کو کیا ہوا ہے امی......؟

For more visit (exponovels.com)

رملی نے گھبرا کر اپنی امی کی طرف دیکھا۔

کچھ نہیں زیادہ رونے سے بچے پر تشنج کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے...... پہلے اسے چپ کراؤ تمہاری گود کی خوشبو ملے گی تو چپ ہو جائے گا۔ چپ کرا کے اسے اپنا دودھ پلاؤ۔ پہلی دفعہ چھوڑ کر گئی ہو۔ بچے بہت حساس ہوتے ہیں۔ سب جان جاتے ہیں......

رملی نے اناڑی پن سے معوذ کو سینے سے لپٹایا...... ہلایا جلایا...... چمکارا پیار کیا...... تب اس کے جسم کا تشنج رفتہ رفتہ کم ہوا...... رو رو کر اس کے ہونٹ خشک ہو رہے تھے۔

امی جان نے بتایا کہ تمہارے جاتے ہی اٹھ گیا تھا۔ پہلے تو ٹھیک ٹھاک کھیلتا رہا پھر میں نے بوتل سے پانی بھی پلایا...... پھر نہ جانے کیا ہوا۔ ایک دم مچل اٹھا۔ ہاتھوں سے نکلنے لگا میں تو سچ مچ گھبرا گئی۔ بھئی بڑا من موجی بچہ ہے۔

اب دیکھو تمہارے سینے سے لگتے ہی چپ ہو گیا...... توبہ توبہ...... نہ چھوڑ کے جایا کرو اسے۔

میں تو بابا اسے موجی ہی کہا کروں گی۔

رملی نے معوذ کو سینے سے لگایا اور اپنے کمرے میں آ گئی۔ اسے اپنے دیر لگانے پر ندامت سی محسوس ہونے لگی۔

اف اتنی معصوم جان تڑپتی رہی...... اور وہ سرابوں میں الجھ گئی۔

بستر پر بیٹھتے ہی رملی نے معوذ کو زانو پر لٹا لیا اور زانو پر لیٹتے ہی معوذ نے اپنا چہرہ بائیں طرف موڑ لیا اس کا چہرہ خود بخود بائیں طرف مڑ گیا...... اس کے نتھنوں میں مقدس دودھ کی خوشبو پہنچ گئی تھی۔ رملی نے دیکھا اس کی قمیض گیلی ہو رہی تھی......

یہ تعلق کیا ہے......؟

اس نے دل میں سوچا۔

طلب ہے...... چاہ ہے...... یا ضرورت۔

بچے کو بھوک لگتی ہے تو دودھ چھاتیوں میں سرسرانے لگتا ہے۔

بچہ چیخ کر روتا ہے۔ ماں کی قمیض گیلی ہو جاتی ہے۔

یہ تحفے تو آسمانوں سے اترتے ہیں۔ یہ کسی سائنس کی ایجاد نہیں۔

یہ پیمانے قدرت کے ہیں......

exponovels

انہیں قدرت ہی چھلکاتی ہے......!

کیا خدا کو جاننے کے لئے اتنا کافی نہیں......!

نازک نازک......معصوم......نرم و گداز......مطہر اور بے ریا ہونٹوں کی خفیف سی جنبش دودھ کی دھاریں کھول دیتی ہے......!

معوذ کو دودھ پلانے سے رملی کو ایک درد آمیز سکون اور آسودگی سی محسوس ہونے لگی۔ وہ غور سے اس کی بند آنکھوں کو دیکھنے لگی۔ بند آنکھیں جو اپنی ماں کو اچھی طرح دیکھ سکتی تھیں......اس وقت پوری کائنات ان بند آنکھوں کے حلقے میں تھی۔

بچے کے چہرے پر طمانیت کا نور تھا......

وہ اس وقت اپنے سب سے قیمتی تخت پر بیٹھا تھا......

وہ دنیا کا سب سے امیر انسان تھا......

یہ ماں کی حقیری گود......اس کی حسین کائنات تھی......

رملی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے......

اس نے دوسرے ہاتھ سے معوذ کی بند مٹھی پکڑ لی اور اسے اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔

معوذ میرے بچے......دنیا بڑی گندی جگہ ہے۔ مجھے بچا لینا......!

ان ہونٹوں کا صدقہ......میرے تن کا ایک ایک دکھ چھین لینا......مجھے بچا لینا......رملی باقاعدہ رونے لگی۔

وہ کیا جانتی تھی مامتا کیا بلا ہوتی ہے......!

یہ اس دن معلوم ہوا جس دن معوذ نے مقدس دھاروں کو پہلی مرتبہ اپنے ہونٹوں سے پیا......!

اور اس مرحلے سے آگہی بھی بے جی کی وجہ سے ہوئی۔

وہ بچے کو دودھ پلانے کے حق میں نہیں تھی......مگر بے جی نے ایک دن ہسپتال میں خوب لیکچر پلایا تھا۔

وہ بچی یہ تکلیف تو دو چار دن کی ہے۔ رفتہ رفتہ جب بچہ عادی ہو جائے گا تو تجھے دودھ پلانے میں سکون ملے گا۔ پگلی یہ قدرت کے خزانے ہوتے ہیں۔ ان کی نا قدری نہیں کرتے آج کل کی ماڈرن مائیں نہیں جانتیں کہ وہ بچے کو کس شے سے محروم کر دیتی ہیں۔ تبھی تو آج کل ماں اور بچے کا وہ رشتہ نہیں رہا۔ بچے بھی جوان ہوتے ہی پرے پرے ہو جاتے ہیں اور مائیں بھی انہیں ڈبے کے دودھ ڈال کے بے فکر ہو جاتی ہیں......اگر بچہ ماں کا دودھ پیتا ہو تو ستر بلاؤں

For more visit (exponovels.com)

سے محفوظ رہتا ہے اور پیٹ تو اس کا کبھی خراب ہوتا نہیں ......ڈھکی چھپی چیزوں میں برکت ہوتی ہے۔قدرت کا کوئی کام گہری مصلحت سے خالی نہیں ہوتا......اور پھر تم کونسی ملازمت پیشہ عورت ہو۔جو بچے کو ڈبے کا دودھ لگانا چاہتی ہو......میرا کہا مان جاؤ...... بعد میں پچھتانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا......!

شاباش......

بچے کو اللہ کی ایک اچھی نعمت سے محروم نہ کرو......

اور روتے روتے رملی نے سوچا...... بے جی نے کتنی صحیح بات بتائی تھی۔ بچے کو دودھ پلا کر اسے کتنا سکون ملتا ہے۔خود وہ دنیا کے اونچے مینار پر پہنچ جاتی ہے......اپنی ذات کے اندر خود اعتمادی کے کنوئیں نکلنے شروع ہو جاتے ہیں......اور دل ایک عجیب روحانی لذت سے سرشار ہوتا ہے......شاید یہی ماں اور بچے کا تعلق ہے۔

شاید دنیا میں اس سے خوبصورت اور کوئی نظارہ نہیں۔

اس نے اپنے آنسو صاف کر لیے......دیکھا تو معوذ گہری نیند سو گیا تھا۔

کتنی جلدی سو جاتا ہے بلا......!

اس نے محبت سے مسرور ہو کر سوچا...... ماں کا دل نہیں بھرتا اور بچہ سو بھی جاتا ہے۔اسے گود میں لیا تو ساری دنیا سے بے نیاز ہو گئی......اس نے معوذ کو دونوں ہاتھوں پر اٹھایا اور اپنی کھاٹ میں ڈال دیا۔اس کے سرخ ہونٹوں پر سفید دودھ کا ایک قطرہ رہ گیا تھا...... یہ قطرہ اسے روشن چاند کی طرح نظر آ رہا تھا۔جیسے یہ قطرہ اس کے سرخ خون کا دوسرا رنگ ہو......مگر اس نے ململ کا رومال اٹھایا اور آہستہ سے اس قطرے کو صاف کر دیا......معوذ نے موہوم سی جنبش کی......پھر سو گیا......

رملی آ کے بستر پہ لیٹ گئی......بالکل سیدھی......!

آنکھیں بند کیں......تو سڑکوں کی گرد اڑ کر ایک ہیولہ بنانے لگی......!

اف......

اس نے گھبرا کر کروٹ بدل لی۔

اس وقت اسے محفوظ ترین قلعہ صرف معوذ ہی نظر آ رہا تھا۔

exponovels

شام بھی ہوگئی...... جس طرح روز ہو جاتی ہے۔ مگر اس شام...... رملی کے اندر اضطرابی سی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ بظاہر اس نے اپنے دل سے کہا تھا۔ مجھے تو شام کا بالکل بھی انتظار نہیں ہے...... اونہہ......!

مگر بے خیالی میں میں نے اٹھ کر اپنا ایک خوبصورت پرنٹڈ سوٹ نکالا اور غسل خانے میں چلی گئی۔ کپڑے بدل کر آئینے کے آگے آ کر کھڑی ہوگئی۔ اپنا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد اسے محسوس ہوا کہ اس کا پیٹ ذرا سا نکل آیا ہے اور اس پیٹ کو فٹ ٹھیک کرنا ہے...... اپنی پرانی حالت پہ واپس جانا ہے...... پتلی نازک کمر کا دھیان رکھنا ہے......

مگر کیوں......؟

ویسے ہی۔ اس کے دل نے جواب دیا۔

آہستہ آہستہ اس نے میک اپ کیا۔ اپنی خوبصورت اور اداس آنکھوں کو مسکارے سے سنوارا...... لمبے چمکدار بالوں پر برش کر کے انہیں کھلا چھوڑ دیا۔ گھوم کے اپنے آپ کو آگے پیچھے سے دیکھا۔

ایسا کیوں کر رہی ہے......؟

ویسے ہی......!

کون آنے والا ہے......؟

کوئی نہیں...... کوئی نہیں......

سرسر کرتے بال ادھر ادھر بکھر کر اس کا مذاق اڑانے لگے۔

اونہہ۔

میں شادی شدہ عورت ہوں۔ مجھے سنگھار کرنے کا حق نہیں۔

ہے تو......

مگر اپنے شوہر کے لئے تو تو کبھی اس طرح بنی سنوری نہیں۔

بکو نہیں...... اس نے اپنے دل کو ڈانٹا......

خوشبو اٹھائی اور اپنے اوپر چھڑک لی۔

For more visit (exponovels.com)

exponovels

معوذ سو رہا تھا۔اس لئے وہ رسالہ لے کر لیٹ گئی۔

باہر بیل ہوئی چونک کر اٹھ بیٹھی......کافی دیر گذر گئی۔کوئی اس کے کمرے میں نہیں آیا......شرمندہ ہو کر پھر لیٹ گئی......دو صفحے پڑھے۔فون کی گھنٹی بجی......کان دروازے پر لگا دیئے۔کوئی اسے اطلاع دینے نہیں آیا......خجل سی ہو کر پھر کتاب پڑھنے لگی۔یہ کیا دیوانگی ہے۔

کیا تجھے کسی کا انتظار ہے۔

نہیں تو......؟

شرم کر اس طرح سج بن کر کس کا انتظار کر رہی ہے؟

یہ دل میں چراغ سے کیوں روشن ہو رہے ہیں......؟

دوسرے کے گھر کی روشنی ادھار مانگنا چاہتی ہے......ادھار کی روشنی سے کیا اپنا گھر منور ہو جاتا ہے......؟

ذرا سوچ......یاور تیری سہیلی کا شوہر ہے......؟

اپنی سہیلی کے شوہر کو بن ٹھن کے دکھانا کہاں کی شرافت ہے......؟

اچھا بھلا تو کیا چاہتی ہے......؟

اگر وہ تیرا اسیر بھی ہو جائے تو تجھے کیا فائدہ ہے......؟

کیا تو اس کے ساتھ اپنا شوہر بدل سکتی ہے......

کیا شوہر بھی خوش رنگ کپڑوں کی طرح ہے......کہ ادل بدل کر لیا جائے......

شرم......شرم......شرم......

گھبرا کر اس نے کتاب دور پھینک دی۔چوری پکڑی جائے تو آدمی پسینہ پسینہ ہو جاتا ہے......

توبہ......استغفراللہ......

وہ تو ایک بچے کی ماں ہے۔اس دنیا میں ایسی مائیں بھی ہیں۔جنہیں شوہروں نے ایک بچے کے بعد پلٹ کے نہ پوچھا۔مگر انہوں نے اس ایک بچے کے سہارے زندگی گذار دی......

عورت قناعت کی لاٹھی تھام لے......تو زندگی کے گھپ اندھیرے سے پار ہو نکل جاتی ہے۔

exponovels

میرے بچے......اس نے سوئے ہوئے معوذ کو دیکھا......تو دودھ کے سمندر میں ابال آ گیا......

میرے بچے تیری ماں گھٹیا اور کمینی نہیں ہے۔

کھڑی ہوگئی بچے کے دودھ کے برتن اٹھائے اور کچن میں چلی گئی۔ ہر روز کچن میں جا کر وہ خود اس کے برتن ابالتی تھی۔ نوکر پر بھروسہ نہیں کرتی تھی۔ برتن ابالنے کے دوران نوکروں کے ساتھ گپ شپ میں مصروف ہوگئی۔ بالوں کو لپیٹ کر پیچھے گولہ سا بنا لیا۔ دوپٹہ اتار کر دور پھینک دیا......اور بیسن پر کھڑی دھڑا دھڑ برش چلا رہی تھی۔ جب ملازم نے آ کر کہا۔

جی آپ کے وزیٹرز آئے ہیں۔

کون لوگ ہیں......؟ رملی نے گھبرا کر یوں پوچھا جیسے ابھی تھوڑی دیر پہلے اسے کسی کا انتظار نہیں تھا۔

جی ایک صاحب ہیں اور ایک بیگم صاحبہ ہیں۔

جاؤ انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ......

رملی نے ہاتھ دھو کر تولیے سے صاف کیے۔ دوپٹہ اٹھایا۔ سر کو جھٹک کر اپنے بال کھولے اور دل میں کہا۔ کاش آج یہ لوگ نہ آتے...... آ گئے ہیں تو کیا ہے۔ اس کے دل نے کہا......کیا تو اتنی کمزور اور چھلی ہے۔

نہیں میں تو اپنے حالات سے بہت مطمئن ہوں......بہت مگن ہوں۔

بہت......بہت......

خوش......خوش کہنے کا اسے حوصلہ نہ ہوا......

ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو جیدہ مسکرا کر کھڑی ہوگئی۔ ساتھ ہی یاور بھی کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں سگار تھا۔

اس نے سگار والی انگلیوں سے اسی طرح اسے سلام کیا اور پھر سب بیٹھ گئے۔

تمہارا بیٹا کہاں ہے......؟

جیدہ نے پوچھا۔

سو رہا ہے۔

کتنے دنوں کا ہے؟

exponovels

ابھی صرف ایک مہینے کا ہے......

رملی نے نظریں جھکا کر جواب دیا۔

کیا نام رکھا ہے......؟

معوذ......

تمہارا شوہر کہاں ہے......؟

کراچی گئے ہیں......

کب آئے گا......؟

بس دو چار دن میں آ جائیں گے......

اور تمہارے شوہر کا کیا نام ہے۔جیدہ نے پوچھا۔

معاذ......

واہ......کتنے انوکھے نام ہیں۔اب تک سنے نہیں۔اس کا مطلب ہے تمہارے شوہر کی شخصیت بھی بڑی انوکھی اور دلکش ہوگی......

ہاں......پھر وہ شوخی سے مسکرا کر بولی......!

تو خود بھی تو شروع دن سے بڑی انوکھی اور طرحدار تھی۔یاد ہے۔تیری انوکھی نرالی عادتوں کی وجہ سے ہم لوگ تجھے شہزادی مارگریٹ کہا کرتے تھے۔

رملی نے ہنس کر سر جھکا لیا۔وہ زمانے جو گذر گئے۔ان کا ذکر کیا......؟

وہ کہانیاں جو کہی نہ گئیں ان کا عنوان کیوں دھریں۔

تمہیں پتہ ہے یاور......جیدہ خوش دلی سے بولی۔

رملی کو بھی کوئی پسند نہیں آتا تھا۔ہر آدمی میں کیڑے نکالتی تھی۔ہر ایک پر پھبتیاں کستی تھی۔ہم کہتے تھے پتہ نہیں اس کے لئے آسمانوں سے کوئی شہزادہ اترے گا......؟

رملی کے کلیجے میں برچھی کھب گئی۔

For more visit (exponovels.com)

exponovels

(اتر آیا آسمان سے سیاہ رات کا مہیب روپ)

بھئی مجھے تمہارے شوہر کو دیکھنے کا بہت شوق ہو رہا ہے۔

یاور نے سب باتیں سن کر ادا سے سگار منہ کے ساتھ لگایا۔ ایک لمبا سا کش چھوڑا اور پھر دھوئیں کی اوٹ سے اس کی طرف عجیب نظروں سے دیکھنے لگا۔

جو شخص انہیں دیکھ لے، اسے کسی کو دیکھنے کا شوق نہیں رہتا۔ کم از کم مجھے تو ان کے شوہر کو دیکھنے کا بالکل شوق نہیں ہے۔

رملی نے چونک کر یاور کی طرف دیکھا۔

(جل گئے ہو......رقابت میں دیکھ نہیں سکتے)

(کاش تم نہ دیکھو)

یاور نے اس وقت سنہرے رنگ کا کرتا شلوار پہن رکھا تھا۔ اس کا چہرہ ایسے لگ رہا تھا جیسے اسے گہری نیند سے جھنجھوڑ کر جگا دیا گیا ہو......آدھا سویا......آدھا جاگا......!

یا پھر انتہائی چاق و چوبند چہرے پر ایک خوابیدہ خوابیدہ کیفیت تھی......آنکھیں گو کھلی تھیں......مگر سوئی سوئی معلوم ہو رہی تھیں......سارے نقش و نگار چمک رہے تھے مگر انہیں دیکھ کر خوابوں میں کھو جانے کو دل چاہ رہا تھا۔ ایسے سوئے سوئے چہرے جو احساس کو جگاتے ہوں۔ کتنے خطرناک ہوتے ہیں۔

میں تمہارے لئے چائے لاؤں......؟

یہ کہہ کر رملی باہر نکل گئی۔

باہر نکل کر اسے محسوس ہوا، اس کا دل دھڑک رہا ہے۔

اور دل کے اندر کوئی چور دروازہ بھی کھل گیا ہے۔

ساری سگار کی خوشبو حلق کے راستے دل کے اندر جا رہی تھی۔ پہلی بار اسے محسوس ہوا۔ اس کی ٹانگیں کانپ رہی ہیں۔ پتہ نہیں وہ اسے کن آنکھوں سے دیکھتا تھا۔

رملی کی سانس اکھڑنے لگتی تھی۔

چائے کے دوران گپ شپ ہوتی رہی۔

یاور زیادہ نہیں بولتا تھا۔ اگرچہ وہ اپنے چہرے کے ایک ایک نقش سے کام لیتا تھا۔ یوں اس کے ہونٹ چپ رہتے تھے......مگر سگار پینے کے دوران پر زاویے بنتے بگڑتے رہتے تھے......آنکھیں مفہوم ادا کرتی تھیں۔ ہونٹ کہتے رہتے تھے......مچلتے رہتے تھے......ایک سرگوشی ہوتی تھی احساس کی خوشبو......انداز کی خوشبو......

For more visit (exponovels.com)

کان سنتے رہتے تھے......فاصلوں پر بجتی دھڑکنیں......اوراس کے ہاتھ مصروف رہتے تھے۔

پتہ نہیں کیوں مصروف رہتے تھے......کبھی سگار سلگا رہے ہیں......کبھی سگار جھٹک رہے ہیں......کبھی سگار بجھا رہے ہیں......کبھی سگار مروڑ رہے ہیں......رملی کو اس کی ہر شے بولتی محسوس ہوئی......

اس لئے رملی واقع گونگی ہو گئی......

جیدہ اس کے بیٹے کے لئے تڑپ اٹھی۔ اٹھ کر اس کے کمرے میں گئی بچہ دیکھا......رملی کی امی سے بات چیت کی......

پھر وہ لوگ آ کر ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے......

اچانک جیدہ بولی۔ یاور میں یہاں سے نرگس کو فون کر دوں......؟

پھر کیا پروگرام ہے تمہارا چل رہے ہو ان کے ہاں......

یاور نے نیم وا آنکھوں میں سارا دھواں بھر کے چھوڑا......اور بولا۔

بھئی جہاں بھی لے جاؤ۔ میں تمہارے اختیار میں ہوں۔ تم تو جانتی ہو میں بندۂ بیدام ہوں۔

جیدا اٹھ کر کوریڈور میں چلی گئی۔

رملی کا دل خواہ مخواہ دھڑکنے لگا۔ وہ یاور کے ساتھ کمرے میں اکیلی رہ گئی تھی۔

نہیں وہ تو اکیلی نہیں تھی۔ اس کا شوہر بھی تھا اور بچہ بھی......پھر ایسے کیوں محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے ایک انتہائی تنگ گلی میں آمنے سامنے آتے جاتے ہوئے وہ دونوں پھنس گئے ہیں......اگر ایک ساتھ نکلیں گے تو ایک دوسرے کو مسلتے ہوئے نکلیں گے اس کے باوجود مخالف سمتوں میں نکلیں گے......اپنی اپنی سمتوں میں نکلنے کے لئے بہت ضروری ہے کہ ایک پیچھے ہٹ جائے......

کیا وہ پیچھے ہٹ جائے گا......؟

رملی نے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا......کیا وہ راستہ چھوڑ دے گا تنگ گلی کا۔

وہ کیسی والہانہ نظروں سے رملی کو دیکھ رہا تھا۔ جیسے اس کے ہاتھ میں سگار نہ ہو رملی کی ننھی سی ذات ہو......

ایک دوسرے کو مسلتے ہوئے گزرنا اگرچہ ایک دوسرے کو خاک کرنا ہے۔ مگر......تنگ گلی سے مسل کر گزرنے میں جو کیف ہے اس کے احساس سے دل خواہ مخواہ زندہ ہونے لگتا ہے۔

exponovels

رملی کا سارا چہرہ سرخ ہو گیا۔

وہ اپنے ہونٹ کاٹنے لگی۔

آپ باتیں کر لیتی ہیں......؟

وہ اپنی سفاک آنکھوں کا زاویہ بدل کر بولا۔

کوئی بات کہنے کے لئے رملی کے ہونٹ جلنے لگے۔

تھوڑی دیر اسے دیکھتا رہا۔ پھر بولا......

اور اگر ہونٹ کوئی ایسی بات کہنا چاہتے ہیں...... جو آپ کے دل کو گوارا نہیں تو ان غریبوں کو یوں دانتوں سے کاٹ کاٹ کر سزا کیوں دے رہی ہیں۔ ان کو وہ بات کہنے دیں۔ جزا اور سزا خود پائیں گے۔

چور......؟

رملی نے گھبرا کر اس کی طرف دیکھا۔

خطرناک چور......!

سارے دل کے ارادے چرانے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ چپ کی زبان جانتا تھا۔ اس کے سامنے وہ کیا بات کرتی۔

تقدیر کی روایتی دیوار میں چنی ہوئی وہ ایک زندہ درگور لاش تھی...... اتنی دیواریں اوپر...... اتنی دیواریں نیچے۔

بولنے کا کیا فائدہ تھا......؟

اتنے میں جیدہ فون کر کے آ گئی......

مل گئی تھی گوہر...... میں نے کہہ دیا ہے۔ ساڑھے سات بجے ہم پہنچ جائیں گے۔

یاور نے کوئی جواب نہیں دیا......

بے تحاشا سگار کے کش لگانے لگا...... رملی کی کشمکش اس کے چہرے سے ظاہر ہونے لگی۔ اسے یاور کے اس طرح سگار پینے سے الجھن ہو رہی تھی...... اس لئے ایک دم بولی۔ آپ اتنا زیادہ تمباکو پیتے ہیں......؟

یاور نے اپنے جلتے ہوئے انگارہ سے ہونٹ پہلے سکوڑے پھر پھیلائے...... اور مجھ سے بولا

For more visit (exponovels.com)

آپ کے شوہر کتنے سگریٹ پیتے ہیں......

میرے شوہر سگریٹ نہیں پیتے......؟ رملی نے دانستہ جھوٹ بولا۔ گو معاذ کو سگریٹ کی لت نہیں تھی مگر کبھی کبھی کسی محفل میں پی لیتا تھا۔

تو......

اس نے جملہ ادھورا چھوڑا......کش لگایا......دھواں چھوڑا......

فضا میں معطر سانس چھوڑ کر لطف لیا اور پھر اس کی اداس آنکھوں میں ٹھہر کر بولا......

آپ کے شوہر کیا پیتے ہیں......؟

کیا پیتے ہیں......؟......رملی نے نظریں جھکا لیں۔

عجیب سا دوراہا آ گیا......

اس کا دل چاہا کہہ دے......وہ میرا لہو پیتے ہیں......میری جان پیتے ہیں......میرا چین پیتے ہیں......میرے دن رات پیتے ہیں......

مگر فقروں کی یلغار میں وہ الجھ کر رہ گئی۔

وہ مسکرا رہا تھا۔ ہونٹوں پر آگ لئے......جیسے جانتا ہو۔ وارکاری ہے۔

آپ کے شوہر خوش قسمت ہیں......خود ہی ہنس کر بولا۔

وہ بھلا سگریٹ کیوں پئیں......؟ کیوں پئیں بھلا وہ حقیر سا سگریٹ......!

رملی نے فوراً اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

ایسے جیسے اسے اس کے تشنہ لبوں کا راز معلوم ہو گیا ہو۔ جیسے چوری پکڑی گئی ہو......جیسے اس کی کھوکھلی زندگی ٹھن ٹھن کر کے بجنے لگی ہو......جیسے......جیسے چہرے نے ہر راز اگل دیا ہو......!

مگر وہ اسی دلکش انداز میں مسکرا رہا تھا۔

ان کے پاس پینے کو بہت کچھ ہے۔

دوسرے روز جمعہ تھا اور معاذ کہہ کر گیا تھا کہ وہ جمعہ تک ضرور آ جائے گا۔ اس لئے رملی کا دل چاہ رہا تھا۔ معاذ کے آنے سے پہلے ایک بار جا کر جیدہ کے گھر سے ہو آئے۔ جیدہ بھی تو جاتے جاتے کہہ گئی تھی۔

بھئی اب ہمارے گھر ضرور آنا۔ جب تک میکے میں ہو کم از کم روز تو ملتی رہو۔

جاتے جاتے یاور نے کچھ نہیں کہا تھا۔

یاور کو آنکھوں سے باتیں کرنے کا فن خوب آتا تھا۔ ایک نظر دیکھتا اور سب کچھ کہہ دیتا۔

جاتے ہوئے اس نے اس طرح دیکھا۔ جیسے کہہ رہا ہو......؟

کیسے نہیں آؤ گی۔ میں دل اور آنکھیں بچھا کر رکھوں گا......

رملی کا دل مچلنے لگا۔ اس نے معوذ کو نہلا دھلا کر دودھ پلایا اور کھاٹ میں سلا دیا نہانے کے بعد معوذ دو تین گھنٹے سوتا تھا۔ اس لئے تیار ہو کر باہر نکل آئی امی جان کو بتایا کہ وہ ذرا جیدہ کے ہاں جا رہی ہے۔ وہ معوذ کا خیال رکھیں۔ جیدہ کے گھر جانے کے لئے ایک تو راستہ سڑک سے ہو کر جاتا تھا اور دوسرا گھر کے اندر سے ایک چھوٹی سی روش انیکسی کی طرف جاتی تھی رملی اسی روش پر ہو لی ادھر کو چلی تو یوں لگا جیسے آج پہلی بار چوری کرنے جا رہی ہے...... پہلی بار ڈاکہ ڈالنے کا ارادہ ہے۔ پنجوں پر اڑتی ہوئی۔ اپنے ہی سائے سے ڈرتی ہوئی۔ ہوا سے بچ بچ کے چلتی ہوئی...... آگے پیچھے دیکھتی ہوئی...... گاہ چونکتی...... گاہ ٹھٹکتی ہوئی......

دل دھڑکتا تو وہ اسے ملامت کرنے لگتی۔ دل شرمندہ ہوتا تو وہ اسے کوسنے لگتی یہ ذرا سا رستہ ہزاروں میل لمبا ہو گیا تھا اور پتہ نہیں کس طرح اس نے ہزاروں میل کا یہ راستہ طے کیا اور جا کر کال بیل پر ہاتھ رکھ دیا...... یوں جیسے اس نے شہر ممنوع کے صدر دروازے پر دستک دی ہو یا ناممکنات کی اندھیری وادی سے روشنی کی ایک کرن مانگی ہو۔

کال بیل پر انگلی رکھ کر اس نے فوراً اٹھا لی۔

لیکن گھنٹی کی آواز اندر جا چکی تھی...... اور جیسے اندر ہر شے ہمہ تن انتظار تھی۔ اس نے گھنٹی پر انگلی کیا رکھی سارا گھر جاگ اٹھا۔ منڈیروں پر رکھے انتظار کے چراغ لو دے اٹھے اور شہنائیاں بجنے لگیں۔

دروازہ یاور نے یوں کھولا جیسے ساری رات چھپ کے دروازے کے پیچھے کھڑا رہا ہو ذرا سا دروازہ کھول کر باہر یوں دیکھا...... جیسے سیاہ بادلوں کی چادر چیر کر چاند نے دنیا کو جھانکا ہو......

ایک دم...... بالکل اچانک...... کہ رملی اپنا چہرہ پیچھے کرنا بھول گئی اور اس کے سانسوں سے نکلنے والی سگار کی خوشبو نے بڑھ کر رملی کے چہرے کو چوم لیا......

اپنے جی میں کھائی ہوئی ساری قسمیں بھک سے اڑ گئیں ارادوں کی فصلیں گر گئیں...... عقل کی اونچی برجیوں پر بیٹھی ہوئی اخلاقیات کی ساری فوجوں نے مورچے ہٹا لئے...... بغاوت کے بارود نے دھائیں دھائیں ساری روایات کو پھونکنا شروع کر دیا رملی کو ایسے محسوس ہوا جیسے وہ تغیم کے عالم میں کھڑی ہے......

For more visit (exponovels.com)

اور دشمن بھی وہ...... جو اس کی جان کا دشمن تھا...... تن کا دشمن تھا...... من کا دشمن تھا۔

ذرا سا چہرہ باہر نکال کے پاگلوں کی طرح اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا اور اس کی آنکھوں کے طلسم سے رملی پتھر کی ہو گئی تھی۔

سرگوشی میں بولا......

کل رات سے انتظار کر رہا ہوں۔ اب آئی ہو۔

اب آئی ہو...... اب آئی ہو...... دروازے کے باہر چھت تک لٹکی ہوئی زخمہ حیات کی بیل کے بڑے بڑے پتے تال دے کے گنگنانے لگے۔

ایک ننھے سے لمحے میں اس پر زندگی کا سب سے بڑا حملہ ہو گیا اور اس نے پسپائی کا اعتراف بھی کر لیا اور دنیا میں کسی کو پتہ بھی نہیں چلا......

آیئے آیئے...... اندر تشریف لایئے......

پسپائی کی گھڑی کو دونوں ہاتھوں سے قبول کر کے یاور نے صدر دروازہ کھول دیا اور پھر جیدہ کو آواز دی۔

جیدہ...... آؤ دیکھو کون آیا ہے......؟ میں تو بے ہوش ہونے لگا تھا۔

جیدہ دوڑ کر کچن سے باہر نکلی اور رملی سے لپٹ گئی۔ جیدہ کے کٹے ہوئے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے اور وہ اس طرح تر و تازہ لگ رہی تھی۔ جیسے ابھی نہا کر نکلی ہو۔

بہت اچھا کیا تم آ گئی ہو رملی......؟ میں ابھی یاور کے لئے چائنیز اور تکے بنانے لگی تھی۔

تمہارے پاس خانساماں نہیں ہے۔ رملی نے ایک بیہودہ سا سوال کر دیا۔

نہیں یار! جیدہ اسے لے کر ڈرائنگ روم میں آ گئی۔ پانچ سال انگلینڈ میں رہی تو گھر کا کام کرنے کی عادت سی پڑ گئی ہے۔ یہ باہر کے ممالک پھوہڑ سے پھوہڑ عورت کو بھی گھرداری کا سلیقہ سکھا دیتے ہیں۔

میں اس کی گواہی دیتا ہوں۔ یاور نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

مگر رملی کو یاور کی طرف دیکھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔

تینوں بیٹھ گئے۔

جاری ہے......

exponovels

معوذ کو نہیں لائیں۔ جیدہ نے پوچھا۔

یہ اس کے سونے کا وقت ہے۔ پھر اتنا چھوٹا سا تو ہے۔ کیسے لاؤں......؟

ڈارلنگ پہلے ایک ایک کپ کافی پلواؤ۔ پھر باتیں ہوں گی یاور نے جیدہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

ہاں بنا لاتی ہوں۔ جیدہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

چلو میں بھی تمہارے ساتھ کچن میں چلتی ہوں۔ رملی بھی کھڑی ہوگئی۔

نہیں نہیں رملی تم یاور کے پاس بیٹھو۔ جیدہ نے سادگی سے کہا۔ بھئی میرا شوہر کوئی اتنا خوفناک آدمی نہیں کہ تم اس کے پاس بیٹھنے سے گھبرا رہی ہو۔

نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ رملی نے سنجیدگی سے کہا۔ میں نے سوچا تمہاری مدد کردوں گی تو تم جلدی آ کر یہاں بیٹھ سکو گی۔

میں آج جلدی تمہارے پاس آ کر بیٹھ سکوں گی۔ بلکہ آتی جاتی رہوں گی۔ جمعہ کے روز ہم لوگ ناشتہ تو کرتے نہیں۔ ایک ساتھ کھانا کھاتے ہیں اور میں نے بہت سی چیزیں چولہے پر رکھ چھوڑی ہیں۔ پھر تو میں بہت غلط وقت پر آگئی ہوں۔

ارے نہیں...... جیدہ نے رملی کو زبردستی بٹھا دیا۔ اگر میں کچن میں زیادہ وقت لگاؤں تو یاور بہت بور ہوتا ہے۔ اچھا ہوا تم آ گئیں۔ تم اس کو کمپنی دو جب تک میں سب تیار کر لوں گی۔

لیکن تم اپنی سہیلی کو میری شرافت کی کوئی سند تو دیتی جاؤ۔ جاتی ہوئی جیدہ کو یاور نے روک کر کہا۔ انہیں بتاؤ کہ میں ایک بے ضرر سا انسان اور بیچارہ سا شوہر ہوں......

جیدہ نے اپنا مخصوص قہقہہ لگایا۔

بھئی رملی ڈرو نہیں۔ یاور سچ کہہ رہا ہے۔ یہ بڑا مسکین اور مظلوم شوہر ہے۔ اس کی شرافت کی گواہی میں دیتی ہوں۔

یہ کہہ کر جیدہ باہر نکل گئی۔ شرم سے رملی کا منہ سرخ ہوگیا۔

بیٹھ گئی اور اپنی شرمندگی پر قابو پا کر بولی۔

آپ لوگ دوسرے کی نیت پر شک کیوں کرتے ہیں۔

شک تو آپ کو میری نیت پر ہے۔ یاور دو بدو بولا۔

کیا شک ہے......؟ رملی نے ہمت کر کے پوچھا۔

جواب دینے سے پہلے وہ ہنسا۔ اس کے موتیوں جیسے دانت نمایاں ہوگئے۔ گھبرائی بھی رملی اس کے دانتوں کو غور سے دیکھنے لگی۔ اسی وقت اسے خیال آیا۔ اس

For more visit (exponovels.com)

نے کبھی معاذ کے دانتوں کو غور سے نہیں دیکھا۔ ایک سال ہوگیا شادی کو۔ مگر اس نے معاذ کے دانت دیکھے ہی نہیں...... جب کہ...... تیسری ملاقات پر اسے یاور کے دانت نظر آ گئے تھے۔ ہنستا ہوا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ پاگل نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس وقت بے اختیار رملی کا دل چاہا کہ اپنا کلیجہ نکال کر اس کے آگے ڈال دے۔ اور کہے...... ظالم آدمی! لے اسے میرے سامنے چبالے۔ روز روز کے جھنجھٹ سے تو نجات ملے۔

تمہارا یہ خیال ہے کہ میں ان مردوں میں سے ہوں جو ہر خوبصورت لڑکی پر جھٹ عاشق ہو جاتے ہیں۔ یعنی پیشہ ور عاشق ہوں۔

سوچتی تو وہ بھی ایسا ہی تھی۔ مگر اس خیال کو اس نے کبھی آنکھوں میں بھر اس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ جانے اسے کیسے معلوم ہوگیا۔ رملی اپنے پاؤں کے انگوٹھے سے قالین کو کریدنے لگی۔ جواب نہیں دیا۔

تو وہ دوبارہ بولا......!

یہ ٹھیک ہے کہ تمہیں دیکھا...... اور تم سے عشق ہوگیا۔ مگر میں پیشہ ور عاشق نہیں ہوں۔

اسی وقت ایک ٹرے اٹھائے جیدہ کمرے میں داخل ہوئی۔ رملی اپنے دونوں ہاتھ گود میں رکھے سر جھکائے بیٹھی تھی۔ اگر جیدہ اندر نہ آ جاتی تو وہ اپنی دونوں ہتھیلیوں کو جو دعا کی طرح پھیلی ہوئی تھیں۔ آنسوؤں سے بھر دیتی۔ ہاتھ پھیلا ہو اور آدمی دعا نہ مانگ سکے...... زبان مچل رہی ہو۔ تمنا سامنے ہو اور آدمی اس کا نام نہ لے سکے تو کیسی بے بسی کا مقام ہوتا ہے۔

تم دونوں گم صم کیوں بیٹھے ہو......؟ جیدہ نے تپائی کھسکا کے اس پر سنیکس رکھ دیے۔ جب تک میں کافی لاؤں کچھ کھاؤ۔

اور یاور کتنی حیرت کی بات ہے۔ اتنی حسین لڑکی تمہارے سامنے بیٹھی ہے اور تم بھی خاموش ہو۔ حالانکہ تمہارے آگے کسی خوبصورت لڑکی کو بٹھا دیں تو تمہارے منہ سے پھول جھڑنے لگتے ہیں۔

بعض حسین لڑکیاں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے سامنے زبان گنگ ہو جاتی ہے۔

یاور نے کش لے کر کہا۔

خیر تمہارے جیسے چرب زبان مرد کی زبان کسی کے آگے گنگ نہیں ہو سکتی۔

بھئی معاملہ تمہاری نازک مزاج سہیلی کا ہے...... میں ٹھہرا جنگلی آدمی...... کوئی بات الٹ سلٹ منہ سے نکل گئی تو تمہاری سہیلی خفا نہ ہو جائے۔

میری سہیلی ایسی ہرگز نہیں ہے۔ میں اسے بچپن سے جانتی ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے کوائٹر پلیٹ رملی کو پکڑائی اس نے جلدی سے پکڑ لی۔

جیدہ باہر نکل گئی۔

For more visit (exponovels.com)

رملی بال برابر باریک پل صراط پر پہنچ گئی۔

ڈرتے ڈرتے نظر اٹھا کے یاور کی طرف دیکھا۔وہ عاشقانہ نظر سے اس کو دیکھ رہا تھا۔تب رملی کو احساس ہوا کہ جیدہ کی موجودگی میں وہ اسے اور طرح دیکھتا ہے۔مگر جیدہ کے جاتے ہی اس کی نظر کا زاویہ بدل جاتا تھا۔اس کو رملی کو پاگل پن سے دیکھنا بہت اچھا لگتا تھا۔مگر رملی کے اندر احساس جرم کی لہریں اٹھنے لگیں۔یاور اس کی سہیلی کا محبوب شوہر تھا اور وہ اس کے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہی تھی...... یا اس کی آنکھ مچولی کو پسند کر رہی تھی۔

کتنی بری بات ہے......؟

رملی نے اٹھ کے اپنی پلیٹ میں سینڈوچ رکھا۔تو نیم دراز یاور نے اپنی پلیٹ آگے پھیلا دی اور بولا۔پلیز میری پلیٹ میں بھی کچھ ڈال دیں۔

رملی نے سینڈوچ والی پلیٹ اٹھائی اور اس کے آگے کر دی۔تا کہ وہ خود اٹھا لے مگر اس نے آنکھوں سے انکار کر دیا اور بولا وہ ٹکڑا جو تم نے اپنی پلیٹ میں رکھا ہے۔وہ میری پلیٹ میں رکھ دو۔بس وہی کھاؤں گا اور کچھ نہیں لوں گا۔

کیوں......کیوں......کیوں......رملی کا دل چاہا چینی کی پلیٹ اس کے سر میں دے مارے اور کہے مجھے اشاروں پر نچانے والے تم کون ہوتے ہو۔آج تک میرے شوہر کو یہ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی۔مگر اس نے جلدی سے......اپنا سینڈوچ اٹھا کے یاور کی پلیٹ میں رکھ دیا۔اور خود ایک ٹکڑا اٹھا کر اپنی جگہ پر آ کے بیٹھ گئی۔

اسی وقت جیدہ تین گرم گرم پیالیاں کافی کی اٹھائے اندر داخل ہوئی۔

رملی تمہیں ایک بات بتا دوں۔

جیدہ نے رملی کو کافی کی پیالی پکڑاتے ہوئے کہا۔

یاور بہت بے تکلف آدمی ہے اور بے تکلفی کو پسند کرتا ہے۔زبان بھی ذرا اس کی کھلی ڈلی ہے۔پلیز اس کی کسی بات کا برا نہ ماننا......دل کا یہ بہت اچھا ہے۔

(یہ دل کے اچھے لوگ دوسرے کا دل کیوں لوٹ لیتے ہیں......شکل پر تو اس کی گلاب کھلے رہتے ہیں......آنکھیں ایسی دی ہیں قدرت نے اسے کہ ان میں ڈبکی لگا کے پھر ابھرنے کو جی نہیں چاہتا......دانت ایسے ہیں کہ دل چاہتا ہے کہ ہمارے سامنے ہمارا دل چبا لے......اور ہونٹوں پر ہر وقت آگ کا ایک شعلہ رہتا ہے......اس شعلے کے قریب جا کے بسم ہو جانے کو جی چاہتا ہے......کتنے کمینے ہوتے ہیں ایسے لوگ......ہم ان کی زد میں تھر تھر کانپنے لگتے ہیں......نہ بھڑکاتے ہیں۔نہ بجھاتے ہیں......)

تم بار بار اپنے شوہر کی صفائیاں کیوں پیش کر رہی ہو جیدہ......!

یاور نے سینڈوچ کھاتے ہوئے کہا۔

For more visit (exponovels.com)

بھئی رملی بڑی شرمیلی لڑکی ہے اور اس کی تربیت ایک مذہبی ماحول میں ہوئی ہے۔ مجھے یاد ہے جب ہم کالج میں ایک دوسرے کو گندے لطیفے سنایا کرتے تھے تو یہ ہم سے روٹھ کر ایک طرف جا بیٹھتی تھی۔

مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے یہ ابھی تک سب سے روٹھی ہوئی ہے...... ہے نا؟

جیدہ...... یہ شکل سے ایک دل گرفتہ ناراض شہزادی معلوم ہوتی ہے......!

یاور کے لہجے میں اس بار بے تکلفی تھی۔

رملی دھیرے سے مسکرائی۔ پلیٹ اس نے ہاتھ سے رکھ دی اور کافی کی پیالی اٹھا لی اور بولی۔

میری ذات اتنی اہم تو نہیں کہ آج بس مجھی پر گفتگو کی جائے......!

اوہو...... ہر لڑکی بار بار یقین دہانی چاہتی ہے۔ دیکھا جیدہ میں ٹھیک کہتا ہوں نا! لڑکیوں کو یقین دہانی کی بہت ضرورت ہوتی ہے...... اب رملی چاہتی ہے۔ ہم اسی کے بارے میں گفتگو کرتے رہیں۔ کچھ اور نہیں...... کچھ اور نہیں......

رملی شرمندہ ہو گئی۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہ تھا۔ مگر اسے اپنے بارے میں یہ سب سننا اچھا لگ رہا تھا۔

اوہ میں ذرا آنچ کم کر آؤں...... جیدہ ایک دم اٹھ کر باورچی خانے کی طرف بھاگی۔

تمہاری ذات کتنی اہم ہے۔ یہ سب تم جان گئی ہو رملی۔

یاور نے آہستہ سے کہا کہ کم از کم میرے لئے تو...... اگر سچ پوچھو تو آج تین دن سے میں تمہارے بارے میں ہی سوچ رہا ہوں۔

کیوں سوچ رہے ہو میرے بارے میں......؟ رملی کا دل چاہا وہ اسے جھڑک دے اور اس سے کہے تم بددیانت آدمی ہو۔ تم میری سہیلی کے شوہر ہو۔ ایک زمانے سے لڑ کے میری سہیلی نے تمہیں اپنایا تھا اور اب تم میرے سامنے ہی۔

مگر یہ نہیں کیا ہوا۔ رملی اس معاملے میں بہت بودی ثابت ہوئی۔ ایک تو اس آدمی کی موجودگی میں اس کا دل دھڑکتا تھا۔ اس پر اس کا چہرہ بالکل رملی کے خوابوں جیسا تھا۔ جانے کب سے زندگی کی بھول بھلیاں میں وہ یہ چہرے تلاش کرتی پھر رہی تھی اور کتنی عجیب بات تھی کہ وہ چہرے ملا تو اس کی محبت میں سرشار ملا۔ مگر...... راستے ہی جدا ہو چکے تھے۔ اب جب راستے جدا تھے تو وہ اسے کیا کہتی......؟ اک ذرا ٹھنڈی چھاؤں تلے بیٹھنے سے زندگی کا سفر نہیں بیت جاتا۔ البتہ تھکن ضرور اتر جاتی ہے۔ ایک ہی سال ہوا تھا اس کی شادی کو...... مگر تھکاوٹ سے وہ چور ہو رہی تھی۔

پاؤں میں آبلے تھے اور جسم شرابور تھا۔ ایسے میں کوئی سایہ دار پڑاؤ آ جائے تو ٹھنڈی ہوا کے جھونکے بھی آنے لگتے ہیں۔ یہ جھونکے تھکے ہوئے جسم کو لوری دیتے

For more visit (exponovels.com)

لگتے ہیں۔ تھکے ہوئے آدمی کو بہت جلد نیند آ جاتی ہے۔رملی کا دل چاہ رہا تھا۔اب وہ آرام سے سو جائے......ایسی نیند کہ جس میں سے پھر کوئی اسے نہ جگائے۔

تم سو گئی ہو......؟

یاور نے اس کے بجھے ہوئے چہرے کو غور سے دیکھ کر پوچھ ڈالا۔

آپ بہت خطرناک باتیں کرتے ہیں۔

بالآخر رملی نے منہ بسور کر کہا۔میری سمجھ میں نہیں آتیں ایسی باتیں۔

یاور نے قہقہہ لگایا۔اور بولا۔

رفتہ رفتہ سمجھ میں آ جائیں گی......ویسے تم شکل سے کچھ ایسی بے سمجھ بھی نہیں دکھائی دیتی ہو......؟

جیدہ یاور کا قہقہہ سن کر دوڑی آئی

بھئی کیا لطیفہ ہوا ہے مجھے بھی بتاؤ......

تمہاری کیلی کہہ رہی ہے۔میں بڑی خطرناک باتیں کرتا ہوں۔یاور تم نے رملی کو ڈرانے کی کوشش کی ہے۔

جیدہ نے گھور کر یاور کو دیکھا۔

تمہاری قسم......یاور نے پھر ہاتھ کھڑا کیا۔میں نے ایسی کوئی بات نہیں کی اب کسی خوبصورت لڑکی کو خوبصورت کہنا اگر خوفناک جرم ہے۔تو تم مجھے سزا دے لو......!

جیدہ بھی ہنسنے لگی۔

یاور کو معاف کر دو۔میں نے کہا تھا نا؟ خوبصورتی اس کی کمزوری ہے۔کسی خوبصورت عورت کو دیکھ کر یہ دل اور زبان پر قابو نہیں رکھ سکتا۔

ویسے ڈرو نہیں اس کی مہار میرے ہاتھ میں ہے۔

رملی نے حیران ہو کر جیدہ کی طرف دیکھا۔اس کے چہرے پر خلوص کا اجالا تھا۔اس وقت رملی کو اپنے آپ سے بے حد شرم آئی۔رملی کا دل چاہا زمین پھٹ جائے

اور وہ اس میں سما جائے۔

جیدہ نے ہاتھ میں کفگیر پکڑا ہوا تھا وہ دوبارہ کچن میں واپس چلی گئی۔

رملی نے اپنے ہاتھ پر لگی ہوئی گھڑی دیکھی اور بولی۔

آپ جمعہ کی نماز پڑھنے نہیں جائیں گے......؟

exponovels

میرا مذہب صرف عشق ہے۔

وہ لہجے میں مستی سمو کر بولا۔

کیا عشق میں نماز نہیں ہوتی......؟

ہوتی ہے......محبوب کو سامنے بٹھا کر آنکھوں سے سجدے کرنا میری نماز ہے۔

اب رملی کے لئے وہاں بیٹھنا واقعی مشکل ہو گیا۔جلدی سے اٹھ کر کچن میں آ گئی۔

آخر کیا کر رہی ہو تم جیدہ......؟

بھئی میں نے سوچا آج تمہیں بھی اپنے ہاتھ کا پکا کھلا دوں۔اس لئے جلدی جلدی تکے بنا رہی ہوں۔

رہنے دو میں کھانے کی اتنی شوقین نہیں ہوں۔

اسی وقت باہر بیل ہوئی۔جیدہ دوڑی گئی۔رملی کے گھر سے ملازم آیا تھا اور کہہ رہا تھا۔

رملی بی بی کا فون ہے انہیں جلدی بھیجیں۔

فون......؟

رملی گھبرائی اور خدا حافظ کہے بغیر باہر نکل گئی۔واپسی پر وہ ہزاروں میل کا راستہ چند منٹ میں طے ہو گیا۔سامنے برآمدے میں امی جان معوذ کو کندھے سے لگائے بڑی سنجیدہ شکل بنائے کھڑی تھیں۔

معاذ کی کراچی سے کال ہے۔

رملی فون کے قریب پہنچ گئی۔

یہ تو بند ہو گیا ہے۔

یہیں بیٹھو وہ دوبارہ کرے گا۔اتنی دیر سے تو میں نے ہولڈ کروایا ہوا تھا۔

رملی وہیں کرسی پر بیٹھ گئی اور معوذ کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

یہ جاگ گیا ہے......؟

یہ تو تمہارے جاتے ہی جاگ گیا تھا۔پتہ نہیں اس بچے کو کیا ہے۔تم گھر پر ہوتی ہو تو سب سے ہو کر سوا رہتا ہے۔ادھر تم گھر سے نکلیں ادھر یہ جاگ گیا اور آج تم نے

exponovels

بھی غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا۔ تھوڑی سی دیر کا کہہ کر گئیں اور پورے دو گھنٹے لگا دیے۔

اف دو گھنٹے لگا دیے۔ رملی کو کوئی جواب نہیں سوجھ رہا تھا۔ اسی وقت فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے ریسیور اٹھا لیا اور جواب دہی سے بچ گئی۔ دوسری طرف معاذ تھا۔

اسی طرح محبت میں ڈوبی ہوئی آواز...... چہکتا سے چھلکا چھلکا لہجہ...... توجہ کی جلیبی کے ساتھ......!

اس نے بتایا کہ وہ آج شام نہیں آ سکے گا اور اب پرسوں شام کو آئے گا۔

معوذ کا حال پوچھ کے اس نے فون بند کر دیا۔

پرسوں آئے یا صدیوں بعد آئے۔

رملی نے ایک ٹھنڈی سانس چھوڑی۔ وہ اس سے بہت دور نکل آئی تھی۔

❁❁❁

exponovels

معوذ کی عادت تھی کہ وہ دودھ پی کے سرشام ہی سو جاتا تھا۔ پھر اس کے بعد وہ کتابیں پڑھا کرتی۔ ٹیلی ویژن کا کوئی دلچسپ پروگرام دیکھ لیتی۔ یا معوذ کا کوئی کپڑا سینے لگ جاتی۔

لیکن آج معوذ کو سلانے کے بعد......کوئی کام نہیں سوجھ رہا تھا۔ دل پر ایک ہی جنون سوار تھا۔

اور جنون نے ایک رستہ دیکھ لیا تھا۔

دل کہتا چل......چل......محبوب کے دوارے چل۔

اس نے اپنے دل کو بہت ڈانٹا۔ لعنت ملامت کی...... برا بھلا کہا۔

اپنی حیثیت کا احساس دلایا۔ مگر ایک چنگاری جو اس نے دامن میں باندھ لی تھی۔ باقاعدہ آنچ دے رہی تھی۔

پہلے تو سامنے کوئی رستہ نہیں تھا۔ اس لئے سینے پر صبر کی سل رکھ کر بیٹھی تھی اور اب سامنے ایک ہرا بھرا پھلوں سے آراستہ رستہ تھا۔ گو اس راستے پر ممنوع کا بورڈ لگا تھا۔ مگر یہاں کون ٹریفک کے قوانین کی پابندی کرتا ہے ہر کوئی اپنا راستہ بنائے اندھا دھند چلا جاتا ہے۔ ہاں کبھی کبھی ایک خوفناک حادثہ ہو جاتا ہے......؟

حادثہ......اف......اباجی......امی جی......بے جی اور معاذ......سب اس حادثے کی زد میں آجائیں گے۔

نہیں نہیں......وہ اپنے دل کو منالیتی اور کسی کام میں اپنے آپ کو مصروف کر لیتی۔ پھر دل کے اندر سے دہائیاں اٹھنے لگتیں۔

پگلی روتے روتے جیون بیت رہا ہے۔ ذرا سا مسکرا لے۔ مسکراہٹ پر پہرے نہیں ہیں......

تو وہ بے چین ہو اٹھتی۔ کچھ دنوں میں وہ گھر واپس جانے والی تھی۔ پھر تو سب باتیں خواب کی طرح بکھر کر ختم ہو جائیں گی۔

وہ بے تاب ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

امی جی! میں ذرا جیدہ کے ہاں جا رہی ہوں۔

اس وقت......؟ امی نے ناقدانہ انداز میں اسے دیکھ کر کہا۔

ہاں مجھے اس سے کچھ رسالے لینا تھے۔ صبح تو آپ نے بلوایا تھا میں جلدی میں بھاگی آئی۔ رسالے نہ لے سکی۔

امی جی نے نظریں جھکا لیں۔

معوذ سو گیا ہے۔

جی امی......اور آپ کو معلوم ہے وہ چھ سات گھنٹے سوئے گا۔

For more visit (exponovels.com)

exponovels

لیکن تم ذرا جلدی آ جانا۔

جلدی آ جاؤں گی امی......معوذ کے کمرے میں جھانکتی رہے گا۔

یہ کہہ کر رملی نے جست لگائی اور دروازے سے باہر نکل گئی۔ سارا رستہ وہ سوچتی گئی وہ کیوں جا رہی ہے......؟ اسے جانے کی جلدی کیوں ہے......؟ اس کے آگے اس کا دل کیوں اڑا اڑا جا رہا ہے؟

دنیا میں کبھی کسی نے ناصح کی بات سنی ہے۔ جو رملی کا دل اس کی کسی بات کو سنتا۔ جب اس نے صدر دروازے کی گھنٹی پر ہاتھ رکھا تو ارد گرد کی آوازوں سے بے نیاز ہو گئی۔ جیدہ نے خود آ کے دروازہ کھولا۔

آ گئی ہو رملی......ہائے اچھا کیا۔

میں نے صبح تم سے کہا تھا نا؟ کہ میں دوبارہ آؤں گی۔

واقعی اس وقت فون کال سن کر رملی گھبرا گئی تھی جیسے معاذ کسی روزن سے بیٹھا اسے دیکھ رہا ہے اور اب اس نے اس کی گوشمالی کے لئے جھٹ سے فون کر دیا ہے۔ بوکھلائے ہوئے انداز میں جب وہ باہر نکلنے لگی تو جیدہ نے کہا۔ یا ورکو تو خدا حافظ کہتی جاؤ۔

میں شام کو پھر آ کر معذرت کر لوں گی۔

اچھا آنا شام کو......!

ضرور آؤں گی۔

یہ کہہ کر رملی گھر کی طرف بھاگ گئی تھی۔

آ جاؤ۔ جیدہ نے اس کے پیچھے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔

آج ہم بیڈ روم میں بیٹھے موسیقی سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

رملی ذرا سا جھجک گئی بچپن میں امی بتایا کرتی تھیں۔ منہ اٹھا کر کسی کے بیڈ روم میں چلے جانا اچھی بات نہیں ہوتی۔

آ جاؤ......جیدہ نے اسے رکتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

آ جاؤ بھئی۔ ایسی تکلف کی کون سی بات ہے......؟

کون ہے......؟ یا ور نے یوں بن کر پوچھا جیسے وہ نہیں جانتا کہ کون ہو سکتا ہے۔

بھئی کوئی خوبصورت بندہ ہے تو میں خود لینے آ جاؤں۔

یاور کی آواز سن کر رملی کی ٹانگیں لرزنے لگیں۔

آہستہ آہستہ چل کر اندر آ گئی۔

یاور بستر میں نیم دراز تھا۔ اوپر ہو کر بیٹھ گیا۔

میری چھٹی حس کہہ رہی ہے۔ کوئی خوشبودار شخصیت ہے۔ اس لئے تو معطر جھونکے اندر آ رہے تھے۔

کیسٹ پلیئر پر گیت بج رہے تھے۔

جیدہ نے آگے بڑھ کر آواز آہستہ کر دی۔ رملی ایک نرم سے سٹول پر بیٹھ گئی۔

ادھر آ کر بستر پر بیٹھو ناٹھیک طرح سے جیدہ نے اس کا بازو پکڑا۔ ایسے بیٹھی ہو جیسے ابھی اٹھ کر بھاگ جاؤ گی۔

نہیں میں یہیں ٹھیک ہوں۔ رملی نے اس کے ڈبل بیڈ پر نظر ڈالی۔

بستر پر سلوٹیں تھیں۔ کمبل الٹ پلٹ ہو رہا تھا۔ تکیے چرمرائے ہوئے تھے۔ وہ دونوں غالباً صبح سے بستر میں بیٹھے تھے۔ رملی کے دل سے ایک ہوک اٹھی۔ ساتھی دل پسند ہو تو آدمی دل پسند مشغلے اپنا سکتا ہے۔ اب یہ میاں بیوی چھٹی کا دن کتنے رومانٹک انداز میں گزار رہے تھے۔ بس ایک دوجے میں گم تھے۔ رملی کو یکا یک جیدہ سے حسد محسوس ہونے لگا۔

موسیقی کا لطف کچھ بستر میں بیٹھ کر ہی آتا ہے۔ جیدہ نے کہا...... دفتری کرسی پر بیٹھ کر موسیقی کا لطف نہیں آتا اور دیکھو یہ کتنا چھوٹا بیڈ روم ہے ایک صوفہ تک اور رکھنے کی گنجائش نہیں ہے واقعی یاور...... اس نے یاور کی طرف دیکھا۔ اگر کوئی مہمان آ جائے بیڈ روم میں تو اسے کہاں بٹھائیں۔

بیڈ روم میں ایرہ وغیرہ نہیں آتا۔ یاور نے مستی بھری آواز میں کہا...... جو مہمان بیڈ روم میں آتے ہیں انہیں دل میں جگہ دینی چاہیے۔

جیدہ زور زور سے ہنسنے لگی۔ رملی نے مسکرا کر یاور کی طرف دیکھا...... ہمیشہ سے زیادہ خوبصورت لگ رہا تھا۔ وہی سویا سویا خمار تھا اس کے چہرے پر اور وہی ذہانت کی چمک جو بیک وقت اسے بیدار بھی اور خوابیدہ بھی ظاہر کرتی تھی۔

جلدی سے بتاؤ کیا پیو گے تم لوگ۔ جیدہ بولی۔ پھر میں ایک بار ہی اپنے بستر میں بیٹھ جاؤں۔

کچھ نہیں جیدہ...... رملی ایک دم بولی۔ میں تو کھانا کھا کے آئی ہوں اب کسی چیز کی حاجت نہیں ہے......

حاجت انہیں نہیں ہوگی کسی چیز کی...... یاور نے اپنے مستانہ ماہی والے انداز میں گا کر کہا...... ہمیں تو بہت کی چیزوں کی حاجت ہے۔ ہم تو بندے

For more visit (exponovels.com)

حاجت مند ہیں......ہم نہ تو دیوتا ہیں۔نہ دنیا تیاگ کے بیٹھے ہیں۔ان کی طرح......چپ کا روزہ رکھ لیں اور دل کی کھڑکیاں بند کر لیں اور کہہ دیں کہ بھئی ہم ہر ضرورت سے بے نیاز ہو گئے ہیں۔

رملی کا دل دھڑک اٹھا۔کیا اس کے من کا چور اس کے چہرے پر لکھا ہے۔رملی نے سوچا کتنا خطرناک آدمی ہے۔مگر کتنا ذہین ہے۔

جاؤ......جاؤ......سبز قہوہ بنا کے لاؤ۔سبز پری بیڈروم میں آئے تو سبز قہوہ پیتے ہیں......؟

رملی نے بے اختیار اپنے سبز سوٹ اور پھر بڑے بڑے پھولوں والے سبز دوپٹے کو دیکھا۔

جیدہ باہر نکل گئی اور وہ نیم دراز ہو گیا۔

اس کی گردن کے پیچھے سنبل کے تڑے مڑے ہوئے تکیے تھے اور سیدھا لیٹا چھت کی طرف دیکھ رہا تھا۔

باتیں آپ خوب بنا لیتے ہیں۔رملی نے جیسے دانت پیس کر کہا۔

صبح سے بستر میں پڑا ہوں۔مجھے ملے بغیر بھاگ گئی تھیں نا؟کسی کام میں دل نہیں لگا۔کہیں جانے کو دل نہیں چاہا......بے اختیار غصہ آ رہا تھا تم پر......کبھی کبھی جی چاہتا تھا۔

تمہاری یہ خوبصورت صراحی دار گردن جا کر مروڑ دوں۔نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔

انتہائی سنجیدہ شکل بنانے کے باوجود رملی کو اس کے اس انداز پر ہنسی آ گئی۔حسین لوگ اتنے سنگدل کیوں ہوتے ہیں۔

وہ کش لے کر بولا......!

اپنے حسن کی طرح بے حس۔

رملی احساسات کے سوا نیزے پر پہنچ گئی۔

تمہیں کیا حق ہے مجھ سے ایسی باتیں کرنے کا......یا کس نے یہ استحقاق دیا ہے تمہیں۔اور پھر میں کیوں آؤں......کیوں آؤں......کیا تمہاری اسیر ہوں......

تمہاری فقیر ہوں میں......کیا سمجھتے ہو اپنے آپ کو......!

دیکھو دیکھو......رملی......آگے بڑی پھسلن ہے۔ہر اک کے قدم وہاں تک نہیں جاتے۔

تو ایک شادی شدہ عورت ہے۔

اور یہ ایک شادی شدہ مرد ہے۔

For more visit (exponovels.com)

اور جو دنیا نے اب تک برداشت نہیں کیا۔تو وہ کرنے جا رہی ہے۔

بھی میری بات کا جواب دو...... یاور نے کمبل کے اندر اپنے پاؤں ہلائے تو رملی کا بے اختیار دل چاہا۔وہ ان قدموں پر اپنا سر رکھ دے اور چیخ چیخ کر رو دے۔اور کہے......

یاور مجھے معاف کر دو۔مجھے بخش دو...... مجھے خراب نہ کرو۔یہ ضرور ہے کہ میرے خیال تمہیں دیکھ کر بھٹک گئے ہیں۔مگر میں زیادہ دور تک تمہارے ساتھ جانے کے قابل نہیں ہوں۔لہولہان ہوں۔زخمی ہوں...... مجھے چھوڑ دو...... مجھ پر یہ مشق ستم نہ کرو۔

میری بات بری لگی ہے تمہیں۔یاور ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا۔

ہاں......رملی نے اثبات میں سر ہلایا۔

تو وہ جھپٹ کر بستر سے نکلا...... جست لگا کے اس کے قدموں میں جا بیٹھا...... اور ٹھنڈے ٹھار پاؤں دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر چوم لئے۔

پھر ان پر سر رکھ کر بولا۔

پلیز مجھے معاف کر دو۔

ذرا سی دیر میں رملی کے سر پر قیامت کی گھڑی آ ٹھہری۔وہ خوف زدہ ہو گئی۔دل دھڑکنے لگا۔بولی۔

یہ کیا کر رہے ہیں آپ۔خدا کے لئے میرے پاؤں چھوڑ دیں۔جیدہ آ جائے گی۔کیا......کیا کہے گی۔

جب تک تم مجھے معاف نہیں کرو گی۔اور وعدہ نہیں کرو گی کہ میری بات کا کبھی برا نہیں مانو گی میں یونہی تمہارے پاؤں پکڑے بیٹھا رہوں گا۔مجھے جیدہ کی پرواہ نہیں اور نہ میں اس دنیا سے ڈرتا ہوں۔

میں وعدہ کرتی ہوں۔اس کا فقرہ ختم ہوتے ہی رملی بولی...... آپ کی کسی بات کا برا نہیں مانوں گی۔

یاور نے اس کے پاؤں چھوڑ دیئے۔اور پھر آ کے بستر میں گھس گیا۔لیکن رملی اپنی کانپتی سراسراتی سانسوں پر قابو نہ پا سکی۔

اف زندگی کا سب سے بڑا حادثہ ہونے چلا تھا۔

اسی وقت جیدہ قہوے کی پیالیاں اٹھائے کمرے میں داخل ہوئی۔

اس نے پہلی پیالی رملی کو دی۔مگر رملی کے چہرے پر ننھی ننھی شبنم کی بوندیں شاید اسے نظر نہیں آئیں۔دوسری پیالی یاور کی طرف بڑھائی......تو یاور مچل کر بولا۔

ڈارلنگ آج تو تم قہوہ مجھے اپنے ہاتھ سے پلاؤ۔

For more visit (exponovels.com)

exponovels

کیوں جی......؟ جیدہ نے اس کی پیالی سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی۔

آج یہ دورہ کیوں پڑا ہے......؟

یاور نے جیدہ کی کلائی پکڑ لی۔

تم جاتی ہو میں جانے نہیں دوں گا۔ پہلے مجھے قہوہ پلاؤ......اچھا بھئی اپنی پیالی تو پرے رکھ دوں۔

نہیں اپنی پیالی یہیں رہنے دو۔ وہ میں تمہیں خود پلاؤں گا۔

یاور جب تم بچوں والی ضدیں کرتے ہو تو مجھے بڑا غصہ آتا ہے۔ جیدہ پلنگ کی پٹی پر بیٹھ گئی اور پیالی اٹھا کے اس کے منہ کے ساتھ لگا دی۔

تم سے سو بار کہا ہے میں نے کہ مجھے گھر میں اپنا بچہ ہی سمجھا کرو۔

بس تمہارے ناز اٹھاتے اٹھاتے تو میں مر مٹ جاؤں گی۔

ڈارلنگ ایسی باتیں منہ سے نہیں نکالتے۔ دیکھو تمہاری سہیلی کیا کہے گی۔

رملی آہستہ آہستہ قہوے کے گھونٹ پینے لگی اور یاور کی فطرت پر غور کرنے لگی۔

تھوڑی دیر کے بعد جیدہ نے اٹھ کر کہا۔

تم اپنی پسند بتاؤ رملی ہمارے پاس بہت اچھی Collection ہے۔

میری کوئی پسند نہیں ہے۔

میں نہیں مان سکتی۔ جیدہ نے کہا۔

بھئی اصل میں مجھے تو درد بھرے گیت پسند ہیں۔ اور آج کے زمانے میں درد بھرے گیت کون سننا چاہتا ہے۔

اس کا مطلب ہے تمہاری زندگی میں کوئی ٹریجڈی ہوگئی ہے۔ خدانخواستہ رملی کا دل دھڑک اٹھا۔ اسی وقت یاور بولا۔

جو لوگ دوسروں کو غم دیتے ہیں۔ انہیں ہمیشہ دردناک گانے پسند آتے ہیں۔

رملی خوشی اور غم کے درمیان معلق ہوگئی۔

کسی بات کی نہ تردید کی جاسکتی تھی نا تائید......!

اچھا پہلے میں یاور کی پسند کے گیت لگاتی ہوں اس نے اٹھ کے نئی ٹیپ لگا دی۔

وہی عشق کا رونا وہی حسن کی بے نیازی۔

وہ لوگ تھوڑی دیر تک گانے سنتے رہے اور رملی رسالے الٹ پلٹ کر دیکھتی رہی۔

ایک دم جیدہ نے اٹھ کر کیسٹ ریکارڈ بند کر دیا۔ اور کہنے لگی۔

رملی کیا خیال ہے۔ آج یاور سے گیت نہ سنے جائیں......؟

یہ......یہ......گاتے ہیں۔ اس نے حیرت سے پوچھا۔

ہائے ظالم بہت اچھا گاتا ہے۔ اس کی آواز نے ہی تو مجھے لوٹا تھا۔

بس کرو جیدہ......یاور ہلکی آواز میں بولا۔ اب پرانی باتوں کو مت کریدو۔ ایک زمانے میں گا لیا کرتا تھا۔ اب تو یاد بھی نہیں۔

دیکھا......اس کا ثبوت دیکھ لو۔ جیدہ نے رملی کی طرف دیکھ کر کہا۔ گانے والوں کی طرح یاور ہمیشہ پہلے نخرے بہت کرتا ہے اور پھر منتیں بھی بہت کرواتا ہے......اب تم جتنی منتیں کر سکتی ہو کر و......میں تو آج منتیں نہیں کروں گی۔

تھوڑی دیر وہ دونوں اسے تنگ کرتی رہیں۔ بالآخر یاور نے اپنی گھمبیر اور سر میں ڈوبی آواز میں ایک غزل گنگنانی شروع کر دی۔

رات گئے جب جھومتے جھامتے زند چلے میخانے سے
شمع لپٹ لپٹ کر روئی ادھر جلے پروانے سے

اس کی آواز میں لوچ تھا۔ سوز تھا۔ اور وہ بھی خوب ڈوب کر گا رہا تھا۔ دونوں ہی کھو گئی تھیں۔ یہ شعر اس نے بار بار سنایا۔

ہنستی آنکھیں جھک جاتی ہیں، گال گلابی ہو جاتے ہیں
اور نکھر آتا ہے۔ تیرا حسن ترے شرمانے سے

غزل ختم ہوئی تھی کہ باہر سے گھنٹی کی آواز آئی۔ رملی جیسے ہوش میں آ گئی۔

واقعی نوکر اسے بلانے آیا تھا۔ کہہ رہا تھا بڑی بیگم صاحب بلا رہی ہیں۔ رملی نے گھڑی دیکھی اس وقت رات کے دس بج رہے تھے اور وہ تھوڑی سی دیر کا کہہ آئی تھی۔

اس نے یاور اور جیدہ کو خدا حافظ کہا اور باہر نکل گئی۔

گھر پہنچی تو امی معوذ کو کندھے سے لگائے غصے سے ٹہل رہی تھی۔

کیا ہو گیا ہے تمہیں رملی......؟

For more visit (exponovels.com)

یہ کب کا جاگا ہے......؟

اس نے امی جان کا جواب دینے کی بجائے۔معوذ کو اٹھا لیا۔

تمہارے جانے کے آدھ گھنٹہ بعد ہی جاگ گیا تھا اور رو رو کر اس کا حال برا ہو گیا ہے۔میں بہلاتے بہلاتے عاجز آ گئی۔آخر اب نوکر کو بھیج کر بلوایا۔تم اتنی غیر ذمہ دار تو نہیں تھیں۔رملی نے معوذ کو اپنے سینے سے لگا لیا۔اس کی ننھی منھی سسکیاں اب بھی سنائی دے رہی تھیں اور معصفا آنکھوں کے باہر آنسوؤں کے قطرے جمے تھے۔حالانکہ لوگ کہتے ہیں اتنے معصوم بچے کو آنسو نہیں نکلتے......پتہ نہیں معصوم فرشتہ کس کرب سے رویا ہوگا کہ آنسو رخساروں پر جمے تھے۔

رملی اسے سینے سے چمٹا کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

میں صدقے جاؤں میرے بچے۔

رملی نے کرب سے سوچا۔

دوسری بار ایسا ہوا کہ میں اپنے بچے کو بھول گئی۔

خدایا......خدایا......کس ڈگر پر میرا پاؤں جا پڑا ہے......میری لاج تیرے ہاتھ میں ہے۔

ہر عورت کی لاج اپنے ہاتھ میں ہوتی ہے۔

اس کے دل نے جواب دیا۔کیا تو نہیں جانتی تو ایک بچے کی ماں ہے......اور بچے کی ماں کو خواب دیکھنے کا حق نہیں ہوتا۔اس کا ہر خواب بچے کے پنگھوڑے سے نکلتا ہے اور بچے کی صورت میں سما جاتا ہے۔

اس نے جھک کر معوذ کا چہرہ چوم لیا۔ایسی خوشبو نکل رہی تھی اس کے چہرے سے جس پر قربان ہو جانے کو دل چاہتا تھا۔

معوذ میرے بچے میرا دل دو ٹکڑے کیوں ہوا جاتا ہے......؟

ایک ٹکڑا تیرے ہاتھ میں ہے۔اور دوسرا ٹکڑا......!

اور تو میرے دل کو مضبوطی سے تھام لے بیٹے......آخر اس گھمبیر آندھی میں ہر بار تیرا ہاتھ مجھ سے کیوں چھوٹ جاتا ہے۔

نہیں نہیں......

اس نے بے تاب ہو کر معوذ کو اپنے سینے میں بھر لیا اور رونے لگی۔

رملی معوذ کو نہلا دھلا کے صاف کپڑے میں لپیٹ کر باہر لائی تو بے جی اپنی محفل سجائے بیٹھی تھیں۔اس وقت ان کے پاس محلے کی چند سات تعلیم یافتہ اور فیشن ایبل

exponovels

خواتین بیٹھی تھیں۔ چائے کی ٹرالی آگے رکھے بے جی انہیں مٹھائی پیش کر رہی تھیں۔ پچھلے ہفتے رملی معاذ کے ساتھ اپنے گھر آ گئی تھی۔ ساری کالونی کی عورتیں بے جی سے اس قدر پیار کرتی تھیں کہ ہر روز کوئی نہ کوئی انہیں پوتے کی مبارکباد دینے آ جاتی۔ کوئی مٹھائی کا ڈبہ لا رہی تھی۔ تو کوئی خوشبوؤں میں بسا ہوا تحفہ۔

آج بھی یہ سب عورتیں مل کر بچے کی مبارکباد دینے آئی تھیں اور تھوڑی دیر پہلے بے جی نے رملی کو آواز دے کر کہا تھا کہ وہ معوذ کو لے کر باہر آ جائے۔

رملی نے جلدی سے معوذ کو نیم گرم پانی سے نہلا کے خوشبوؤں میں بسا دیا اور اب اٹھا کر باہر لے آئی تھی۔

باہر نکلی تو ان عورتوں نے لپک کر معوذ کو اٹھا لیا۔ باری باری سب نے دیکھا اور پیار کیا۔ کسی نے تحفے کا پیکٹ دیا تو کسی نے پیسے دے دیئے۔

پھر بے جی نے معوذ کو گود میں لے لیا اور تھپک تھپک کر سلانے لگیں۔ معوذ بے جی کی گود کا اتنا عادی ہو گیا تھا کہ ادھر وہ اسے گود میں لٹاتیں اور ادھر وہ ان کی آغوش کی مہک پا کر آنکھیں موند لیتا۔ رملی بھی چپ چاپ ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

مگر یوں بیٹھی جیسے اس کی کرسی پر کانٹے بچھے ہوں۔ چہرہ اترا ہوا تھا اور آنکھوں میں ڈس لینے والا اضطراب تھا۔ زبان کہیں گم صم ہو گئی تھی۔ مگر ذہن کشمکش کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔

پتہ نہیں زندگی کے پہلو سے ہر بار نوکیلے کانٹے دار کیوں نکل آتے ہیں۔ کبھی وہ سامنے دروازے کی طرف دیکھتی اور کبھی ہاتھ پھیلا کر اپنی گوری ہتھیلیوں کو دیکھنے لگتی۔ جس پر بڑی مدھم مدھم لکیریں تھی۔ کالج کے زمانے میں بھی وہ ہمیشہ پین لے کر اپنی دل و دماغ اور زندگی کی لکیروں کو گہرا کر دیا کرتی تھی۔ بہت جینے کا ارمان تھا اس کے دل میں...... اور اپنی زندگی کی مدھم سی لکیر سے بڑا ڈر لگتا تھا لیکن قسمت کی لکیر پر جو بالکل غیر واضح تھی۔ اس پر سارا دن پنسل چلایا کرتی اب اسے معلوم تھا کہ سارا دن قسمت کی لکیر پر پنسل چلانے سے قسمت بدل نہیں جایا کرتی۔

افسانوں اور فلموں والی باتیں سوچا کرتی کہ اگر زندگی کا پہیہ الٹا چلنا شروع ہو جائے تو کیا ہو......؟

ہوا یوں تھا کہ کل اسے جیدہ کا فون آیا تھا۔ پہلے تو جیدہ نے اس سے شکوہ کیا کہ وہ سسرال جا کر اسے بھول گئی ہے۔ پھر بولی۔

کل شام ہم آئیں گے...... تیرا گھر دیکھنے......؟ تیرے شوہر سے ملنے......؟

اسے یوں لگا جیسے جیدہ کہہ رہی ہے۔

کل شام ہم تیرا مقتل دیکھنے آئیں گے۔

تیرا زندان دیکھنے آئیں گے۔

تیرا تابوت دیکھنے آئیں گے۔

For more visit (exponovels.com)

اور وہ آخری کیل بھی جو تیرے تابوت میں ٹھونکا گیا ہے۔

اور اس خیال سے ہی اس کے اندر محرومیوں کے ناگ سرسرانے لگے تھے۔

ہم آئیں گے۔

یعنی وہ اور یاور......!

کتنے دن ہو گئے تھے یاور کو دیکھے ہوئے۔ اس کا نام سنتے ہی اسے دیکھنے کی تڑپ جاگ اٹھی......لیکن پھر ایک دم اپنی کھوکھلی زندگی کا خیال آ گیا۔

وہ جب معاذ کو دیکھے گا تو کیا کہے گا......؟

کہ گلاب کی کلی ببول سے لٹک رہی ہے۔

اندھیرے سرنگ کے دہانے پر خوش رنگ کی شمع روشن ہے۔

سارے راز کھل جائیں گے۔

پتہ نہیں وہ ان کے آنے پر اپنے دل کی دھڑکنوں کو سنبھال سکے گی یا نہیں......اگر ڈگمگ ڈول گئی۔

اگر معاذ نے اس کی نگاہ کی چوری پکڑ لی۔

اگر بے جی کو شک ہو گیا......؟

کتنی دانا و بینا ہیں بے جی......اڑتی چڑیا کے پر تول لیتی ہیں۔

اس وقت بھی گویا وہ کرسی پر نہیں بیٹھی تھی بلکہ کرچیوں پر چل رہی تھی۔

بے جی نے اسے چپ دیکھ کر کہا۔

تم بھی کچھ لو نا دوہٹی......؟

اچھا جی کہہ کر رطی......جلدی سے ٹرالی پر ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگی۔

بے جی آپ کی بہو بہت خاموش طبع ہے۔ گلنار زیدی نے ہنس کر کہا۔ اسے بھی باتیں کرنا سکھائیں نا؟

اب سیکھ جائے گی باتیں کرنا۔ بے جی نے بھی ہنس کر جواب دیا۔

کتنی بھی کم گو ماں کیوں نہ ہو......بچے اسے باتیں کرنا سکھا دیتے ہیں۔ بک بک چخ چخ کرنے کی عادت ڈال دیتے ہیں۔ تم لوگ تو اس تجربے سے گزری ہو۔

For more visit (exponovels.com)

کتنا چیخنا پڑتا ہے ان بچوں کے ساتھ......!

اف......راضیہ آفریدی نے پیالی رکھ کر کانوں کو ہاتھ لگائے۔

بے جی۔جب میری شادی ہوئی تھی نا؟ تو لوگ میری ساس سے بھی یہی کہتے تھے کہ کتنی کم آمیز ہے آپ کی بہو...... جب اوپر تلے چار بچے ہو گئے تو سارا محلہ میری آوازیں سنا کرتا تھا۔ایک بار میری ایک ہمسائی نے آ کر کہا۔یوں لگتا ہے۔آپ کے گلے میں مائیکروفون فٹ ہو گیا ہے۔

اس پر ساری عورتیں قہقہہ لگا کر ہنسنے لگیں۔رملی ان کی دیکھا دیکھی بس ذرا سا مسکرائی، بھلا اس میں ہنسنے کی کون سی بات تھی۔اس نے دل میں سوچا عورتیں پاگل ہوتی ہیں۔خواہ مخواہ ہنسنے کے بہانے ڈھونڈتی ہیں۔

ویسے ماشاءاللہ آپ کی بہو بڑی تابعدار ہے۔فریحہ شیخ نے رملی کی طرف دیکھ کر کہا۔

ایک ہی بیٹا ہے۔آپ کا......اللہ نے آپ کو آپ کی خوش اخلاقی کا ثمر دیا ہے۔

تیرا بیٹا کیسا ہے۔اب سکول تو جاتا ہے نا؟......بے جی نے جھٹ پوچھ لیا۔

جو لڑکا تین بہنوں کے بعد پیدا ہو۔اس کی پرورش کرنا بہت مشکل کام ہے۔تو ایک بیٹا اور ضرور پیدا کرتا۔

توبہ ہے بے جی......فریحہ شیخ نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔ایک نے ہی مجھے تگنی کا ناچ نچا رکھا ہے۔تین لڑکیاں تو پھولوں کی طرح پل گئی تھیں۔

ہاں لڑکی ذات ہی ایسی ہے......بے جی نے ڈوب کر کہا۔

بڑی میٹھی چیز ہوتی ہے بیٹی۔اس کے پیدا ہونے پر اتنی خوشی نہیں منائی جاتی۔اس لئے بے چاری پیدائش کے بعد کوئی تکلیف نہیں دیتی۔اس طرح شرمندہ شرمندہ بڑھنے لگتی ہے۔جیسے پچھواڑے کوئی بیل لگا دو تو اپنے آپ دیوار سے لپٹتی جاتی ہے۔بڑھتی جاتی ہے۔عورت کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے نرمی اور لچک رکھی ہے۔یہی وجہ ہے کہ نئے گھر اور نئے ماحول میں اپنے آپ کو کھپا لیتی ہے کیسے تلخ حالات کیوں نہ ہوں سمجھوتہ کر لیتی ہے۔کیسا بھی مرد قسمت میں کیوں نہ لکھا ہو۔دیوار کی معصوم بیل کی طرح اس سے لپٹ جاتی ہے......اس پر زندگی وار دیتی ہے۔

(یہ جھوٹ ہے بے جی......سب جھوٹ ہے......)

چائے پیتے ہوئے رملی کو اچھو لگ گیا۔کھانسی کا بہانہ کر کے اٹھ گئی اور غسل خانے میں جا کر بیسن پر لگے شیشے کے آگے کھڑی ہو کر اپنی پریشان صورت دیکھنے لگی۔

(ہر لڑکی بیل نہیں ہوتی بے جی......اور کبھی آپ نے کالی چٹان کے سینے پر لپٹی کوئی بیل دیکھی ہے......؟

یہ سب آپ جیسی بڑی بوڑھیوں کے مفروضے ہیں۔

لپٹنے کے لئے بیل کو ریشمی دیوار کا دلکش سینہ درکار ہے۔

اندھیرے غار سے کوئی بیل نہیں پھوٹتی۔

اپنے بیٹے کی صورت دیکھیں۔

خواہ مخواہ لڑکی بے چاری کے گرد فرسودہ روایات کی دیواریں نہ چنیں)

تھوڑی دیر بعد آنکھیں صاف کر کے...... اپنے چہرے پر خوش دلی کا ماسک چڑھا کے وہ باہر آ گئی۔

شکر ہے موضوع تبدیل ہو چکا تھا۔

بے جی رابعہ آپ سے ملنے آئی ہے؟ رانی بلوچ نے شوخی سے سوال کیا۔

ابھی تو نہیں آئی بے جی نے جواب دیا۔ کیا وہ ابوظہبی سے آ گئی ہے؟

ہاں ہاں...... گلنار زیدی نے ہاں میں ہاں ملائی۔

ابھی تو بے چاری ہر روز نیا جوڑا پہن کر محلے والوں کو اپنی شاپنگ دکھاتی پھر رہی ہو گی۔

آئے گی آپ کے پاس بھی۔

اللہ نے دے رکھا ہے تو کیوں نہ ہر روز ایک جوڑا پہنے۔ بے جی نے ہمدردی سے کہا۔

بے جی یہاں کون سی عورت ہے جو روز ایک جوڑا نہیں بدلتی۔ وہیدہ منیر نے تنگ کر کہا۔ خواہ مخواہ شو آف کرنے سے فائدہ......؟

مگر رابعہ تو جن دنوں نئی نئی ابوظہبی سے آتی ہے، روز دو جوڑے بدلتی ہے۔ نئے نئے پرنٹ پہن کر لوگوں کو للچاتی ہے۔ اس مرتبہ تو کہہ رہی تھی کہ وہ کسی کے لئے دو

وی سی آر بھی لائی ہے اور بڑے فخر سے بتا رہی تھی کہ اس نے چالیس ہزار روپے کی کسٹم ڈیوٹی ادا کی ہے......؟

سویرا صادق نے تفصیلی بیان دیا۔

اف چالیس ہزار روپے کی کسٹم ڈیوٹی اف...... وہیدہ منیر اپنے گلے پیٹنے لگی۔

لوگوں کے پاس اتنی دولت کہاں سے آ گئی ہے؟

تم لوگ ہی تو کہہ رہی ہو کہ پچھلے بیس سال سے اس کا خاوند ابوظہبی میں محنت کر رہا ہے۔ بے جی نے کہا۔

تو اس کا یہ مطلب نہیں بے جی وہ ہمیں بن ٹھن کے دکھائے اور ہمارے اندر احساس محرومی پیدا کرے۔ شہلا فاروق جو ابھی تک خاموش بیٹھی تھی۔ جل کر بول اٹھی۔

exponovels

For more visit (exponovels.com)

اگر اس کا خاوند اور نام تم لگا کے اتنا پیسہ کما رہا ہے تو ہم کیا کریں۔ ہم اپنے شوہروں کو ڈاکہ ڈالنے کی ترغیب تو نہیں دے سکتیں۔

جھلیو...... بے جی نے معوذ کو اٹھا کر دوسرے گھٹنے پر ڈال لیا۔ اور بولیں کیا پڑا ہے اس کپڑے زیور میں ...... مجھے بڑی حیرت ہوتی ہے۔ میں دیکھتی ہوں ہماری عورتیں کپڑے کے پیچھے دیوانی ہیں۔ ان کے جنون نے ہر شہر میں اسمگل شدہ کپڑوں کے چور بازار کھلوا دیئے ہیں۔ ہمارے زمانے کی عورت اچھی تھی بالکل سادہ پہناوا تھا۔ جس کی پہلوٹھی کی بیٹی ہو جاتی تھی وہ تو بالکل سادگی پر اتر آتی تھی یہاں جوان بیٹیاں اور مائیں ایک سے ملبوسات پہن کر نکلتی ہیں۔ دراصل اب احترام بر بنائے دولت ہو گیا ہے۔ حسب نسب کو کوئی نہیں پوچھتا۔ بس پہناوا دیکھتے ہیں۔ اس لئے تو رذیلوں اور نجیبوں کا فرق مٹ گیا ہے۔

سچ کہتی ہیں آپ بے جی...... وحیدہ منیر نے حسب عادت جلدی سے بے جی کا ساتھ دیا۔

بے جی ہم کیا کریں؟ رانی بلوچ بولی۔ کچھ ہوا ہی ایسی چل نکلی ہے۔ جو اچھا اور قیمتی لباس نہ پہنے اسے کوئی شریف سمجھتا ہی نہیں۔

کڑیو! تم میرے پاس کیوں آ بیٹھی ہو......؟ بے جی نے سوال کیا۔

بے جی آپ تو اتنی پیاری شخصیت ہیں...... اور آپ کے پاس باتوں کا خزانہ ہے۔ سچ آپ کی باتیں سن کر بڑا مزہ آتا ہے کبھی کبھی میرا شوہر بھی آپ سے جلنے لگتا ہے۔ سویرا صادق ایمانداری سے بولی۔

میں تو خوش لباس نہیں ہوں۔ بے جی بولیں۔ لٹھے کی شلوار ململ کا دوپٹہ اور لان کی قمیض پہنتی ہوں اور مجھے کبھی فرق بھی نہیں پڑا۔ ساری عمر سادہ لباس پہنا ہے۔ مگر زندگی سے سیکھنے کی کوشش کی ہے۔ کڑیو! دوسروں پر اپنی شخصیت کا رعب ڈالنے کے لئے کچھ سیکھو۔ علم حاصل کرو۔ کپڑے تو آج کل ڈومنیاں اور میراثنیں بھی بہت اعلیٰ پہننے لگ گئی ہیں۔

ہم سے اس عمر حاصل نہیں ہوتا بے جی...... شہلا فاروق نے بیزاری سے کہا۔ بڑی مشکل سے اسکول اور کالج کے امتحانوں سے جان چھوٹی ہے۔

پھر ساری کی ساری ہنسنے لگیں۔

جاری ہے...

For more visit (exponovels.com)

بے جی نے اٹھ کر معوذ کو اس کی کھاٹ میں لٹایا اور کھاٹ کے اوپر جالی کا دوپٹہ ڈال دیا پھر رملی سے بولیں۔

چائے کے جھوٹے برتن اٹھا لو......!

رملی نے پیالیاں ادھر ادھر سے اٹھا کر ٹرالی کے نچلے حصے میں جمائیں اور ٹرالی گھسیٹتی ہوئی باورچی خانے کی طرف لے گئی۔

دیکھو کڑیو! بے جی دوبارہ پلنگ پر چوکڑی مار کے بیٹھ گئیں اور بولیں۔

آج کل ہر کوئی اچھا کپڑا پہن سکتا ہے۔اس لئے نہیں کہ ہر ایک کے پاس دولت آ گئی ہے اس لئے کہ ہر ایک کو پہننے کا شعور آ گیا ہے۔یا دوبا چل نکلی ہے۔

مگر یہ اسراف ہے۔میرا خیال ہے عورتوں کو چاہئے اپنی عادات میں خود توازن پیدا کریں۔

بے جی...... رانی بلوچ جلدی سے بولی۔

یہ جو بازار کپڑوں سے بھرے رہتے ہیں۔ان کا کیا کریں۔انہیں دیکھ دیکھ کر دل للچاتا ہے۔

اول تو اپنے دل کو مناؤ، بے جی نے محبت سے کہا۔شوہر بڑی محنت سے پیسے کماتے ہیں۔اسے کسی اچھے کام میں لاؤ۔

یہاں مہینہ مشکل سے گزرتا ہے بے جی...... فریحہ شیخ بولی۔اور آپ کہتی ہیں پیسے کو کسی مصرف میں لاؤ۔

اور پھر ہر مہینے تو کپڑوں کا فیشن بدل جاتا ہے۔ہم کیا کریں۔گلنار زیدی پھر بولی۔

یہی تو میں کہہ رہی ہوں، یہ صرف تمہاری سوچ کا انداز ہے۔بس اتنے کپڑے بنایا کرو جتنے ایک انسان کے لئے ضروری ہیں۔اپنے اوپر جبر کر کے ایسا کرو۔اور ایک دو جوڑے کم کر کے وہ پیسے کسی ضرورت مند کو دے دیا کرو۔مثلاً تم سب کالونی کی عورتیں مل کر سال میں دو تین جوڑے کم کر دو۔اوران پیسوں کو جمع کر کے کسی غریب کسی یتیم لڑکی کی شادی کر دیا کرو۔دیکھنا تمہیں کتنی خوشی ہوگی اور اس فعل سے اللہ بھی خوش ہوگا۔

لو اور سنو......راضیہ آفریدی نے قہقہہ لگا کر کہا۔

پہلے تو کسی یتیم لڑکی کی تلاش کریں۔ڈھنڈورا پیٹیں......گلی گلی گھومیں اور پھر......!

بے جی نے پیار سے جھڑکا۔ڈھنڈورا پیٹنے کی کیا ضرورت ہے۔صرف اپنے اردگرد دیکھنے کی ضرورت ہے۔محلے میں آس پاس۔رشتہ داروں میں...... بہت سے سفید پوش نظر آ جاتے ہیں۔وہ اول خویش والا محاورہ تم نے سنا ہے۔کون سا خاندان ہے جس میں غریب رشتے دار نہیں ہوتے...... مگر لوگ تو غریبوں کو رشتہ دار کہتے ہی نہیں اور دور دور جا کر مدد کرتے ہیں۔

exponovels

اس بات کا جواب ان عورتوں میں سے کسی کے پاس نہ تھا......

رملی برتن رکھ کر آئی تو پھر اپنی کرسی پر بیٹھ گئی۔اب خواتین پھر موضوع بدلنا چاہتی تھیں۔اس لئے رانی بلوچ نے راضیہ آفریدی سے پوچھا۔

تم نے نیا فلیٹ خرید لیا ہے۔

وہ بولی ہاں خرید تو لیا ہے۔مگر ابھی فرنش نہیں کیا۔

کب جارہی ہو......؟

دو مہینے تو لگ جائیں گے؟

تم یہ گھر چھوڑ رہی ہو راضیہ۔بے جی نے اس سے پوچھا۔

ہاں بے جی کرایہ بہت زیادہ ہے اور پھر اپنا گھر تعمیر کرنے کی ہمت بھی نہیں ہے اس لئے ہم نے بنا بنایا فلیٹ خرید لیا ہے۔

کمرے بہت چھوٹے ہیں ان اپارٹمنٹس کے......سویرا صادق نے کہا۔میں نے دیکھے تھے۔بھئی میرا دم گھٹنے لگا تھا۔

ظاہر ہے تمہاری اتنی بڑی ذاتی کوٹھی ہے تمہارا تو دم گھٹے گا ہی۔راضیہ نے طنزاً کہا۔

مگران فلیٹوں کا ایک فائدہ بھی ہے۔رانی بلوچ پھر شوخی پر اتر آئی۔کم از کم رشتہ داروں سے نجات مل جاتی ہے۔کوئی رہنے کے لئے نہیں آتا۔

ساری خواتین ایک دوسرے کو آنکھیں مار کے ہنسنے لگیں۔

خصوصاً سسرالی رشتہ دار......یہ گلنار زیدی تھی۔

بے جی بھی ہنسنے لگیں۔

پھر کہنے لگیں۔

دیکھو کڑیو! زمانے کے تقاضے ہمارے دیکھتے دیکھتے بدل گئے ہیں۔پتہ نہیں اسے انقلاب کہتے ہیں یا ارتقاء......!

پہلے زمانے میں جب مہمان گھر میں آتے تھے تو انہیں باعث رحمت سمجھا جاتا تھا۔اب انہیں مصیبت سمجھا جاتا ہے۔ہمارے زمانے میں بڑے خوبصورت دستور تھے۔اور گھر بہت چھوٹے چھوٹے ہوا کرتے تھے۔یعنی ایک گھر میں ہی ساس سسر، دیورانیاں، جٹھانیاں رہا کرتی تھیں۔بعض دفعہ صرف ایک کمرہ حصے میں آتا ہے اور ایک کمرے والے گھر میں جب کوئی عزیز رشتہ دار آ جاتا تھا تو بڑی خوشی منائی جاتی تھی ان کے لئے پلنگ بچھائے جاتے تھے بستر لگائے جاتے تھے کھانے پکائے جاتے تھے

exponovels

تکراب میں دیکھتی ہوں۔ جدید گھروں میں بچوں کے بیڈ روم الگ الگ ہوتے ہیں۔ اور اگر فالتو مہمان آ جائیں تو انہیں ڈرائنگ روم کے فرش پر سلا دیا جاتا ہے اور وہ بھی بے چارے چور بن کر آ جاتے ہیں اور جہاں جگہ ملے سما جاتے ہیں۔

ہم ہمیشہ اپنے بچوں کو زمین پر سلا دیتے تھے اور پلنگ مہمانوں کے حوالے کرتے تھے۔ اب گھر کشادہ ہو گئے ہیں اور دل تنگ ہو گئے ہیں۔

آج کل کے بچے اور طرح کے ہیں بے جی...... شہلا فاروقی نے کہا۔ ان کی کھانے کی کرسی پر کوئی مہمان بیٹھ جائے تو وہ روٹھ جاتے ہیں۔

تم پڑھے لکھے لوگوں نے ان بچوں کو خود غرض بنایا ہے۔ اپنی نا آسودہ حسرتیں ان پر نکالتے ہو۔ یہ تن آسان اور لالچی ہو جاتے ہیں۔

ہاں بے جی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ سویرا نے فوراً تسلیم کر لیا۔ اس میں سب قصور ہمارا ہے۔

پہلے زمانے بھی عجیب ہوتے تھے...... بے جی نے اتنی حسرت سے کہا کہ سارے پرانے زمانے ان کی آنکھوں میں اتر آئے۔ لوگ لوگوں سے مل کر خوش ہوتے تھے۔ اب لوگ لوگوں پر برتری ثابت کر کے خوش ہوتے ہیں۔ بچوں کو پالنے کا ڈھنگ بھی نرالا تھا۔ بچے مہمانوں کا ادب کرتے تھے۔ اچھا اچھا کھانا مہمانوں کو پیش کرنے کا رواج تھا اور جو جھوٹا موٹا بچ جاتا۔ وہ بچوں کو کھلا کر سلا دیا جاتا۔ بچے بھی بالکل احتجاج نہ کرتے تھے۔ اب تو بھئی نئے زمانے کے تقاضے ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں۔ ہر ماڈرن ماں پہلے اپنے بچوں کو ٹھونس ٹھانس کر کھلا دیتی ہے۔ پھر جو بچ جاتا ہے مہمان کو پیش کر دیا جاتا ہے۔ میں نے بعض گھروں میں دیکھا ہے۔ ریفریجریٹر پھلوں سے بھرا رکھا ہے اور کھانے کی میز پر کچھ مہمان آ گئے۔ اب بچہ ضد کر رہا ہے کہ آم کھاؤں گا تو ماں اسے ایک طرف لے جا کر کہتی ہے۔ جاؤ فریج میں سے نکال کے اپنے کمرے میں بیٹھ کے کھا لو۔ اس طرف مت لانا۔ مہمانوں کو کھلانا پڑ جائے گا۔

اس پر ساری عورتوں نے پھر قہقہہ لگایا۔ جیسے بے جی نے ان کے دل کی بات چرا لی ہو۔

بے جی...... کہیں یہ سب حد سے زیادہ مہنگائی کی وجہ سے تو نہیں......؟

ویدہ منیر نے سنجیدگی سے کہا۔

اے بی بی! بس رہنے دے...... کبھی کسی کو کھلانے سے بھی کمی واقع ہوئی ہے ہر آدمی اپنا نصیب لے کے آتا ہے۔

اچھا ایک بات تو بتائیں بے جی...... رانی بلوچ پھر شوخی پر اتر آئی۔

آپ تو کہتی ہیں آپ اگلے زمانے کی ناخواندہ عورت ہیں۔ پھر آپ کو اتنی باتوں کا پتہ کیسے چل جاتا ہے......؟

اب بے جی کے ہنسنے کی باری تھی۔ اچھی طرح ہنس کر بولیں۔

For more visit (exponovels.com)
exponovels

آنکھیں اور دماغ تو رکھتے ہیں نا؟ اردگرد جو کچھ ہوتا ہے۔ اس کا مشاہدہ تو کر سکتے ہیں۔ انسان کے اندر سے سوچ کی قوت نہیں ختم ہونی چاہئے۔ آج کل کا تعلیم یافتہ طبقہ ہمیشہ دوسرے کے فلسفے کے حوالے دیتا ہے۔

اپنا ذاتی فلسفہ نہیں رکھتا۔ میرے خیال میں انفرادی سوچ نہ رہے تو انسان سب سے بڑا جاہل بن جاتا ہے۔

ہائے کتنی دیر ہو گئی ہے۔ وحیدہ منیر نے شرمندگی سے کہا۔ بے جی کی باتوں میں وقت کا پتہ ہی نہیں چلتا...... تم سب کا چلنے کا ارادہ ہے یا نہیں۔

ابھی وہ آخری فقروں کا تبادلہ کر رہی تھی کہ سامنے معاذ نمودار ہوا...... اس نے قریب آ کے سب کو سلام کیا۔ کسی نے بیٹے کی مبارکباد دی تو کسی نے کوئی شوخ فقرہ کہہ دیا۔ وہ سر جھکائے اندر چلا گیا۔

سب خواتین کھڑی ہوئیں تو رملی بھی کھڑی ہو گئی۔ پھر ان سب کو خدا حافظ کہہ کے وہ معاذ کے پیچھے ہی اپنے بیڈروم میں آ گئی۔

معاذ نے ٹائی کی گرہ ڈھیلی کی...... کوٹ اتارا...... اور تھکے ہوئے انداز میں صوفے پر بیٹھ گیا۔

رملی نے پوچھا...... آپ کے لئے چائے لے آؤں......؟

اگر تیار ہے تو لے آؤ۔

باورچی خانے میں گرم چائے رکھی تھی۔ رملی ایک پیالی بنا کر لے آئی۔

اس نے جب پیالی معاذ کے ہاتھ میں پکڑائی تو وہ رملی کا چہرہ دیکھ کر بولا۔

کب آ رہے ہیں بھئی تمہارے مہمان......؟

رملی کے دل نے ڈبکی لگائی...... ایک ثانیے میں ڈوبا...... اور پھر ابھرا...... اسے محسوس ہوا جیسے اس کا رنگ تھوڑا سا اڑا ہے...... ایسے جیسے معاذ نے اس کے دل کی چوری پکڑ لی ہو۔

وہ ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی۔

چھ بجے آئیں گے۔

رملی نے کل ہی معاذ کو بتایا تھا کہ جیدہ اس کی بچپن کی دوست ہے۔ وہ اور اس کا شوہر کل معاذ سے ملنے آئیں گے۔ اس لئے وہ ذرا وقت پر گھر آ جائے۔

معاذ نے ہنس کر اس کی آنکھوں میں دیکھا اور بولا۔

For more visit (exponovels.com)

میں وقت پر آ گیا ہوں نا؟......ابھی صرف پانچ بجے ہیں۔

جی۔رملی نے آہستہ سے کہا۔

دیکھو میں کتنا فرمانبردار شوہر ہوں۔ ہے نا؟

جی......رملی نے آہستہ سے کہا۔

اس پر معاذ نے خوب اونچا قہقہہ لگایا اور کھڑا ہو گیا۔

اتنی سہی ہوئی کیوں ہو......؟ میں کوئی تمہیں کھا جاؤں گا......؟

کھڑے ہوتے ہی معاذ نے اپنی کالی انگلی سے اس کے زرد رخسار کو چھوا۔

تو وہ ڈر کر ایک دم پیچھے ہو گئی۔

معاذ نے ایک لمبی سی انگڑائی لی۔اور بولا۔

میری شلوار قمیض نکال دو۔نہا کر کپڑے بدل لوں۔تمہاری سہیلی کو بن ٹھن کے بھی تو دکھانا ہے۔

رملی کا دل چاہا کہ وہ معاذ سے کہہ دے کہ وہ شلوار قمیض نہ پہنے۔

سوٹ میں پھر بھی کچھ اچھا لگتا ہے۔مگر شلوار قمیض میں تو ایک دم جانور سا لگتا ہے۔مگر اس نے کچھ نہیں کہا......ہلکا جو گیا سوٹ نکال کر بستر پر رکھ دیا۔

معاذ نے نہا کر کپڑے بدل لیے تو شیشے کے آگے کھڑے ہو کر اپنے گھنے بالوں میں کنگھی کرنے لگا۔

وہ ان قطروں کو دیکھتی رہی جو اس کے لہریئے بالوں میں سے نکل رہے تھے۔

ایک دم سے مڑ کر معاذ نے رملی کی جلتی بجھتی آنکھوں میں دیکھا اور بولا۔

کہیں تمہاری سہیلی یہ نہ کہہ دے کہ تمہارا شوہر بدصورت ہے۔

اس لئے ذرا بناؤ سنگھار کر رہا ہوں۔

رملی نے نظریں جھکا لیں۔پتہ نہیں اس کی آنکھیں سارا راز فاش کر رہی تھیں یا معاذ ویسے ہی مذاق کر رہا تھا۔

رملی ادھر ادھر برتن اٹھا کر باہر نکل گئی۔باہر جا کر دیکھا تو معوذ اٹھ گیا تھا اور کھاٹ میں سے اس کے رونے کی آواز آ رہی تھی اور بے جی غالباً عصر کی نماز پڑھنے چلی گئی تھیں......

رملی نے معوذ کو اٹھایا اور اپنے بیڈ روم میں آ گئی۔ معاذ نے مڑ کر معوذ کو دیکھا تو جیسے اس کا سیاہ چہرہ روشن ہو گیا۔ آنکھوں میں محبتوں کی مشعلیں روشن سی ہو گئیں۔ بے تاب ہو کر اس نے معوذ کو رملی کے ہاتھوں سے لے لیا۔ اس کے ہاتھوں میں جاتے ہی معوذ پھر زور زور سے رونے لگا۔

ارے......ارے...... تجھے بھی اپنے ابو سے ڈر لگتا ہے۔

معاذ نے ایسے لہجے میں کہا کہ رملی کا سارا خون چہرے پر آ گیا۔ پتہ نہیں معاذ یہ سب معصومیت سے کہتا رہتا تھا۔ یا رملی کو کچوکے لگانا مقصود تھا۔

رملی نے آگے ہو کر معوذ کو اس کے ہاتھوں سے لے لیا اور بولی۔

یہ گیلا ہو رہا ہے۔ اس لئے رو رہا ہے۔

اسی وقت نوکرانی نے آ کر بتایا۔

جی آپ کے مہمان آئے ہیں۔

رملی کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ پھر ایک کٹھن گھڑی سامنے آ کھڑی ہوئی تھی اور وہ لوگ ٹھیک وقت پر آ گئے تھے۔ رملی نے معاذ کی طرف دیکھ کر التجا آمیز لہجے میں کہا۔

آپ ذرا چل کر ان سے ملیں۔ میں معوذ کا پیمپی بدل کے آتی ہوں۔

دراصل وہ معاذ کے ساتھ اندر جانا نہ چاہتی تھی اور نہ ہی اپنے منہ سے اپنے شوہر کا تعارف کرانا چاہتی تھی۔

معاذ باہر نکل گیا۔ تو اس نے ایک ٹھنڈی سانس چھوڑی اور معوذ کو لے کر غسل خانے میں چلی گئی۔

❀❀❀

exponovels

رملی جب ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو تعارف کا مرحلہ طے ہو چکا تھا۔ حسب عادت معاذ بڑی دلچسپ باتیں کر رہا تھا۔ جیدہ حیرت سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی اور یاور......!

یاور نے حسب معمول سگار میں پناہ لے رکھی تھی۔ اس کے چہرے کے اردگرد بے تحاشہ دھواں تھا۔ بظاہر وہ معاذ کی باتیں بڑی سعادت مندی سے سن رہا تھا۔ رملی کے اندر آنے پر معاذ اور یاور دونوں ایک ساتھ کھڑے ہو گئے...... یاور کے چہرے کے اردگرد ٹھہرا ہوا سفید دھواں بل کھا کر اوپر جانے لگا...... جس میں خود رملی کو یاور کے اپنے جذبات کا ردعمل نظر آیا...... اس نے دونوں مردوں کو چھلکتی سی نگاہ سے دیکھا اور سلام کر کے جھٹ بیٹھ گئی۔

بھئی تمہارے میاں تو بڑے دلچسپ آدمی ہیں۔

جیدہ نے اس کے بیٹھتے ہی کہا۔ جیدہ کے لہجے میں کچھ تھا یا نہیں۔ مگر اس کے چہرے پر جو طنز تھا رملی نے اسے صاف محسوس کر لیا تھا۔ اور تھوڑی سی باتوں کے بعد اٹھ کر چائے کے بہانے باہر آ گئی۔

چائے بنانے اور لے جانے میں اس نے خاصی دیر لگائی۔ اندر بھی وہ زیادہ تر تواضع میں ہی لگی رہی...... جان بوجھ کر یاور کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔ مبادا دونوں کی نظر لڑکھڑا جائے۔ مگر آج تو یاور بھی انجان بنا بیٹھا تھا۔ نظریں جھکائے خاموشی سے سگار پی رہا تھا۔ کبھی کبھی نظر اٹھا کر معاذ کی طرف دیکھ لیتا اور پھر نظریں جھکا لیتا۔ البتہ جیدہ پوری پوری سالی بنی ہوئی تھی اور باتوں باتوں میں اس کی کھنچائی کر دیتی۔

رملی گھبرا کر باہر نکل آئی اور بے جی سے بولی۔

بے جی آپ اندر نہیں آئیں گی......؟

کون آیا ہے......؟

میری ایک سہیلی اور اس کا میاں آئے ہیں۔

اگر بہت قریبی دوست ہیں تو میں آ جاتی ہوں۔

بے جی کی یہ عادت رملی کو بہت اچھی لگتی تھی۔ کبھی کسی بات سے انکار نہیں کرتی تھیں۔ ہر وقت ہر ایک کا دل رکھنے کو تیار......

For more visit (exponovels.com)

آ جائیں آپ بھی.........

آگے بڑھ کر رملی معوذ کو اٹھانے لگی تو بے جی نے اسے روک دیا۔ میں خود اسے لے کر اندر آ جاؤں گی۔

پتہ نہیں رملی آج پتا نہیں کیوں ڈھونڈتی پھر رہی تھی۔

وہ اور رملی آگے پیچھے داخل ہوئیں تو جیدہ نے بیٹھے بیٹھے سلام کر دیا۔ البتہ یاور پھر کھڑا ہوا۔

یہ.........رملی نے ہکلاتے ہوئے کہا.....میری سا.........یہ یہ معاذ کی امی ہیں۔ وہ ساس کہتے کہتے رک گئی۔ بے جی تو بالکل بھی ساس نہیں تھیں۔ وہ تو زندگی گزارنے کی میٹھی آس تھیں۔

وہی ہوا بیٹھتے ہی بے جی نے گھریلو قسم کی باتیں شروع کر دیں اور رملی کی جان چھوٹ گئی۔

ایک کونے میں معاذ اور یاور خالص کاروباری قسم کی باتیں کر رہے تھے اور دوسرے کونے میں بے جی رملی اور جیدہ خالص زنانہ قسم کی باتیں کر رہی تھیں۔

کتنے سال ہوئے تیری شادی کو.....بے جی نے پوچھا۔

سات سال.....جیدہ نے جواب دیا۔

اور کتنے بچے ہیں.....؟

جی بچے تو نہیں ہے۔ جیدہ نے محرومی کے انداز میں سر جھکا کر کہا۔

ہوا نہیں یا ہونے نہیں دیتے.....

بے جی نے پھر بے تکلفی سے پوچھا۔

بس جی.........جیدہ نے نظر اٹھا کر ان کی طرف دیکھا اور ٹھنڈی سانس لے کر بولی اب تو یہی سمجھ لیں کہ قسمت میں نہیں ہے۔

قسمت کا حال تو صرف اللہ جانتا ہے۔ بے جی نے وثوق سے کہا۔ اور اللہ سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ آج کل کے نوجوان جوڑے شروع میں کچھ غلطیاں کر لیتے ہیں۔ کیونکہ وہ اللہ کے کاموں میں دخل دینا چاہتے ہیں۔ اور پھر بعد میں مایوس ہو کر بیٹھ جاتے ہیں۔

رملی نے حیران ہو کر بے جی کی طرف دیکھا۔ بے جی کو اتنی گہری باتوں کا کیسے پتہ چل جاتا ہے۔ جیدہ کھسیا کر ہنسنے لگی۔ پھر بولی۔

آپ بزرگ ہیں.....آپ تو سب جانتی ہیں۔ آپ سے کیا چھپانا.....؟

exponovels

ہوگئی تھی ایک ایسی غلطی ......

مگر اب ......اب ساری زندگی اس کا خمیازہ بھگتنا ہے۔

یہ کہتے ہی جیدہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

انشاء اللہ تمہارے بچہ ہوگا۔ انسان کو کسی حالت میں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ اللہ مایوسی کو پسند نہیں کرتا۔ دوا کے ساتھ دعا بھی کیا کرو۔ اور نماز پڑھا کرو اللہ کو اس طرح یاد رکھنے کا طریقہ بہت پسند ہے۔

جیدہ نے سر جھکا لیا۔ اس کی تھوڑی سینے سے جا لگی۔ اسے تو پتہ نہیں کتنا عرصہ ہوگیا تھا...... کبھی نماز ہی نہیں پڑھی تھی۔ اللہ کو یاد نہیں کیا تھا۔ یاور کے ساتھ رہتے رہتے وہ نہ جانے کیسی ہوگئی تھی۔ کبھی پلٹ کر اس نے اپنی حالت پر غور نہیں کیا تھا۔

معوذ روشنی کے بلب دیکھ کر غوں غاں کرنے لگا اب وہ تقریباً دو مہینے کا ہوگیا تھا۔ اور خوب پھول رہا تھا۔ جب سے رملی اپنے گھر آئی تھی اس کی ساری ذمہ داری بے جی نے سنبھال لی تھی اس کی خوراک کا خیال رکھتیں۔ روزانہ تازہ مکھن سے اس کی مالش کرتیں اور نیم گرم پانی سے نہلاتیں۔ شہد میں ملا کر تھوڑا سا مکھن چٹا بھی دیتیں...... رملی ہائے ہائے کرتی رہ جاتی۔

مگر وہ اپنے ٹوٹکے استعمال کرتی رہتیں۔ رات کو بے جی معوذ کو اپنے کمرے میں سلاتیں تھیں۔

پہلے پہل معاذ نے بہت احتجاج کیا تھا۔ وہ کہتا۔

بے جی آپ بیمار رہتی ہیں۔ آپ کی آرام کرنے کی عمر ہے۔ سارا دن گھر کا کام کرتی ہیں۔ اور رات کو اس بچے کے ساتھ جاگیں گی۔

تو کیا ہوا۔ کیا تیرے ساتھ نہیں جاگتی تھی؟

اس وقت کی اور بات تھی۔ آپ جوان تھیں اور پھر ہر ماں اپنے بچے کے لئے جاگتی ہے۔

ارے یہ کیا کہہ رہا ہے پگلے۔ کیا معوذ میرا بچہ نہیں ہے۔

ہے تو بے جی...... معاذ شرمندہ ہوگیا...... میں جو کہہ رہا ہوں۔ اسے سمجھنے کی کوشش کریں۔

چل بڑا آیا مجھے سمجھانے۔ تو کیا جانے اصل سے بیاج زیادہ پیارا ہوتا ہے۔

معاذ ہنسنے لگا۔ پھر بے جی کو اپنے ساتھ لپٹا کر بولا۔

بے جی رملی کو ماں بننے دیں۔ اسے یہ تکلیفیں اٹھانے دیں۔ ایسا نہ ہو اسے آرام کی عادت پڑ جائے۔

For more visit (exponovels.com)

ابھی وہ بھی بچی ہے تو کیا ہاتھ دھو کے اس کے پیچھے پڑا رہتا ہے۔ اسے کیا معلوم رات کو بچے کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہیے۔ کل رات وہ بار بار اٹھ کر اس کو دودھ پلاتی رہی۔ اس طرح بچے کا پیٹ خراب ہو جائے گا۔ اصولاً رات کو سات بجے بچے کو دودھ پلا کر سلا دینا چاہیے۔ اور پھر صبح چھ سات بجے بچے کو دودھ دینا چاہیے۔ میں چند دنوں میں اسے ساری رات سونے کی عادت ڈال دوں گی۔ منہ اندھیرے تو بے چاری اٹھ کر آ جاتی ہے۔

بے جی...... بے جی...... بیمار ہو کر مجھے مصیبت میں نہ ڈال دینا۔

نہیں ہوتی میں بیمار...... تو کہہ کہہ کے مجھے بیمار کر دے گا۔

بھئی ہمارے کمرے میں تو کچھ رونق ہونی چاہیے۔ اس نے آخری پتہ پھینکا۔

اچھا...... بے جی نے گھور کر اسے دیکھا۔ اور بولیں۔

تم دونوں میاں بیوی اپنے لئے ایک اور بچہ پیدا کر لو...... جاؤ......

اس بات پر معاذ بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

حد کرتی ہیں آپ بے جی...... یہ کہہ کر شرمندہ سا اٹھ کر چلا آیا۔

جیدہ بچے کو ہاتھ پاؤں چلاتا دیکھ کر حیران سی ہو رہی تھی۔

لے اٹھا...... اسے گود میں اٹھا۔ بے جی نے معوذ کو اس کی طرف بڑھایا۔

چھوٹے بچوں کو اٹھایا کرو۔ اس سے دل میں مامتا پیدا ہوتی ہے۔

جیدہ نے ڈرتے ڈرتے معوذ کو اٹھا لیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد واپس کر دیا۔

ہائے یہ تو بہت نرم ہے۔ ڈر لگتا ہے......

بے جی نے بچہ واپس لے لیا۔

اس میں سے کتنی اچھی خوشبو آتی ہے رملی۔ جیدہ ایک دم بولی۔ کیا ہر بچے سے ایسی ہی خوشبو آتی ہے۔

ہاں...... رملی کی بجائے بے جی نے جواب دیا۔ جب تک بچہ روٹی نہیں کھاتا اس کے جسم سے ایسی ہی خوشبو آتی ہے۔ یہ گندم کا خمار ہے جو بچے سے اس کی اصل خوشبو چھین لیتا ہے۔ ادھر گندم منہ کو لگی۔ ادھر انسانی علتیں پیدا ہونا شروع ہوئیں......

جیدہ کو یہ اتنی مشکل بات بالکل سمجھ میں نہیں آئی۔ رملی کی طرف دیکھ کر بولیں

For more visit (exponovels.com)
exponovels

تو آج بہت تھکی تھکی لگ رہی ہے۔رات کو جگاتا ہوگا......

نہیں......رملی اپنی سوگواری چھپا کر بولی......معوذ تو بے جی کے کمرے میں سوتا ہے۔

سچ......؟ جیدہ نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر پوچھا......

کتنی اچھی ہے تیری ساس......ایک دم اس کے منہ سے نکل گیا۔میرے اتنی اچھی ساس ہوتی تو میں یاور کی بالکل پرواہ نہ کرتی......

رملی اور بے جی ہنس دیں......

(اور تیرا خیال ہے میں معوذ کی پرواہ کرتی ہوں)

(اس عورت نے ہی تو میرے اردگرد محبتوں کا جال بچھا رکھا ہے)

ڈارلنگ! ایک دم یاور کی آواز آئی۔

آٹھ بجے ڈنر پر جانا ہے۔اب اجازت لو۔

ہاں سچ مچ......جیدہ کھڑی ہوگئی۔

رمو اب ہمیں اجازت دو۔اور اب تم معاذ بھائی کو لے کر ہمارے گھر آنا۔

رملی بھی کھڑی ہوگئی۔اس کے ساتھ معاذ اور یاور بھی کھڑی ہوگئے......جب الوداعی جملے کہے جا رہے تھے۔رملی نے چور نظروں سے یاور کی طرف دیکھا اور وہ بھی اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔اور اس کی نظر کہہ رہی تھی۔

میں تمہارے دل کا درد جان گیا ہوں۔

تم جس کالے جادو میں اسیر ہو۔اس کا توڑ ہے میرے پاس......

رملی آج پھر بجھ گئی تھی۔جلنا بجھنا تو اس کی قسمت میں لکھا تھا۔مگر یاور اور جیدہ کے جانے کے بعد اس کے دل پر اتنی اوس گری کہ جی چاہنے لگا آج پھر اوندھے منہ جا کر بستر پر گر جائے یا منہ پر تکیہ رکھ کر اندھیرے غار میں چھپ جائے......

مگر اب یہ بھی ناممکن لگ رہا تھا۔

جب سے معوذ پیدا ہوا تھا اس کی زندگی کا کوئی پہر اس کا اپنا نہ رہا تھا......ہر وقت چھوٹے چھوٹے کام اسے مصروف رکھتے اور چوبیس گھنٹے جان معوذ میں پھنسی ہوئی تھی......اچھا اسی لئے لوگ بچے کو سنہری زنجیر کہتے ہیں!!

کبھی کبھی جی چاہتا ہے نا کہ تنہائیاں اپنی ہوں......

آس پاس کوئی نہ ہو......اور ساری دنیا سے منہ چھپا کے تھوڑی دیر رو لیا جائے۔

کیسی دنیا ہے یہ اس نے سوچا...... یہاں رونے کا وقت نہیں ملتا۔ازدواجی زندگی میں کیا کوئی لمحہ اپنا ہوتا ہے؟

اور بچے کی پیدائش کے بعد واقعی ساری دنیا چھوٹ جاتی ہے۔

زبردستی وہ روزمرہ کے کام کرتی رہی۔جب تک معوذ سو نہیں گیا۔بے جی کے کمرے میں بیٹھی رہی۔کھانا کھانے کے بعد جب وہ اپنے کمرے میں آئی تو معاذ ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔وہ چپ چاپ بستر پر لیٹ گئی اور حسب عادت چہرے پر کہنی جمالی۔

معوذ سو گیا ہے؟معاذ نے پوچھا۔

جی اس نے بند آنکھوں سے جواب دیا۔

معوذ کتنی جلدی بے جی سے مانوس ہو گیا ہے۔

جی......رملی نے پھر اسی انداز سے کہا۔

معاذ نے کتاب بند کر کے تپائی پر رکھ دی اور اس کی طرف رخ موڑا۔

میں بے جی کے کمرے میں چلی جاؤں......؟

اچانک رملی نے کہنی ہٹا کر پوچھا۔

کیوں......؟معاذ نے اسے گہری نظر سے دیکھا کر کہا۔

کہیں......کہیں رات کو معوذ روئے نہیں......

معاذ ہنسنے لگا۔

یہ خیال تمہیں آج اتنی راتوں بعد کیوں آیا......؟

روز ہی آتا ہے۔

تو روز کی طرح چپ چاپ سو جاؤ......

رملی نے پھر کہنی چہرے پر ٹکالی۔

exponovels

رمو جانتی ہو بے جی کیا کہہ رہی تھیں؟

کیا کہہ رہی تھیں؟

کہہ رہی تھیں۔ معوذ مجھے دے دو۔ اور تم لوگوں کو اگر شوق ہے تو اپنے لئے اور بچہ پیدا کر لو۔

نہیں نہیں...... رملی سمٹ کر پرے ہو گئی۔

معاذ ہنسنے لگا۔

کیا بہت خوفناک تجربہ ہے بچہ......؟

نہیں...... وہ خوفزدہ انداز میں بولی۔

اس دن...... آپ نے...... ہسپتال میں...... وعدہ کیا تھا نا؟......

......کہ جب تک میں اجازت نہ دوں گی آپ...... آپ......

ہاں...... معاذ بولا۔ مجھے اپنا وعدہ یاد ہے۔ میرا وعدہ وقتی وعدہ نہیں تھا۔ نہ میں نے تمہارا دل رکھنے کے لئے کیا تھا۔

ابھی تو معوذ بس دو مہینے کا ہے......

اور تم کتنا وقفہ چاہتی ہو۔

کم از کم پانچ سال......

پانچ سال...... معاذ نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسا کر تکیہ بنایا اور اس پر گھنے بالوں والا سر رکھ دیا اور چھت کی طرف دیکھنے لگا۔ پانچ سال تو ایک فیشن ایبل طبقے کا سلوگن ہے۔

پانچ سال بہت زیادہ عرصہ ہے رملی......

پہلے بچے اور دوسرے بچے میں اتنا وقفہ ہونا چاہیے...... پہلے بچے کو ویسے بھی بہت زیادہ توجہ مل جاتی ہے۔ جو اسے خراب کرتی ہے۔ پھر ہم تین افراد ہیں۔ اس گھر میں پیار کرنے والے...... پہلے بچے اور دوسرے میں صرف دو سال کا وقفہ ہونا چاہیے......

نہیں...... رملی سمٹ کر اور پرے ہو گئی۔

دو بچوں کا سنبھالنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اب...... اب آپ......

For more visit (exponovels.com)

نہیں میں تمہاری مرضی کے خلاف کچھ نہیں کروں گا۔معاذ نے بڑی محبت سے کہا۔

تمہیں معلوم ہے رملی میں تمہاری مرضی کے بغیر کچھ بھی نہیں کرتا،معلوم ہے نا؟

جی......

پھر تم اس طرح ڈری سہمی اور سکڑی کیوں رہتی ہو......؟

رملی نے ایک دم سر اٹھایا۔اور دروازے کی طرف دیکھ کر بولی۔

شاید معوذ رو یا ہے۔

دونوں تھوڑی دیر چپ رہے۔کوئی آواز نہیں آئی۔تو معاذ بولا۔

تمہارا وہم ہوگا۔ورنہ بے جی تمہیں بلا لیتیں۔

رملی نے اپنا سر تکیے پر رکھ دیا۔

میں نے بے جی سے بہت کہا تھا۔میں رات کو ان کے کمرے میں سو جایا کروں۔وہ مانتی نہیں ہیں۔رملی نے جان بوجھ کر دوبارہ یہ موضوع شروع کر دیا کیونکہ تھوڑی دیر پہلے معاذ نے جس قسم کا سوال کر دیا تھا۔اسے سے رملی کے پسینے چھوٹ گئے تھے۔

ان کے کمرے میں جانے کی بجائے تم معوذ کو کیوں نہ اپنے کمرے میں لے آؤ۔

آپ یہ شور شرابا برداشت کر لیں گے۔

کون سا شور شرابا......؟

یہی جو بچہ رات کو اٹھتا ہے۔روتا ہے۔آپ ڈسٹرب تو نہ ہوں گے۔

یہ تمہیں کس نے کہہ دیا ہے رملی......معاذ نے اس کی طرف چہرہ کر کے کہا۔

اپنے بچے کی آواز تو کسی مرد کو ڈسٹرب نہیں کرتی۔میرا ایمان ہے کہ جس کمرے میں رات کو بچے کے رونے کی آواز آتی ہے۔اس کمرے میں زندگی کی ساری خوشیاں ہوتی ہیں......؟

(نہیں......رملی کا دل چاہا کہے......نہیں......

ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا۔

exponovels

(اس کمرے میں کبھی کبھی ایک بر ہا کی ماں کا دل بھی روتا ہے......)

مگر وہ جلدی سے بولی۔

میں نے سنا ہے بعض مردوں کو راتوں کو بچے کی آوازیں بری لگتی ہیں۔اس لئے وہ الگ کمرے میں سونے لگتے ہیں۔

اچانک بالکل اچانک رملی کو شان بھائی یاد آ گئے......

بڑے بدنصیب مرد ہوں گے جو بچے کی وجہ سے الگ کمرے میں جا سوتے ہوں گے۔

یہ ضرور ہے رمو! کہ مرد اپنی نیند کے معاملے میں خود غرض ہے اور ماں کے قدموں میں اسی لئے جنت رکھی گئی کہ وہ اپنی رات کی نینداور دن کا چین اپنے بچے پر وار دیتی ہے۔مگر میں ان مردوں میں سے نہیں ہوں۔جس طرح نیک عورت مرد کا کیریئر بنانے میں مدد دیتی ہے۔اسی طرح محبت کرنے والے مرد کو بچے کی پرورش کا کچھ بوجھ اٹھانا چاہیے۔اس سے بیوی کی عمر بڑھ جاتی ہے۔

رملی نے ایک دم تڑپ کر معاذ کی طرف دیکھا۔یوں پوری آنکھیں کھول کر پہلی مرتبہ اس نے معاذ کو دیکھنے کی جراءت کی تھی......معاذ بھی مسکرا کر اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا......معاذ کی آنکھیں گو بہت چھوٹی تھیں۔مگر بالکل صاف ستھری تھیں......اتنی چمکدار اتنی صاف ستھری جس طرح مسجد کا صحن......

رملی نے اتنی صاف ستھری آنکھیں اس سے پہلے نہیں دیکھی تھیں۔گو لال ڈوروں والی آنکھیں اس کی کمزوری تھیں۔مگر معاذ نے تو پلک نہیں جھپکی تھی۔یوں ٹک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔جیسے اس کے دل میں کوئی کھوٹ نہیں......اس کے اندر کوئی جھول نہیں......اسے دنیا سے کچھ نہیں چھپانا۔

(کیا......کیا اس آدمی کو واقعی معلوم نہیں ہے۔کہ یہ بدصورت آدمی ہے)

اس طرح حیران ہو کر کیوں دیکھ رہی ہو......؟ معاذ کا لہجہ محبت سے مہکنے لگا۔

میں نے کوئی عجیب بات کہہ دی ہے......؟

اس کی سانسوں سے ایک گرم مگر خوشبودار بھاپ نکلی......

میں اتنا خوبصورت مرد نہیں ہوں۔مجھے اس طرح نہ دیکھا کرو......مجھے غلط فہمی ہو جائے گی۔

رملی کا دل دھک سے رہ گیا......غیر ارادی طور پر اس نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

رمو......معاذ تھوڑی دیر رک کر بولا۔

For more visit (exponovels.com)

بچے کی پیدائش کے بعد میں تم میں ایک عجیب تبدیلی دیکھ رہا ہوں۔رملی کے دل کا چور ادھر ادھر سر پٹکنے لگا۔

گم صم تو تم پہلے بھی رہا کرتی تھیں۔میرے ساتھ زیادہ باتیں کرنے کی عادت بھی نہیں تھی۔مگر جب سے تم میکے سے آئی ہو۔مجھ سے بہت سمٹ کر رہتی ہو...... پہلے تمہارا دماغ تمہارا ساتھ نہیں دیتا تھا۔اب تمہارا جسم بھی تمہارا ساتھ نہیں دیتا۔

رملی تڑپ کر سیدھی ہوگئی اور اپنے دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھ لیا۔کیا وہ اتنی بدسلیقہ ہے ذرا سی بات بھی نہیں چھپا سکتی......

(کم بخت یہ ذرا سی بات ہے؟)

آپ کبھی کبھی کتنی عجیب بات کہہ دیتے ہیں۔رملی نے مصنوعی ہنسی ہنس کر کہا۔

تم بھی کبھی کبھی بہت عجیب ہو جاتی ہو۔مجھے یوں لگتا ہے۔جیسے میں شوق کی انتہا پر بھاگتا ہوا تمہاری طرف آتا ہوں اور تم برف کے تودے کی طرح اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہوتیں۔

(یہ فریب بھی دینا پڑے گا)

رملی نے باقاعدہ رخ اس کی طرف پھیر لیا۔مگر اس سے کچھ بھی نہیں کہا گیا۔اپنی انگشت شہادت کا ناخن دانتوں میں ڈال کے کاٹنے لگی......

برا مان گئی ہو؟ تھوڑی دیر بعد معاذ نے پوچھا۔

نہیں......رملی اسی طرح بولی۔میں آپ کی کسی بات کا برا نہیں مانتی۔

اس کا جواب تو یہ تھا کہ تم رسان سے کہہ دو۔

میں آپ کو مانتی ہی نہیں...... یہ کہہ کر معاذ ہنسنے لگا۔

(اف......کیسے نکل گئی دل سے یہ بات)

رملی کو شام کے واقعات یاد آنے لگے۔اس نے یاور سے ملتے وقت بہت احتیاط کی تھی اس سے کوئی بھی بات نہیں کی تھی۔سارا وقت جیدہ کی طرف متوجہ رہی تھی......

پتہ نہیں معاذ آج ایسی باتیں کیوں کر رہا تھا۔

رمو جب ہم کسی سے کہتے ہیں۔میں تمہاری کسی بات کا برا نہیں مانتا۔تو اس کے بس دو ہی مطلب نکلتے ہیں۔ایک تو یہ کہ ہم نے اس ہستی کو احترام کی آخری حد پر بٹھا دیا ہے۔یا پھر اسے درخور اعتنا نہیں جانتے۔اس قابل ہی نہیں سمجھتے......

For more visit (exponovels.com)

(اف......اف......رملی نے دانتوں سے اپنے ہونٹ کاٹے)

آپ یہ سمجھ لیجئے......کہ میں آپ کا بے حد احترام کرتی ہوں۔

میاں بیوی میں صرف احترام کا رشتہ نہیں چلتا......وہ بولا۔

کیوں اس رشتے میں دوئی نہیں ہوتی۔اس لئے یہ رشتہ عشق کا رشتہ ہونا چاہیے......عشق میں بے خودی بھی ہوتی ہے......غلط فہمیاں بھی اور گستاخیاں بھی...... محبت میں گستاخی بہت اچھی لگتی ہے۔مرد چاہتا ہے محبت میں کبھی کبھی گستاخی کی جائے...... بیوی اس کے ساتھ تو تڑاخ کرے۔اس کو لڑائی میں سخت سست کہے۔لڑ جھگڑ کر اپنی بات منوائے......مرد عجیب جانور ہے......معاذ نے بھی رخ اس کی طرف پھیر لیا......مرد ہر چیز چھین کے لینا چاہتا ہے......لیکن کبھی کبھی...... جب بیوی چھینا جھپٹی کرتی ہے۔تو اسے بہت اچھا لگتا ہے۔اکھاڑے میں مار گرانے والا کبھی کبھی چت ہونا چاہتا ہے۔اس عورت کے ہاتھوں جس سے وہ محبت کرتا ہے۔یا جو اس کی محبوب بیوی ہے......

تم میری بات سمجھ رہی ہو نا؟......

رملی پھر دانتوں سے اپنی انگلی کا ناخن کاٹنے لگی۔

شوہر اٹھتے بیٹھتے جو بیوی کو برا بھلا کہتا رہتا ہے۔تو یہ دراصل اس کا اعتراف شکست ہوتا ہے کہ ایک ذرا سی عورت اس کی حاصل زندگی ہو گئی......سارا دن جو اس کی خامیاں گنواتا ہے تو اس کی کسی باطنی خوبی نے شوہر کو جکڑ رکھا ہوتا ہے......

شادی کے بعد مرد کو اظہار محبت سے گھن آتی ہے۔اس لئے وہ ہر دم اپنی برتری ثابت کر کے اپنی محبت کا اظہار کرتا رہتا ہے اور یوں کہتا رہتا ہے میں تمہارے لئے لازم و ملزوم ہوں۔میں تمہاری ضرورت ہوں۔تمہارا آسرا ہوں......وغیرہ وغیرہ......

اور جواب میں بیوی بھی یہ کہتی رہتی ہے۔مجھے تمہاری پرواہ نہیں...... پل میں تمہیں چھوڑ کے میکے چلی جاؤں گی......تم سمجھتے کیا ہو اپنے آپ کو......مگر جاتا کوئی بھی نہیں......رمو یہ آڑھا ترچھا......انداز......میاں بیوی کا محبت کرنے کا انداز ہے......

مگر تم......تم......

تم سو گئی ہو......؟

نہیں تو......؟رملی نے ابھی تک انگلی دانتوں میں ڈال رکھی تھی۔

یہ کیا کر رہی ہو......؟معاذ نے ہاتھ بڑھا کر رملی کا ہاتھ پکڑ لیا۔دانتوں سے ناخن کاٹنا مجھے برا لگتا ہے......انگلی پر انگلی بار بار لڑکیوں والی حرکت ہے۔

For more visit (exponovels.com)

رملی نے آج پہلی مرتبہ معاذ کے ہاتھ کو دیکھا۔جس نے اس کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ایک کالے ہاتھ میں ایک گورا ہاتھ تھا۔مگر ذرا بھی عجیب نہیں لگا اسے...... ہر کالی رات کے ساتھ ایک گورا دن ہوتا ہے۔سفید چہرے پر سیاہ بال ہوتے ہیں۔

رملی غور سے اس کا ہاتھ دیکھتی رہی...... مگر آج اس نے ہاتھ چھڑایا نہیں...... بالکل اچانک اسے یاور کے ہاتھ یاد آ گئے۔بہت خوبصورت تھے یاور کے ہاتھ ...... انگلیاں مخروطی اور ناخن چمکدار تھے۔سگار پیتا ہوا بہت اچھا لگتا تھا اور سگار کا دھواں چھوڑتا ہوا اور بھی اچھا لگتا تھا...... رملی زمین اور آسمان کے درمیان معلق ہو گئی...... ایک طرف پھولوں بھرا راستہ تھا۔مگر وہاں ممنوع کا بورڈ لگا تھا...... دوسری طرف کانٹے ہی کانٹے تھے۔مگر وہاں اس کی اجازتوں کی کلیاں تھیں...... ایک طرف اپنے دل کی خوشی تھی...... دوسری طرف فرض کے بھاری پتھر تھے...... پتہ نہیں زندگی کے ہر موڑ پر دوراہا کیوں آ جاتا ہے۔کیا یاور کے ملنے سے پہلے وہ خوش تھی......؟

اور اب...... یاور سے ملنے کے بعد......؟

ہاں ایک خواب مجسم ہو گیا ہے۔وہ اس کو آنکھوں میں سجا کر معاذ کے ساتھ چل سکتا ہے۔

کیا یہ بددیانتی نہ ہو گی......؟

اس اندھیرے غار میں اس روشنی کے بغیر چلا نہیں جاتا...... معاذ نے ابھی تک اس کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا اور پھر جیسے اس کی پور پور وائرلیس بن گئی تھی۔

آج معاذ کی باتوں سے رملی کو بہت ڈر آنے لگا تھا اور محبت انسانوں کو شاطر بنا لیتی ہے......

رملی کے اندر کوئی احساس جرم بیدار ہوا...... اس کے ذہن کے سنگھاسن پر کوئی نامحرم آ بیٹھا تھا...... ذرا سی دیر کو وہ اس راستے پر چل پڑی تھی۔جس کا آخری پڑاؤ گناہ ہے......

یہ گناہ اور ثواب کیا ہوتا ہے......؟

اس نے تو کچھ بھی نہیں کیا تھا۔

ایسے ہی دو آنکھوں کو ایک خوبصورت آدمی نظر آ گیا تھا...... وہ خوبصورت آدمی دل کو بھا گیا تھا اور گہرے پانیوں کی طرح آ کے ذہن میں رہنے لگا تھا۔اب ذہن میں تو کئی باتیں رہتی ہیں۔کیا ذہن کی پٹاری میں بہت سی باتوں کو سینت سینت کر رکھنا گناہ ہے؟

وہ کون سا اس کے ساتھ فرار ہو رہی ہے......؟

یونہی کبھی کبھی تپتی راہ گزر پر جب تلوے جلنے کا احساس ہونے لگے تو وہ اس سایہ کا ہاتھ تھام کے دو قدم چل پڑتی تھی......

For more visit (exponovels.com)

شوہر کا ہاتھ...... ہاتھ میں ہو اور پھر ایک سائے کو پہلو میں لے کر چلنا بددیانتی ہے۔

یہ مرد بھی کتنی بددیانتیاں کرتے ہیں۔

دفتر سے گھر آنے تک راستے میں کتنی عورتوں کو دیکھتے ہیں......؟

اور ہر گناہ اپنی آنکھوں سے کر لیتے ہیں۔

بے وقوف! مرد اور عورت میں یہی بنیادی فرق ہے؟

معاذ کے گرم ہاتھ میں اس کا نرم ہاتھ کانپنے لگا...... وہی مشکل ترین گھڑی پھر سرہانے آ کھڑی ہوئی تھی......

اور معاذ کی صاف ستھری آنکھوں میں شک کے سائے لہرا رہے تھے......

دیکھو!

یہ گھڑی پہلے سے بھی کٹھن ہے۔ پہلے کوئی خوف نہ تھا۔ اب ایک خوف ہے۔

خوف مجسم بھی ہے......!

اور معاذ کو مطمئن کرنا بھی ضروری تھا......

تب اس نے اپنے ذہن کے دریچے کھول دیے...... اور بولی! یاور! تمہاری مدد کے بغیر میں اس مشکل مقام سے نہ گزر سکوں گی۔ اس نے بے دھڑک یاور کو اپنے خیالوں میں آنے دیا...... حتیٰ کہ سارا کمرہ یاور کے وجود سے بھر گیا......

یہ بددیانتی ہے......

یہ بددیانتی ہے......

ضمیر کی ننھی ننھی سرگوشیاں سنائی دے رہی تھیں۔

مگر اس بددیانتی کا بوجھ اٹھائے بغیر وہ آج معاذ کو مطمئن نہ کر سکتی تھی۔

❁❁❁

For more visit (exponovels.com)

تمہارا فون آیا ہے رملی......؟

بے جی نے آ کر کہا تو وہ چونک گئی۔ ابھی استری لگا کے معوذ کے نیپکن استری کرنے بیٹھی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر بٹن آف کر دیا۔ اور کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

کون ہے بے جی......؟

شاید تمہاری اس دن والی سہیلی ہے۔ کیا بھلا سا نام تھا اس کا...... ہاں...... جیدہ...... جیدہ ہی......

رملی کا دل دھڑک اٹھا۔

اس دن جیدہ مل کر گئی تھی تو دوبارہ نہ ملاقات ہوئی نہ فون پر کوئی بات ہوئی......؟

نہ ہی رملی نے کوشش کی......

معاذ کی محبت نے ایک بار پھر رملی کا راستہ روک لیا تھا۔ اور اس رات کے بعد اس نے دل میں تہیہ کر لیا تھا کہ ایسے شوہر کو وہ ہرگز دھوکا نہیں دے سکتی۔ صبح کو معاذ اتنا مسرور اور مشکور تھا کہ رملی کو خود اپنے آپ سے شرم آنے لگی۔ اس نے ہر خیال کو جھٹک کر اپنے آپ کو معوذ اور معاذ میں گم کرنے کی کوشش کی تھی اور وہ اس میں کامیاب بھی ہو چلی تھی۔

مگر آج پھر اچانک جیدہ کا فون آ گیا تھا۔

پتہ نہیں اب اسے جیدہ کے نام سے خوف کیوں آنے لگا تھا۔

ہیلو! اس نے ریسیور تھاما تو دوسری طرف واقعی جیدہ تھی۔

بے وفا کبھی تو فون کر لیا کر......؟

جیدہ نے تڑپ کر کہا۔

جیدہ تو جانتی ہے نا چھوٹے بچے کے ساتھ کتنی مصروفیت ہوتی ہے۔ پتہ ہے سر کھجانے کی فرصت نہیں ملتی۔

جاری ہے......

For more visit (exponovels.com)

ہاں ہاں ابھی ایک بچہ ہے تو تمہارا یہ حال ہے۔ دو چار ہو گئے تو تو دنیا جہاں سے جائے گی......؟

بس اس کے جواب میں میں صرف اتنا کہہ سکتی ہوں کہ اللہ تجھے جلدی بچہ دے دے اور تجھے ہر بات کا جواب مل جائے۔

ایسی ناممکن دعا نہیں دیتے......

حمیدہ نے لمبی سانس چھوڑ کر کہا۔

تجھے اس دن بے جی نے کیا کہا تھا کہ مایوسی کا کلمہ منہ سے نہیں نکالتے......

یہ کہتے ہی بے اختیار رملی نے گردن گھما کے دیکھا۔ بے جی اس کے پیچھے کھڑی اپنی قمیض کو بٹن لگا رہی تھیں۔

واقعی یار! تیری ساس بڑی نیک عورت ہے۔ اس دن ان سے مل کر مجھے بڑی خوشی ہوئی تھی۔

بے جی بھی تجھے اکثر یاد کرتی ہیں۔

اور تو نہیں کرتی گدھی......

تو بہ...... میں تو رات کو جو تھک کر سوئی ہوں تو صبح یوں آنکھ کھلتی ہے۔ جیسے ابھی پلک لگی تھی ابھی اٹھ گئی ہوں......

اور کیا حال چال ہے......

یار بار کیا بتاؤں......؟

اور تیرے شوہر کا کیا حال ہے......

رملی کا دل پھر عجیب انداز میں دھڑکا۔ اس کی چھٹی حس نے کہا...... اب یہ کوئی کچوکا لگائے گی...... کوئی برچھی مارے گی...... تیزاب کے چھینٹے پھینکے گی۔ تاکہ اس کی مطمئن زندگی کا چہرہ مسخ ہو جائے۔

ٹھیک ہیں وہ بھی......

رملی نے مری ہوئی آواز میں جواب دیا۔

حمیدہ نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ تھوڑی دیر چپ رہی۔ پھر آواز کو سرگوشی بنا کر بولی۔

کم بخت! یاور تجھے اتنا مس کرتا ہے کہ کیا بتاؤں......

یاور...... یاور...... یاور

ٹیلی فون کے سارے تار بج اٹھے۔

exponovels

For more visit (exponovels.com)

دشمن......دشمن......دشمن!

میرے سکون کا......میرے دل کا......میرے گھر کا......

پتہ نہیں اتنی آوازیں برقی تاروں کے اندر سو رہی تھیں یا اس کے دل کے اندر سے اٹھ رہی تھیں۔

رملی نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا......

آ کے دیکھ تو سہی تو نے میرے شوہر کا کیا حال کر دیا ہے......

بھلا اس بات کا کیا جواب ہو سکتا تھا۔وہ گم صم کھڑی رہی......

بس یاور تو کہتا ہے۔لڑکی میں نے ایک ہی دیکھی ہے زندگی میں......رملی......

اس سے دلکش چہرہ آج تک نظر سے نہیں گزرا......اٹھتے بیٹھتے تیرا اتنا ذکر کرتا ہے کہ میں اب تجھ سے جلنے لگی ہوں۔

بکواس نہ کر......رملی نے بجھے ہوئے دل سے بس اتنا کہا۔

ہم دونوں تجھے برابر یاد کر رہے ہیں اور تجھ سے اتنا نہ ہو سکا کہ کم از کم فون ہی کر لیتی......؟

کہہ تو دیا ہے کہ مصروف تھی......

اور ماڈل ٹاؤن بھی تو نہیں آئی شاید......؟

ایک دن میں اور معاذ آئے تھے ذرا سی دیر کو......بس یونہی کھڑے کھڑے......

اور کھڑے کھڑے ہمارے ہاں بھی آ جاتے۔اس دن میں تمہارے شوہر سے کہہ کے آئی تھی......

بھئی کھڑے کھڑے کوئی تم سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتا ہے؟

رملی نے کہا۔

ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔مگر تم کبھی اپنے شوہر کو لے کر آؤ نا......؟

آؤں گی......

رملی نے پھر بے یقینی سے جواب دیا......

سنو......جیدہ نے پھر اپنی آواز کو سرگوشی بنا لیا......

یاور آ گیا ہے۔تم سے بات کرنا چاہتا ہے......لو اس سے بات کرو......

exponovels

For more visit (exponovels.com)

پیشتر اس کے کہ وہ انکار کرتی یا احتجاج کرتی جیدہ نے یہ کہہ کر یاور کو ریسیور تھما دیا۔

یاور تم رملی سے گپ لگاؤ۔ ذرا اس کی خبر لو۔ میں کچن میں ہنڈیا دیکھنے جا رہی ہوں......

یاور نے غالباً ریسیور تھام لیا......

مگر کوئی آواز نہیں آئی۔ آواز سنے بغیر ہی رملی کا دل پسلیاں توڑنے لگا۔

اس کا سارا خون چہرے پر آ گیا اور سارے جسم پر ہلکی ہلکی لرزش طاری ہونے لگی......

رملی......

اس نے اپنی پرسوز اور گھمبیر اور گہری آواز میں آہستہ سے اس کا نام یوں لیا جیسے جاں بہ لب مریض کو ہوش آ گیا ہو......

رملی نے پھر فوراً مڑ کر پیچھے کی طرف دیکھا۔ اب بجی جا چکی تھیں۔ مگر اسے یوں محسوس ہو رہا تھا۔ گھر کے در و دیوار آنکھیں کھولے اسے دیکھ رہے ہیں۔ اور کان کھولے اس کی باتیں سن رہے ہیں......

رملی......

یاور کی آواز دوبارہ آئی۔

تم اتنی خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ سنگدل بھی ہو؟

رملی کو یوں محسوس ہوا جیسے سگار کا سارا دھواں ٹیلی فون کے ریسیور میں سے نکل نکل کر اس کے حلق میں جا رہا ہے۔ اور اس کے حلق میں دھوئیں کے بگولے بنتے جا رہے ہیں...... آگے پیچھے دھواں ہی دھواں ہے کچھ بھی نظر نہیں آتا......

مگر وہ بولنے کی بجائے...... بار بار مڑ کے پیچھے دیکھتی...... اپنے کمرے کی طرف دیکھتی...... باہر کھلنے والے دروازے کی طرف دیکھتی............

رملی......

اس کی تیسری آواز اتنی میٹھی تھی کہ رملی کے سارے ارادوں سارے وعدوں کو خاکستر کر گئی۔ اس کے اندر پھر الاؤ بھڑکنے لگا...... پھر سرخ آندھیاں چلنے لگیں۔ تناور درخت جڑوں سے اکھڑنے لگا۔

پچھلے پندرہ دنوں سے وہ کتنی پرسکون تھی۔ کتنی مطمئن تھی۔ سمجھ رہی تھی کہ اسے صبر آ گیا ہے۔ اس نے اپنے دل کو منا لیا ہے۔ اپنے دل کا راز پا لیا ہے۔

مگر دل تو ابھی تک لا ینحل گتھی بن کر کھڑا تھا۔

اس ظالم کی آواز تھی یا......صور اسرافیل۔

For more visit (exponovels.com)

ساری مردہ تمنائیں انگڑائی لے کر بیدار ہوگئی تھیں۔ تیار ہوگئی تھیں۔ ایسے جیسے وہ آج تک اس کی یاد میں جیتی آئی ہو۔ اس کی آس میں مرتی آئی ہو......

محبت کی مستی سے چھلکتی آنکھیں......اور محبت کے سوز میں جلتے ہونٹ ایک دلکش چہرہ لے کر اس کی آنکھوں کے آگے آگئے۔ اس کا ریسیور والا ہاتھ کانپنے لگا۔ جیسے وہ برا محسوس کر رہی تھی۔

میں کئی دنوں سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں......تم آئیں کیوں نہیں......ہوا کے اجنبی جھونکے کی طرح آؤ......اور آ کر میرے قریب سے نکل جاؤ میں تمہیں دوبارہ پکڑ بھی نہ سکوں......مگر آؤ تو......تو مجھ سے خفا ہے تو زمانے کے لئے آ......

آؤ......آؤ......آؤ......

رملی کی آنکھوں میں پھر کڑوا پانی جمع ہونے لگا۔ دکھ کی ندیا سے جو پانی کشید ہو کے نکلتا ہے وہ کڑوا ہو جاتا ہے۔

رملی نے دانتوں تلے اپنا نچلا ہونٹ دبایا......

پھر سارے گھر میں بے تابانہ نظر دوڑائی۔ بے جی کی آواز باورچی خانے سے آ رہی تھی۔

وہ کچھ کہہ سکتی تھی......مگر کیا کہتی......

یکا یک سارے الفاظ بے معنی ہو گئے تھے......اور سارے مفہوم پھیکے پڑ گئے تھے۔

مگر کیا کہتی......

ایک تو ضمیر کا دربان ہر وقت لاٹھی چارج کرنے میں مصروف رہتا تھا۔

رملی......کچھ بولو تو سہی......اور کچھ نہیں دے سکتی ہو تو مجھے اپنی آواز ہی سنوا دو......وہ رسیلی آواز جو سنانے میں تم بے حد بخیل ہو......

رملی کا دل چاہا کہ وہ ایک جھوٹ موٹ کی ڈانٹ یاور کو پلائے اس کو دھمکائے کہ وہ کسی شریف آدمی کی بیوی سے اس طرح گفتگو کیوں کر رہا ہے......؟

مگر اس نے محسوس کیا وہ یاور کو جھوٹ موٹ بھی نہیں ڈانٹ سکتی۔ اسے پتہ چلا کہ آج اتنے دنوں کے بعد اسے یاور کی آواز سننا بہت اچھا لگ رہا ہے......اور یہ کہ یاور آج بھی اس کے دل کے قریب دھڑک رہا ہے......

اس کی قربت کے احساس سے سارے جسم میں قمقمے سے روشن ہو گئے ہیں۔ اس کی کیفیت ہی بدل گئی ہے۔ جیسے وہ محسوسات کی ایک سلگتی بھٹی میں کود گئی ہو۔

شاید......

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ

For more visit (exponovels.com)

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ

exponovels

رملی کارواں رواں گنگنانے لگا۔ آج اتنے دنوں کے بعد ایک عجیب طرح کا انکشاف اس پر ہوا۔ انکشاف کی یہ بجلی دن دہاڑے اس پر گری تھی کہ وہ سچ مچ یاور سے محبت کرنے لگی ہے۔

محبت کرنا جرم نہیں......

اور محبت تو آپ ہی آپ ہو جاتی ہے......

اس منہ زور جذبے کو کون روک سکا ہے؟

محبت...... محبت...... بڑی پیاری چیز ہے محبت...... ہر چیز کا مفہوم ہی بدل جاتا ہے۔

وہ شادی شدہ تھی۔ زندگی کے اصرار جان گئی تھی۔ مگر جو کیفیت اس کی اب ہوئی تھی وہ پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔

رملی میری آواز سن رہی ہو تو پلیز کوئی جواب دو......

جی...... جی...... اس خوف سے کہ وہ فون نہ بند کر دے۔ رملی پہلی بار بولی......

جی...... کیا کہوں......؟

بس کچھ نہ کہو...... یونہی جی...... جی...... کرتی رہو...... میں جی اٹھوں گا۔

میری زندگی اسی جی جی میں ہے...... یہی کہہ رہی ہو نا تم...... تم چاہو گی تو میں ضرور جیوں گا۔ تمہارے لئے جیوں گا...... تمہارے انتظار میں جیوں گا۔

میری زندگی صرف اپنے محبوب کو ایک نظر دیکھ لینا ہے۔ تمہیں ایک نظر دیکھ لینے کے لئے جیوں گا......

پھر سے کہو رملی...... پھر سے کہو......

جی...... میں...... میں...... سمجھ نہیں پائی...... وہ ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی۔

آپ کیا کہہ رہے ہیں؟

تم سب سمجھ رہی ہو۔ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ اور جو تم نہیں کہہ رہی ہو۔ وہ میں سمجھ رہا ہوں بلکہ میں تو تمہارا گھبرایا ہوا چہرہ بھی صاف دیکھ رہا ہوں۔

تمہاری مقدس پیشانی پر شبنم کے قطرے محسوس کر رہا ہوں......

رملی نے بے اختیار ماتھے کو چھو لیا۔ اس کی پوریں گیلی ہو گئیں......

پھر آپ ہی آپ...... رملی کے ہونٹوں پر ایک دلفریب مسکراہٹ آ گئی۔

اس نے اندھیرے میں ریسیور رکھ دیا۔ وہ اپنی کیفیت چھپا نہیں سکتی تھی۔ اور بتانا بھی نہیں چاہتی تھی۔

exponovels

اور بس دل کے لئے اتنا ہی پیغام کافی تھا......

اور ریسیور رکھ کر وہ اڑتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔ اور گنگناتی سانسوں کے ساتھ دھپ سے زمین پر بیٹھ گئی......

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہ
اک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی

اک......آگ......سی......ہے......سینے......کے......اندر......لگی......ہوئی......

اس نے استری کا بٹن آن کر دیا۔ سبز لائٹ محبوب کے دلکش اشارے کی طرح روشن ہو گئی۔

استری کا بٹن جل اٹھا......استری لو دے اٹھی......کپڑوں کی سلوٹیں آپ ہی آپ دور ہونے لگیں......

اسی طرح محبت کے دل میں اترنے سے مایوسیوں کی سلوٹیں آپ ہی آپ دور ہونے لگتی ہیں......

استری کرتے کرتے جانے وہ کس جہان میں پرواز کر گئی......

اک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی!

جب بے جی کمرے میں آئیں تو وہ نیپکن پر استری رکھے سامنے نظریں جمائے......! بے خودی کے عالم میں مدہوش سی بیٹھی تھی...... ہونٹوں پر کیف آگیں مسکراہٹ تھی اور آنکھوں کے پیالے چھلکے چھلکے تھے......

وہ ایسی بے سدھ بیٹھی تھی کہ اسے بے جی کے اندر آنے کا پتہ ہی نہ چلا......

بے جی نے اس کے تمتے چہرے کو غور سے دیکھا۔ پھر ایک دم چلائیں......

وو بٹی......وو بٹی......کہاں گم ہو......؟ بچے کا نیپکن جل رہا ہے؟

اس نے ڈر کر استری کی طرف دیکھا۔ جانے کب سے استری کو نیپکن پر رکھے سراب کی وادیوں میں کھوئی تھی۔ استری کے چاروں طرف کالا سیاہ دھواں پھیل رہا تھا......اور بچے کے سفید نیپکن پر بیدرد استری کا سیاہ کالا چھاپا لگ چکا تھا۔

For more visit (exponovels.com)

گئی۔ خدا جانے کہاں سے یاور کی بے باک، طراز جلتی بجھتی گستاخ آنکھیں نکل آئیں رملی نے اپنا نچلا ہونٹ اپنے دانتوں سے اس قدر زور سے کاٹا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

اتنی سی بات پر رو رہی ہو۔ معاذ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

اتنی سی بات...... رملی اندر سے تھرا اٹھی، اس نے دو کشتیوں میں قدم رکھ لیے تھے۔ نیچے ٹھاٹھیں مارتا دریا تھا اور دو کشتیوں کا سوار کبھی صحیح و سالم کنارے پر نہیں اترتا۔

میں ڈوب جاؤں گی۔ میں ڈوب جاؤں گی۔

اس نے آنکھیں بند کر لیں اور باقاعدہ رونے لگی۔

پگلی! معاذ نے بڑھ کر اس کے آنسو صاف کیے۔

آج کل کی لڑکیاں ملک سے باہر جانے کو بے قرار رہتی ہیں۔ بہانے ڈھونڈتی ہیں اور تم...... تم شاید بڑی نازک مزاج ہو رملی...... ہے نا؟

رملی نے سر جھکا لیا۔

حالانکہ معوذ بے جی سے بہت مانوس ہے۔ اور تم جانتی ہو وہ اس کا بے حد خیال رکھیں گی۔

لیکن کیا ہم معوذ کو ساتھ نہیں لے جا سکتے؟

ہاں ساتھ لے جا سکتے ہیں۔ مگر پھر تمہیں سارا وقت ہوٹل کے بند کمرے میں رہنا پڑے گا۔

رات کا وقت ہی تو ملے گا۔ گھومنے پھرنے کے لئے...... اور اس وقت ہم کہیں بھی نہیں جا سکیں گے۔

نہیں شاید مجھ میں حوصلہ نہیں معوذ کو چھوڑ کر جانے کا......؟

معاذ نے بڑی حسرت سے رملی کے چہرے کو دیکھا۔ آنسو گرنے سے اس کے رخسار گیلے ہو رہے تھے۔ مگر اس کا رنگ زرد ہو گیا تھا۔ پتہ نہیں اس لڑکی کو کیا روگ ہے۔ معاذ نے دل میں سوچا...... کبھی کھل کر نہیں ہنسی کبھی دل کی بات نہیں کہتی۔ وہ اب اسے ساتھ لے جانا چاہتا تھا۔ تاکہ دن رات اس کے ساتھ رہے اور اس بند گٹھڑی کو کھول کر دیکھے۔ لیکن اس کے ساتھ باہر جانے کا سن کر رملی اور بھی خوفزدہ ہو گئی تھی۔

معاذ کو اس پر ترس آ گیا۔

کہنے لگا۔

For more visit (exponovels.com)

رملی جان! میری خواہش ہے کہ ہم دونوں دنیا کا سفر کریں۔ دنیا کی خوبصورتیاں دیکھیں لیکن اگر تم ابھی ذہنی طور پر آمادہ نہیں ہو

تو میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔ اس وقت بہت اچھا موقع تھا خیر تم سوچ لو...... ظاہر ہے میں اپنے جذبات کی خاطر کسی معصوم ماں پر تو ظلم نہیں کر سکتا۔

یہ کہہ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

رملی نے شرمساری سے گردن جھکالی اور اپنے آپ سے پوچھا۔

سچ بتا! تو اپنے شوہر کے ساتھ یورپ کیوں نہیں جانا چاہتی......؟

کیا تجھے شوق نہیں تھا بیرون ملک جانے کا...... تو نے بھی دوسری لڑکیوں کی طرح یہ خواب دیکھے تھے۔ جہازوں پر گھومنا...... شاپنگ کرنا اور دنیا دیکھنا......

مگر اب تجھے کیا ہو گیا ہے......؟

دل پہلے سے زیادہ باغی ہو گیا ہے۔

اندر سے آواز آئی۔

وہ کمبخت یاور اگر زندگی میں نہ آتا تو یہ گاڑی یونہی چلتی رہتی۔ صبر آ ہی جاتا......

اور اب وہ اتنے عرصے کے لئے معاذ کے ساتھ چلی جائے...... یاور سے دور ہو جائے...... خوابوں کا جھروکا بند کر دے......؟

کون ہے یہ یاور اور تیرا کیا لگتا ہے......؟

دنیا میں سینکڑوں خون کے رشتے ہوتے ہیں۔ جنہیں آدمی غصے یا نفرت میں جھٹک کر توڑ کے آگے نکل جاتا ہے۔...... ایک رشتہ عجیب ہے۔ اس رشتے کا کوئی نام نہیں......

یہ دل کا رشتہ ہے یا روح کا...... یا کوئی جادوئی رشتہ ہے...... قریب آتا ہے۔ تو سارے اگلے پچھلے رشتے توڑ کے رکھ دیتا ہے۔

یاور کی شخصیت واقعی جادو بھری تھی۔ ایسے لگتا جیسے وہ خوابوں کے جہان کا شہزادہ ہے۔ اسے دیکھ کر جھک جانے کو دل چاہتا تھا...... بغاوت کرنے کو دل چاہتا تھا۔ اور بار ہا اس کے دل میں یہ خیال آیا...... کہ زندگی تو ایک ہی بار ملتی ہے۔ جوانی تو ایک ہی بار آتی ہے۔ پھر اس زندگی اور اس جوانی پر انسان کو مکمل اختیار کیوں نہیں دیا گیا۔ اسے اپنی مرضی کا راستہ چن لینے کی اجازت کیوں نہیں ہے...... اور اگر پہلا راستہ کانٹوں سے اٹا پڑا ہے تو وہ دوسرا راستہ کیوں نہیں اختیار کر سکتا۔ آخر کیوں؟

exponovels

جس دن معاذ یورپ گیا۔ رملی چپ چپ تھی۔ معاذ بھی بہت اداس تھا۔ رملی کو تو یونہی احساس جرم ستا رہا تھا۔ اسے بے جی نے بھی سمجھایا تھا، اور کہا تھا:

دو ہٹی! تم بے فکر ہو کے جاؤ۔ معوذ کو میں سنبھال لوں گی خیر سے اب تین ماہ کا ہے۔ اور اس کی کھانے پینے کی عادتیں پختہ ہو گئیں ہیں۔ اس عمر میں بچہ ماں کی دوری کو برداشت کر لیتا ہے، ذرا سیانا ہو جائے گا تو ہمیں باقاعدہ پہچاننے لگ جائے گا...... جوں جوں بڑا ہوتا جائے اس کے کام بھی بڑھ جاتے ہیں۔ تم اللہ پر بھروسہ کر کے جاؤ!

مگر رملی بیٹھی زمین کی طرف دیکھتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے سر اٹھایا اور بولی:

بے جی! میں جانتی ہوں، آپ معوذ کا مجھ سے زیادہ خیال رکھیں گی، مجھے اللہ پر بھروسہ ہے۔ آپ پر یقین ہے۔ مگر اپنے دل کا بھروسہ نہیں...... میں...... میں...... کہیں وہاں جا کر معاذ کے لئے کوئی مشکل نہ پیدا کر دوں، آپ سمجھ رہی ہیں نا......

ہاں بے جی ایک دم ہنس پڑی۔

یہ کم بخت مامتا بری بلا ہے۔ دنیا میں مامتا عورت کو کمزور کر دیتی ہے۔ مفلوج کر دیتی ہے......

یہ کہہ کر بے جی اپنے خیالوں میں مگن ہو گئیں۔ تھوڑی دیر بعد سر اٹھایا تو کہنے لگیں:

ٹھیک ہے اگر تمہارا دل نہیں مانتا تو مت جاؤ، میں معاذ کو سمجھا دوں گی۔ وہ تو آتا جاتا رہتا ہے۔ پھر کبھی چلی جانا......

بے جی نے معاذ کو پاس بٹھا کے سمجھا دیا تھا۔ اور معاذ بالکل خاموش ہو گیا تھا۔ پتہ نہیں خاموش تھا کہ اداس۔ رملی کو اس کے چہرے سے کچھ بھی پتہ نہیں چل رہا تھا۔ اس چہرے کو اس نے پہلے کبھی غور سے دیکھا ہوتا تو اس کے تاثرات کو پہچاننے کے قابل ہو چکی ہوتی۔ کبھی کبھی رملی کو خیال آتا کہ اسے اپنے شوہر کے جذبات کا خیال کرنا چاہیے، دنیا بھر کی بیویاں اپنے آپ پر شوہر کے جذبات کو ترجیح دیتی ہیں۔ اپنی خوشیاں ان پر وار دیتی ہیں۔ ہر اچھے گھر کے اندر ایک ایسی عورت رہتی ہے، جو لمحہ لمحہ ایثار کے لئے تیار رہتی ہے، اور معاذ نے تو پہلی مرتبہ اپنی کسی دلی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ قانون، معاشرہ، سب کی نظر میں شوہر کا درجہ مقدم ہے۔ بس ایک بار ناں کر چکی تھی، ہزار منانے کے باوجود اپنے آپ کو جانے پر آمادہ نہ کر سکی۔

اس کے بعد معاذ نے بھی کچھ نہیں کہا۔ بس جاتے وقت اتنا کہا:

رملی! بے جی کا خیال رکھنا۔ انہیں اپنی ہمت سے زیادہ کام کرنے کی عادت ہے، اور یہ زیادہ عرصہ تجھ بار ہیں تو گھبرا جاتی ہیں۔

رملی نے بہت چاہا۔ ہنس ہنس کر معاذ کا سامان سمیٹے۔ مسکرا مسکرا کر اس کی تیاری میں مدد دے اور جاتے وقت محبوب بیویوں کی مانند کوئی مشکوک سا فقرہ کہے...... آخر وہ یورپ جا رہا تھا۔

اور جب بیویاں باہر جانے والے شوہروں کو ہلکا سا کچوکا لگاتی ہیں، یہ کہہ کر......

For more visit (exponovels.com)

وہاں تمہیں ہماری یاد کہاں آئے گی......؟

کہاں فرصت ملے گی تمہیں خط لکھنے کی......؟ یا

عیش کرنے جارہے ہو؟

تو دراصل وہ......شوہر پر اپنے استحقاق کی مہر پختہ کرنا چاہتی ہیں۔ انہیں بتانا چاہتی ہیں کہ تم صرف میرے ہو۔ اور اس بات کو ہمیشہ یاد رکھنا۔

بہت سی بیویوں کو اظہار محبت کا سلیقہ نہیں آتا۔ ان کے اندر شوہر کی محبت قطرہ قطرہ جمع ہوتی رہتی ہے۔ پھر ایک دن کوئی سا بہانہ پا کے وہ پھٹ پڑتی ہیں۔ ایسی عورتیں محبت کے بوجھ سے تھک جاتی ہیں۔ جس دن شل ہو جاتی ہیں اس دن انہیں لڑنے کا کوئی بہانہ مل جاتا ہے۔ شوہر بھی دو بدو میدان میں اتر جاتے ہیں، کیونکہ وہ اس قسم کے اظہار محبت کو جنگ کا اعلان سمجھتے ہیں۔

دو تین گھنٹے کی لڑائی کے بعد......بہت سے آنسو بہانے کے بعد ایسی عورتیں شانت ہو جاتی ہیں۔ لڑائی کے دوران آنسو بہانا ایک اور اظہار محبت ہے۔ جس کو مرد ہمیشہ ایک چلتر سمجھ کر نظر انداز کر دیتا ہے۔ رو کر عورت ہلکی ہو جاتی ہے، اسی رات وہ اپنی سیج پر آسودگی کی نیند سو جاتی ہے۔ اصل میں وہ لڑتی نہیں......وہ الجھتی ہے کہ اسے ایسی تربیت کیوں نہیں دی جاتی کہ وہ کھلم کھلا اپنے جذبات کا اظہار کر سکے۔ برملا اپنی محبت کا اظہار کر سکے۔ آخر جب اس کا دل چاہے تو وہ کہہ کیوں نہیں سکتی "تم مجھے اچھے لگ رہے ہو۔ میں تم سے پیار کرتی ہوں، اور میری آنکھیں دم آخر تک تمہاری حفاظت کریں گی۔"

کتنی بار تو معاذ نے خود رملی سے کہا تھا، کہ عام بیویوں کی طرح تم مجھ سے لڑتی کیوں نہیں ہو......بات بات میں اعتراض کیوں نہیں کرتی ہو۔ میاں بیوی اٹھتے بیٹھتے ایک دوسرے کے عیب بیان کرتے رہتے ہیں۔ مگر رملی نے تو اس کا کوئی عیب کبھی بیان نہیں کیا تھا۔ بس رملی کو معاذ میں ایک ہی بہت بڑا عیب نظر آیا تھا۔ صورت کا عیب......

صورت کے اندھیرے غار میں اتر کر اس نے دل کی روشن اور چکا چوند وادی دیکھنے کی کوشش نہ کی تھی۔

اور شاید کرتی یہ کوشش پر کم بخت یاور بیچ میں آ گیا تھا اور آتے ہی......اظہار محبت بھی کر بیٹھا تھا۔

رملی نے بڑی کشمکش کے درمیان معاذ کو خدا حافظ کہا......جاتے جاتے معاذ نے اس کا نرم ہاتھ، ہاتھ میں لے کر دبایا اور کہا:

خط لکھتی رہنا اور معوذ کی خیریت کی اطلاع دیتی رہنا۔

رملی نے بڑی خوش دلی سے سر ہلایا۔ مگر اسی وقت وہاں کھڑے کھڑے سوچا......

میں خط میں کیا لکھا کروں گی آخر......؟

For more visit (exponovels.com)

کتنے دن تو رملی بس اپنے کمرے میں پڑی رہی۔ عجیب طرح کا ڈپریشن تھا۔ جب معاذ قریب تھا تو وہ چاہتی تھی وہ جلد سے جلد دور ہو جائے کہیں چلا جائے۔ دن رات کا ساتھ تو چھوٹے .... ہر وقت اپنے آپ کو سنبھال سنبھال کے وہ تھک گئی تھی اور اپنے جذبات کو قابو میں رکھنا بھی اس کے لئے مشکل ہو گیا تھا۔ اور اب .... جب معاذ اس سے ہزاروں میل دور چلا گیا تھا تو اسے عجیب قسم کی بے چینی اور پچھتاووں نے گھیر لیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے؟

حالانکہ اسے کچھ بھی نہیں کرنا تھا۔

اس کی شادی اس کی مرضی کے خلاف معاذ سے ہو گئی تھی۔ یہ ایک فعل تھا جو سرزد ہو چکا تھا۔ بس اس کے بعد کچھ ہونا باقی نہیں تھا۔ اسے معلوم تھا کروڑ ہا عورتوں کی طرح اب اسے بچے پیدا کرنے ہیں اور اپنے گھر کو گھر بنانا ہے اور پھر معاذ کے پاس کیا نہیں تھا، ایک عورت کو آرام دہ گھر، گھر کی آسودگی اور عزت نفس ہی تو درکار ہوتی ہے۔ ایک شریف خاندان سے نکل کر وہ دوسرے شریف خاندان میں آ چکی تھی۔ کسی بھی بھٹی میں پکی ہوئی اینٹ ہو۔ جس دیوار میں لگ جاتی ہے۔ زندگی بھر اسی دیوار میں لگی رہتی ہے۔

پھر اسے اپنے دل کی بے قراری کا مطلب سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ جب تک یاور سے نہیں ملی تھی۔ بس دل پژمردہ رہا کرتا تھا۔ امنگیں ختم ہو گئی تھیں اور اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ باقی عمر وہ کس طرح گزارے ...... معوذ پیدا ہوا تو روشنی کی ایک درز زندگی میں در آئی ......

مگر اچانک یاور اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ راستہ میں آ کھڑا ہوا۔ تو ساری زندگی مضطرب ہو گئی۔ دل کی بے قراریاں جاگ اٹھیں۔ پھر تڑپنے اور بھڑکنے کا موسم شروع ہو گیا۔

ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔ اس نے کئی بار سوچا کہ اس کے خیالوں میں یاور جیسا ایک خوبرو آدمی رہا کرتا تھا۔ جو آنکھوں میں جذبے سمو کر باتیں کرنے کا گر جانتا تھا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا ......؟

اب جب کہ یاور اس کی عزیز سہیلی کا شوہر تھا اور وہ کسی شریف آدمی کی عزت تھی۔ ازدواجی زندگی گڑیا گڈے کا کھیل نہیں ہوتی۔ اب تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔

پھر اسے صبر کیوں نہیں آ جاتا تھا۔ پھر وہ دھک دھک کرتے سینے پر پتھر کیوں نہیں رکھ سکتی تھی۔

معاذ جیسے اچھے شوہر کو کیوں دھوکا دے رہی تھی؟

بس ایسے ہی خیالات نے رملی کو نڈھال کر رکھ دیا تھا۔ معاذ کے جانے کے بعد وہ زیادہ تر معوذ کے ساتھ لگی رہتی اور جب فارغ ہو جاتی تو اپنے کمرے میں پڑی رہتی۔ کبھی رسالے اور کتابیں پڑھتی ورنہ اوندھی لیٹ کے آنسو بہایا کرتی۔

For more visit (exponovels.com)

بے جی اس کی اس کیفیت کو کوئی اور ہی نام دے رہی تھیں۔ اس لئے ایک دن اس کے کمرے میں آ کر بولیں۔

اے وہ وحشی! کیوں اس طرح اوندھی لیٹی ہے......؟

کچھ نہیں بے جی۔ بس سر میں درد ہو رہا ہے۔

اٹھ کے کوئی دوائی لی ہوتی۔

بے جی، ان گولیوں سے آرام نہیں آتا۔

رملی ٹھیک کہہ رہی تھی۔ پچھلے آٹھ دنوں سے اس کے سر میں ہلکا ہلکا سا درد رہنے لگا تھا۔

شاید سوچ سوچ کر......

اٹھ کے نہاؤ دھوؤ کپڑے بدلو۔ اور ذرا اپنی امی کی طرف چلی جاؤ۔

بے جی نے پیار سے کہا۔ بے جی کا خیال تھا۔ معاذ کے چلے جانے سے رملی بے طرح اداس ہو گئی ہے۔

لیکن امی جان کے گھر جانے کے خیال سے ہی رملی کو جھرجھری آ گئی۔ جیدہ نے تین بار فون کر کے اسے بلایا تھا۔ اور اس کے نہ آنے کا سبب بھی دریافت کیا تھا۔ مگر وہ کیا بتاتی......؟ کہ اس نے آگ کے الاؤ سے دور ہو جانے کا تہیہ کر لیا ہے۔ اس نے سوچ لیا تھا۔ نہ وہ امی کے گھر جائے گی نہ جیدہ اور یاور سے ملاقات ہو گی۔ اب جو بے جی نے اتنے پیار سے کہا تو وہ آگے کچھ بھی نہ بول سکی۔ وہ تو ہمہ وقت امی جان کے گھر جانے کو تیار رہتی تھی۔ اگر اب انکار کر دیتی تو بے جی جانے دل میں کیا سوچ لیتیں......؟

اٹھ کھڑی ہو گئی۔

بے جی نے اس کے بکھرے بالوں اور سوجی ہوئی آنکھوں کو غور سے دیکھا۔ پھر کہنے لگیں۔

ایک ہفتہ اپنی امی کے گھر رہ آؤ۔

بے جی...... آپ یہاں اکیلی رہیں گی؟

ارے میں اکیلی کہاں ہوں۔ گھر میں نوکر چاکر ہیں۔ اور پھر ضرورت ہوئی تو تمہیں بلوا لوں گی۔ جاؤ...... تم ذرا بہن بھائیوں سے مل کر ہنس کھیل آؤ۔

بے جی نے اتنی محبت سے کہا کہ رملی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اپنے آپ کو گھسیٹ کر وہ غسل خانے میں لے گئی۔ آئینے کے آگے کھڑے ہو کر اس نے اپنی آنکھیں صاف کیں اور سوچنے لگی۔

بے جی آپ کو نہیں معلوم آپ مجھے کس ڈگر بھیجنا چاہ رہی ہیں۔

لیکن تو اتنی کمزور کب سے ہو گئی رملی......؟

exponovels

اس کا دل اس سے پوچھتا۔ تو ایک باشعور لڑکی ہے اور تجھے معلوم ہے حد بندی لائن کہاں پہ لگتی ہے۔ قدغن کی ڈور تیرے اپنے ہاتھ میں ہے۔ دنیا میں بہت سے لوگ دیکھنے میں اچھے لگتے ہیں۔ مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ان اچھے لوگوں کے لئے انسان اپنا گھر برباد کرلے۔

❀❀❀

رملی آنے کو تو امی جان کے گھر آ گئی۔ مگر جی کی بے قراری یہاں بھی سائے کی طرح ساتھ چلی آئی۔ سارا دن معوذ کو لے کر اندر کمرے میں لیٹی رہتی۔ کوئی نہ کوئی رسالہ اٹھا کر پڑھتی رہتی۔ نہ کسی سے بات کرتی اور نہ باہر نکل کر ہر آئے گئے سے گپ لگاتی۔ ایسے لگتا جیسے رملی چھپ جانا چاہتی ہے۔

مگر ایک دن جیدہ اسے ڈھونڈتی ہوئی آ گئی۔

اے کمینی! چار دن سے آئی ہے اور ہمیں اطلاع ہی نہیں دی......

رملی نے اسے دیکھا تو خوف کے مارے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے۔ جیدہ بولی۔ نامراد عاشقوں والی صورت بنائے لیٹی ہوئی ہو۔ اور لوگوں کے شوہر بھی ملک سے باہر جاتے ہیں۔ مگر وہ تیری طرح دنیا تیاگ کر جوگ نہیں لے لیتے......؟

رملی بوکھلا گئی۔ پتہ نہیں جیدہ کیا کہہ رہی تھی۔ اور اس کا اشارہ کس طرح تھا۔ رملی کے دل کے چور نے اسے بولنے نہ دیا۔

سچ بتا...... جیدہ پھر بولی۔ کیا تجھے اپنے شوہر سے اتنا عشق ہے؟

رملی کو یوں محسوس ہوا جیسے جیدہ کہہ رہی ہے۔

کیا تو بے وقوف ہے۔ اتنی کم عقل ہے۔ ایک بے حد بھونڈے شخص کی محبت میں مبتلا ہو چکی ہے......

اری کچھ تو بول...... جیدہ نے اس کا کندھا ہلایا اور پلنگ پر نیم دراز ہو گئی۔ کیا چپ کا روزہ رکھا ہے۔

رملی جھوٹی ہنسی ہنس دی۔

بس میری طبیعت خراب ہے جیدہ!

کیا خرابی ہے تیری طبیعت میں......؟ اچھی بھلی نظر آ رہی ہے۔

تیرا شوہر تجھے ساتھ نہیں لے کر گیا۔ اس کا سوگ منا رہی ہے۔

For more visit (exponovels.com)

نہیں جیدہ۔ رملی نے جلدی سے کہا۔

انہوں نے تو مجھے بہت مجبور کیا تھا ساتھ جانے کے لیے...... بلکہ میرا ٹکٹ بھی لے آئے تھے۔ ان کی خواہش تھی میں ان کے ساتھ جاؤں۔

رملی نے سچ سچ بتا دیا۔

اور کیوں نہیں گئی تو......

بس......رملی کی......پھر ایک دم بات بنا ڈالی۔ میں معوذ کو چھوڑ کر نہیں جا سکتی تھی۔

اری جانے دے......تیری ساس اتنی اچھی ہے۔ اتنا خیال تو تیری امی بھی نہیں رکھ سکتیں۔ جتنا بچے کا خیال بے جی رکھتی ہیں۔ تو بے وقوف ہے۔ بڑی تسلی سے بچہ اس کے پاس چھوڑ کے جا سکتی تھی......مگر شاید تو معاذ کے ساتھ جانا نہیں چاہتی تھی۔

رملی کا دل دھڑک اٹھا۔

ہاں......مگر اس میں تیرا قصور نہیں ہے۔ میں تیری جگہ ہوتی تو میں بھی معاذ کے ساتھ نہ جاتی۔ جس شوہر کو عورت دل سے قبول نہ کرے۔ اسے پسند نہ کرے بھلا اس کے ساتھ تفریحی سفر پر کیسے جا سکتی ہے......؟

اف رملی کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا......

مری ہوئی آواز میں بولی۔

تجھے کس نے کہہ دیا ہے جیدہ میں اپنے شوہر کو پسند نہیں کرتی؟

تو نے......

جیدہ نے آرام سے کہہ کے......زور سے قہقہہ لگایا۔ اور پھر کتنی دیر تک ہنستی رہی۔

رملی حیرت اور صدمے کے مارے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

جیدہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور بولی۔

رملی تیرا خیال ہے۔ ہم اس دنیا میں نہیں رہتے......؟

کیا آنکھیں نہیں رکھتے......سمجھ نہیں رکھتے یا تجربہ نہیں رکھتے......؟

رملی نے اپنے سوکھے ہونٹوں پر زبان پھیری......

For more visit (exponovels.com)

جیدہ سراسیمہ سی کیفیت میں اٹھ کھڑی ہوگئی۔ پھر اس نے یونہی سارے کمرے کا چکر لگایا۔ کسی کتاب کو کھولا...... کسی دراز کو چھوا...... کھڑکی کا پٹ

بجایا۔اور گھوم گھام کر حیران و ششدر بیٹھی رملی کے پاس آ کر بیٹھ گئی

اور بڑے دھیمے لہجے میں بولی۔

رملی کیا تجھے کسی سے عشق ہو گیا ہے......؟

رملی کے اوپر جیسے ایک بم پھٹا آ کر...... وہ ڈر کر پیچھے ہو گئی۔خوفزدہ ہو گئی۔اس کا رنگ اڑ گیا۔ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو گئے۔بہت آہستہ آہستہ مگر

مجرمانہ سی آواز میں بولی۔

کیسی باتیں کر رہی ہو جیدہ تم آج......؟

اری تو نے حلیہ ہی عاشقوں والا بنا رکھا ہے۔دیکھ تیری لٹیں گلے میں جھول رہی ہیں،آنکھیں ویران ہیں،رنگت زرد ہو رہی ہے...... چہرے کا ایک ایک نقش کہہ رہا تھا کہ تو گرفتار عشق ہے۔دنیا سے بیزار ہو کر اندر پڑی ہوئی ہے۔کسی شے میں تیرا دل نہیں لگتا۔کیوں اپنے آپ کو فریب دے رہی ہے......؟

رملی نے اپنا سر اپنے گھٹنوں میں رکھ لیا۔کتنی بودی نکلی وہ...... اگر جیدہ یہ سب بھانپ سکتی ہے تو کوئی اور کیوں نہیں سمجھ سکتا۔اے کاش وہ اعتراف کر لیتی کہ اپنے شوہر کے جانے سے اس کی یہ حالت ہو گئی ہے۔اے کاش وہ معاذ کے ساتھ ہی چلی جاتی۔شاید تب یہ کیفیت نہ ہوتی۔

اچھا......اچھا......

جیدہ ایک دم مڑی اور اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

اور بولی......

میں تو یونہی مذاق کر رہی تھی۔اٹھ کے تیار ہو جا کہیں گھوم پھر آئیں۔

میں سڑک پر سے گزر رہی تھی۔تمہارا نوکر مل گیا۔اس سے تمہارے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ تم آئی ہوئی ہو۔میں اندر آ گئی...... خالہ جان ملیں تو انہوں نے بتایا تمہیں آئے ایک ہفتہ ہو گیا ہے۔مگر کمال ہے۔تم نے ایک ہفتے میں ہمیں بالکل اطلاع نہیں دی۔کیا ہم اتنے برے ہو گئے۔یہ ایک ہفتہ جو تم نے ہم سے چھپ کے گزارا ہے۔اس کی ہم تمہیں سزا دیں گے۔اور آج ہم تمہیں اپنے ساتھ فلم دیکھنے لے جائیں گے۔

نہیں جیدہ......

رملی نے ایک دم سر اٹھایا۔میں نہیں جاؤں گی۔

کیوں نہیں جائے گی تو......؟ جیدہ نے اسی طرح پلٹ کر پوچھا۔

کیا وجہ ہے تیرے نہ جانے کی......

For more visit (exponovels.com)

یورپ چلوگی میرے ساتھ رملی ......؟

معاذ نے ہنس کر کہا تو رملی ایک دم گھبرا گئی۔ نہ ہاں کہہ سکی نہ ناں کہہ سکی۔ بس ہونقوں کی طرح معاذ کا چہرہ دیکھنے لگی۔

معاذ ہنستا رہا پھر بولا۔

چلو چل کے ہنی مون منا کے آئیں ......

اب ......؟ رملی نے بمشکل کھینچ کر آواز نکالی۔

اب کون سا موسم ہے......؟

بھئی اب ہی تو موقع ملا ہے۔ معاذ محبت سے بولا۔ شادی کے فوراً بعد تو ڈاکٹر نے تمہیں سفر کرنے سے منع کر دیا تھا۔ اب تم فارغ ہو چکی ہو۔ معوذ بھی کافی سنبھل گیا ہے۔ چلو، یورپ چلتے ہیں۔

آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جیسے یورپ بس دو چار قدم پر ہے۔

رملی جان! اب تو دنیا سمٹ کر چھوٹی ہو گئی ہے۔ اور سفر آسان ہو گئے ہیں۔

رملی کو ایسے لگا جیسے وہ کسی جال میں پھنس گئی ہے۔ جتنا ہاتھ پاؤں مارتی ہے۔ اتنا ہی اس میں الجھتی جاتی ہے۔

اس کو کشمکش میں مبتلا دیکھ کر معاذ پھر ہنسنے لگا اور تفصیل بتاتے ہوئے کہنے لگا۔

مجھے دفتر کی طرف سے چھ ماہ کے لئے یورپ بھیجا رہا ہے۔ میں نے سوچا تمہیں بھی اپنے ساتھ لے چلوں۔ ذرا ہم بھی دنیا کو دوسری آنکھ سے دیکھ لیں۔

چھ ماہ کے لئے ......رملی بے اختیار چیخی......

اس لئے تو تمہیں ساتھ لے کے جانا چاہتا ہوں۔

معاذ نے بے خیالی میں کہا۔

اتنے چھوٹے بچے کے ساتھ......

بھئی ہنی مون منانے جائیں گے تو بچہ کیوں ساتھ لے کے جائیں گے۔

نہیں نہیں۔ رملی گھبرا گئی۔ میں معوذ کے بغیر ایک دن بھی نہیں رہ سکتی۔

اور میرے بغیر......؟

For more visit (exponovels.com)

رملی نے بے اختیار پلکیں اٹھا کر اس کے ملتجی چہرے کو دیکھا۔ ان آنکھوں میں جانے کیا تھا۔ رملی نے نظریں جھکا لیں۔ مگر دل میں ایک پھانس سی چبھ

بھی میرا بچہ چھوٹا ہے۔

کیا چھوٹے بچے والی مائیں سیر و تفریح بند کر دیتی ہیں۔

مجھے سیر و تفریح کا شوق نہیں ہے۔دنیا میں بچے سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا جیدہ؟

بس اب نانی اماں بن کے مت دیکھا۔رملی......

جیدہ بولی۔

دل زندہ ہو تو آدمی ہر صورت میں تفریح کرتا ہے۔میں خالہ جان سے بات کرتی ہوں۔وہ معوذ کو سنبھال لیں گی۔

ابھی جیدہ کھڑی ہی ہوئی تھی کہ امی جان اندر آ گئیں۔جیدہ کھل اٹھی جھٹ بولی۔

خالہ جان! میں رملی سے کہہ رہی ہوں۔ہمارے ساتھ سینما چلے۔مگر یہ انکار کیے جا رہی ہے۔

امی جان نے غور سے ملی کو دیکھا۔

کیسی اجاڑ لگ رہی تھی۔سارے زمانے کی اداسیاں اس کے چہرے پہ آ کر ٹھیر گئی تھیں۔

شادی کے بعد اسے چپ لگ گئی تھی۔یہی رملی تھی۔شادی سے پہلے جس کی زبان ایک منٹ کو بھی نہ رکتی تھی۔

ایک پل کو بھی اسے قرار نہیں آتا تھا۔

اور اب کیسے ملنگ سی بنی بیٹھی تھی۔

امی جان کی ساری ماتا ان کی آنکھوں میں آ گئی۔

اس کے سر پہ ہاتھ پھیر کر بولیں۔

بیٹی چلی جاؤ۔

امی جان! رملی نے تڑپ کر سر اٹھایا۔

معوذ کیسے رہے گا اتنی دیر......

میں اسے سنبھال لوں گی۔امی جان نے پیار سے کہا۔

جب سے آئی ہو۔اندر گھسی پڑی ہو۔اٹھو کپڑے بدلو۔ذرا گھوم پھر کے آؤ۔

امی جان کا بھی یہی خیال تھا کہ رملی نے معاذ کے جانے کو اس طرح سے محسوس کیا ہے۔

For more visit (exponovels.com)

رملی کا دل چاہا وہ چیخے چلائے ...... واویلا کرے ...... اور کہے۔

آخر اسے تنہا کیوں نہیں چھوڑ دیا جاتا۔ اسے اپنے آپ سے لڑنے کی اجازت کیوں نہیں دی جاتی۔ وہ فیصلے کا خنجر اپنے سینے میں کیوں نہیں اتار سکتی۔

وہ اپنی مرضی سے جی کیوں نہیں سکتی ......؟

وہ اپنی مرضی سے مر کیوں نہیں سکتی ......؟

❁❁❁

ہنستی ہوئی رملی اپنے گھر میں داخل ہوئی تو سامنے ہی برآمدے میں طوبیٰ آپا بیٹھی ہوئی تھیں۔ انہوں نے بڑی تنقیدی نظروں سے رملی کا جائزہ لیا اور بڑی کڑوی نگاہ اس کے سراپے پہ ڈال کے بولیں۔

اس وقت کہاں سے آ رہی ہو رملی ......؟ اور اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر جلے بھنے لہجے میں کہنے لگیں۔

کہاں سے نکل آئی ہے تمہاری عزیز سہیلی کہ جس کے ساتھ رنگ رلیاں منانے میں تمہیں گھر والوں کا ہوش بھی نہیں ہے۔

رملی ٹھٹھک گئی۔ اس کی ہنسی یوں غائب ہوئی جیسے اچانک بجلی چلی جائے تو اندھیرا چھا جاتا ہے۔

اس نے اپنے بکھرے ہوئے بال سمیٹے اور ڈری سہمی نظروں سے طوبیٰ آپا کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ طوبیٰ آپا چونکہ سب بہنوں میں بڑی تھیں۔ اس لئے شروع سے ان کے انداز اور تیور جارحانہ تھے۔ بچپن میں بھی اسے طوبیٰ آپا سے بہت ڈر لگتا تھا۔ مگر اب تو اسے یوں لگا کرتا جیسے وہ بال برابر پل صراط پر چل رہی ہے۔ کسی بھی لمحے عذاب کے جہنم میں جا گرے گی۔

اس روز جیدہ اسے مجبور کر کے پکچر دکھانے کو لے گئی تھی اور امی جان نے بھی اسے زبردستی بھیج دیا تھا۔ حالانکہ اس نے تہیہ کیا تھا کہ وہ اب جیدہ کے گھر نہیں جائے گی۔ کبھی بھی یاور کا سامنا نہیں کرے گی۔ وہ ایک اچھی بیوی اور اچھی ماں بن کر رہنا چاہتی تھی۔ مگر امی جان اس کے دل کی حالت کو کیا جانتی تھیں۔ انہوں نے بڑے خلوص سے اسے بھیج دیا۔ اس دن کوئی عجیب بات بھی نہیں ہوئی۔ فلم دیکھتے ہوئے یاور نے نہ تو عجیب نظروں سے اسے دیکھا اور نہ کوئی انگارے کی طرح سلگتا ہوا فقرہ اس کی جھولی میں ڈالا۔ بڑے اچھے ماحول میں بڑی فلم دیکھی۔ بعد میں انہوں نے آئس کریم بھی کھائی اور پھر جیدہ اور یاور اسے گیٹ پر اتار کر چلے گئے۔ اس روز اس نے دل میں سوچا وہ تو ناحق ڈر رہی تھی۔ زندگی میں ہزار لوگ ملتے ہیں۔ بعض لوگ اچھے لگتے ہیں۔ اچھا لگنے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم انہیں حاصل کرنا چاہتے ہیں یا ان کے دل میں رہنا چاہتے ہیں۔ اتنی بڑی دنیا ہے اتنے بے

For more visit (exponovels.com)

تماشا انسان ہیں۔ ہر انسان کی صفت جدا ہے۔ بس اچھے انسانوں سے مل کر خوش ہونا چاہئے۔ اس روز اسے معلوم ہوا کہ پسندیدہ لوگوں کی صحبت میں بیٹھ کر بس اپنے آپ کو خوش رکھنا ہی سب سے بڑی بات ہے۔ وہ اپنی پیاری نکی کا گھر نہیں اجاڑنا چاہتی تھی۔ یاور دیکھنے میں اس کو اچھا لگتا تھا اس کی باتیں اچھی لگتی تھیں...... بس اتنا ہی کافی تھا۔ زندگی خوش رہنے کے لئے ہے۔

اور خوشی کے چند لمحے زندگی کے قریب آئیں تو انہیں ٹھکرانا نہیں چاہیے ان سب باتوں کا ادراک اسے یاور کے شریفانہ رویے نے دیا تھا۔ اس لئے وہ بے خوف ہوگئی تھی۔

اس کے بعد جب بھی میکے آتی۔ بے دھڑک جیدہ کو ملنے چلی جاتی۔ بے جی نے جب دوبارہ اس کا کھلا ہوا چہرہ دیکھا۔ تو ہفتے میں دو دن کے لئے اسے میکے بھیج دیا کرتیں۔ امی جان نے بھی جب اسے زندگی کے ساتھ مگن دیکھا تو ہر روز اسے جیدہ کے ساتھ گھومنے پھرنے کی اجازت دے دی۔ جب بھی وہ میکے آتی تو پہلے سے جیدہ کو فون کر دیتی اور وہ دونوں میاں بیوی کوئی سا پروگرام بنا لیتے۔ آج بھی وہ لوگ ایک نئے سے ریستوران میں کھانا کھانے گئے تھے۔

ریستوران دیہات کی طرز پر بنایا گیا تھا۔ اس کے اندر اور ارد گرد سارا دیہاتی ماحول تھا۔ یہ ریستوران ان لوگوں کو پسند آیا تھا۔ اور کھانا بھی بہت اچھا لگا تھا۔ خصوصاً تنوری روٹیاں......

اور اب وہ جھومتی جھامتی گھر میں داخل ہوئی تھی تو طوبیٰ آپا سامنے خونخوار بنی بیٹھی تھیں۔

پہلے تو رملی کو طوبیٰ آپا کی باتیں سن کر بہت ڈر لگا۔ لیکن پھر وہ دل ہی دل میں کڑھنے لگی۔ پتہ نہیں طوبیٰ آپ ہر ایک کی گارڈین بننے کی کوشش کیوں کرتی تھیں۔ جب کہ گارڈین کی صورت میں امی جان موجود تھیں۔ اور وہ ہمیشہ امی جان کی اجازت سے باہر جاتی تھی۔ رملی کے ماتھے پر بل پڑ گئے طوبیٰ آپا کا پوچھنے کا انداز ہی ایسا دل جلانے دینے والا تھا۔

وہ مناسب جواب سوچنے لگی۔

طوبیٰ آپا اس کی خاموشی سے بگڑ کر بولیں۔

پچھلے دو مہینوں سے میں بھی آتی ہوں۔ یہی خبر ملتی ہے کہ رملی آئی ہوئی ہے مگر اپنی سہیلی کے ساتھ باہر گئی ہے۔ کون ہے تمہارے یہ سہیلی جس کی محبت میں تم اپنے بچے کو بھی بھول گئی ہو!

رملی نے بے اختیار نظریں اٹھا کر سامنے اپنے کمرے کی طرف دیکھا۔ جس میں معوذ کو سلا کر گئی تھی۔

For more visit (exponovels.com)

آج ساری شام تمہارا بیٹا روتا رہا ہے۔ اور امی بے چاری اسے سنبھال سنبھال کر تھک گئی ہیں۔ کیا سمجھ رکھا ہے تم نے اپنی ماں کو...... تمہیں معلوم ہے

امی بیمار رہتی ہیں اس عمر میں وہ تمہاری آیا گیری نہیں کرسکتیں۔ ہم نے بھی اپنے بچے پالے ہیں۔ اور بچوں کے لئے اپنے آپ کو فنا کیا ہے۔ تم میں کیا سرخاب کے پر لگے ہیں......؟

انہوں نے لمبی تقریر کر کے ذرا دم لیا۔ تو رملی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔

معوذ آرام سے سویا ہوا تھا اور امی جان اس کے ساتھ لیٹی ہوئی تھیں۔ امی جان کے چہرے پر بہت تھکاوٹ تھی۔ مگر اکتاہٹ نہیں تھی۔ اس نے اپنا پرس میز پر رکھا۔ اور کپڑے بدلنے کے لئے غسل خانے میں چلی گئی۔ طوبیٰ آپا کے بولنے کی آواز ابھی تک آ رہی تھی۔

کتنی خودسر ہو گئی ہے یہ رملی۔ جواب تک دینا گوارا نہیں کیا......؟

پتہ نہیں اپنے آپ کیا سمجھتی ہے۔ دو گھنٹے سے اس کے انتظار میں بیٹھی ہوں۔ اب ملکہ کی سواری آئی ہے۔ مگر دیکھو میرے پاس سے یوں گزر گئی۔ جیسے اسے میری پرواہ ہی نہیں۔ یوں بھی اس نئی نسل کا خون سفید ہے......؟

رملی کپڑے بدل کر باہر نکل آئی۔ امی جان کمرے سے اٹھ کر جا چکی تھیں اور اب طوبیٰ آپ کی آواز بھی نہیں آ رہی تھی۔ شاید امی جان نے باہر جا کر انہیں چپ کرا دیا تھا۔

کتنا فرق ہوتا ہے ماں اور بہن میں......رملی نے سوچا اور بستر پر دراز ہو گئی۔

آج وہ لوگ بہت ہنسے تھے۔

اس لئے اب دل پر گھٹائیں چھا رہی تھیں۔

پتہ نہیں یاور کی صحبت میں اتنی خوشی کیوں رہتی تھی۔ یاور کے پاس کوئی طلسمی طاقت تھی۔ اس کے قریب بیٹھتے ہی سارے مایوس کن خیالات ادھر ادھر بھاگ جاتے ہیں۔

وہ لوگ جب بھی کھانا کھانے یا تفریح کے لئے باہر جاتے تو موٹر ہمیشہ جیدہ چلاتی تھی۔

جب موٹر جیدہ چلاتی تھی تو پھر رملی کو اس کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھنا پڑتا تھا۔ تب یاور ہمیشہ پچھلی سیٹ پر بیٹھتا تھا۔ اور پیچھے بیٹھا ہوا اس طرح دھیمی دھیمی باتیں کرتا رہتا جیسے ان کی طرف پھول اور پتیاں پھینک رہا ہو۔

exponovels

For more visit (exponovels.com)

جاری ہے...

جب پہلے دن وہ موٹر کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا تو رملی نے مڑ کر اسے دیکھا اور کہا۔

پلیز آپ آگے آ کر جیدہ کے پاس بیٹھ جائیں۔

نہیں نہیں تم آگے بیٹھو رملی۔ میں تمہارے پیچھے بیٹھ کر خوشی محسوس کروں گا۔

آپ کو اپنی بیوی کے پاس بیٹھنا چاہیے۔ رملی نے بودے پن سے کہا۔

میں تو بے چارہ رن مرید سا شوہر ہوں، یاور سگار کا کش لے کر بولا۔

دو خوبصورت لڑکیوں کے پیچھے بیٹھ کر راحت محسوس کر رہا ہوں۔

تا کہ لوگ یہ سمجھیں کہ دو خوبصورت لڑکیوں نے بے چارے کو دبا رکھا ہے۔

جیدہ نے موڑ کاٹتے ہوئے کہا۔

نہیں.....لوگ بلکہ مجھے رشک سے دیکھ رہے ہیں اور سوچ رہے ہیں۔ دو خوبصورت لڑکیاں اس کو چلا رہی ہیں۔

اس پر جیدہ نے زوردار قہقہہ لگایا۔

یاور! دراصل تم تن آسان ہو گئے ہو۔ اب موٹر چلانا نہیں چاہتے۔

ہاں......وہ اپنی نشہ آور آواز میں بولا۔ جب کوئی خوبصورت لڑکی میرے آس پاس بیٹھی ہو تو میرے ہاتھ کانپنے لگتے ہیں۔ ایسے میں موٹر چلانے سے ڈرتا ہوں کہ کہیں کوئی حادثہ نہ ہو جائے۔

تم موٹر چلاؤ تو کوئی حادثہ نہیں ہو سکتا یاور......

جیدہ نے سٹیرنگ گھماتے ہوئے کہا۔

پتہ نہیں دونوں میاں بیوی کے تعلقات کیسے تھے؟ رملی اکثر سوچا کرتی۔ بظاہر وہ عاشق و معشوق جیسی باتیں کرتے رہتے۔ مگر یاور کی نظریں کچھ اور ہی کہتی رہتیں۔

ایک دن موقع دیکھ کر رملی نے یہی سوال کر ڈالا۔

اس روز رملی تیار ہو کر ان کے گھر گئی۔ تو یاور بالکل تیار بیٹھا تھا۔ مگر جیدہ غسل خانے میں تھی۔ باتوں باتوں میں ایک دم رملی نے جرات کر کے پوچھ لیا۔

For more visit (exponovels.com)

آپ نے اب تک کتنے عشق کیے ہیں۔

exponovels

یاور زور سے ہنسا۔ اور پھر سنجیدہ ہو گیا اور کہنے لگا۔

رملی تم میرے بارے میں ایسا سوچ سکتی ہو۔ مگر میں تمہیں کیا بتاؤں کہ انسان کیا چیز ہے......؟ انسان قدرت کی عجیب تخلیق ہے۔ زندگی بھر اپنے آپ کو نہیں سمجھ سکتا۔ اب یہی دیکھو میں بائیس برس کا تھا جب مجھے جیدہ سے عشق ہو گیا تھا۔ بائیس برس کی عمر بھی کوئی عمر ہوتی ہے۔ اس عمر میں سب تجربے جلد بازی کے ہوتے ہیں۔ اب میں بتیس برس کا ہوں۔ عشق و محبت کا مفہوم اب سمجھ میں آیا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ پہلا عشق کر کے میں پچھتا رہا ہوں۔ ہاں اگر میرا وہ عشق ناکام ہو جاتا تو بھی اب میں اپنے ان جذبوں کی ہنسی اڑاتا ہوتا۔ مرد کی زندگی میں بہت سے مرحلے آتے ہیں۔ مرحلے پڑاؤ نہیں ہوتے۔ یہ تو مرد بھی نہیں جانتا کہ اسے کب، کس عمر میں سچی محبت ہو جائے گی۔ اس لئے جو چہرہ قریب آتا ہے۔ اس کا محبوب بن جاتا ہے۔

پھر ایک دن......

یہ کہہ کر اس نے سگار کا کش لیا۔ تھوڑی دیر تک خلاؤں میں گھورتا رہا...... پھر اس کی سلگتی آنکھوں میں آنکھیں پھنسا کر بولا......

زندگی کی ڈگر پر ظالم اور سفاک چہرہ نظر آ جاتا ہے۔ جس پر ہمارے دل کی کہانی لکھی ہوتی ہے۔ جسے دیکھنے کے بعد یوں محسوس ہوتا ہے کہ پچھلی ساری زندگی یونہی رائیگاں گئی وہی چہرہ حاصل زندگی بن جاتا ہے......

تم نے وہ شعر سنا ہے۔

تمام عمر تیرا انتظار ہم نے کیا......

اس انتظار میں کس کس سے پیار ہم نے کیا؟

رملی کا دل دھڑک اٹھا۔ مگر اس نے گھبرا کر کلائی کی گھڑی دیکھی۔ اور بولی۔

جیدہ نے بہت دیر لگا دی ہے؟

تم بات بدلنا خوب جانتی ہو۔ یاور نے دانت پیس کر کہا۔

آپ اس طرح کہہ لیں۔ ورنہ جو بات میری سمجھ میں نہ آئے اس کا میں کیا جواب دوں......؟

رملی! یاور نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔ تم اس طرح کیوں نہیں پوز کرتی ہو۔ جیسے تم دنیا کی سب سے زیادہ معصوم عورت ہو۔

رملی ہنسنے لگی۔

اگر آپ کے خیال میں میں پوز کرتی ہوں تو آپ اسے سچ نہ مانا کریں مجھے بے حد مکار عورت سمجھتے رہیں۔

For more visit (exponovels.com)

نہیں...... یاور سگار کی راکھ جھاڑ کر بولا۔

exponovels

مکار عورتیں تمہاری طرح نہیں ہوتیں۔تم واقعی معصوم ہو۔مگر کبھی کبھی مجھے تمہاری معصومیت پر غصہ آتا ہے۔

رملی کا دل چاہا وہ پوچھے......

آپ کو کیوں میری معصومیت پر غصہ آتا ہے یا غصہ کرنے کا کیا حق ہے؟

مگر اس نے بات بڑھانا مناسب نہ سمجھا۔

رملی۔یاور نے تھوڑی دیر بعد بڑی نرمی سے کہا۔

مجھے حسرت ہے میں تمہارے خیالات سنوں۔مگر تم بہت کم باتیں کرتی ہو۔کیا تم مجھے خط نہیں لکھ سکتیں......؟

خط......؟اسی وقت اسے یاد آیا کہ اس نے اس مہینے معاذ کے خط کا جواب نہیں دیا۔

رملی ہنسنے لگی۔بھئی کس سلسلے میں......؟

بس ایسے ہی جیسے قلمی دوستوں کو لکھے جاتے ہیں یا جس طرح دو بالغ افراد ایک دوسرے سے خط و کتابت کرتے ہیں۔

اچھا تو آپ مجھے اس طرح سے مروانا چاہتے ہیں۔کوئی خط دیکھ لے تو یہ کہے کہ شادی شدہ ہو کر ایک نامحرم کو خط لکھتی ہیں۔

کون دیکھے گا بھئی......؟ جیدہ کو تو میں بتا دوں گا۔پھر کون اعتراض کرنے والا ہے؟

اگر تمہیں شک ہے کہ تمہارے خط ادھر ادھر گر جائیں گے۔یا کسی کے ہاتھ لگ جائیں گے۔تو اس کا بھی بندوبست ہو سکتا ہے۔

رملی چپ رہی۔

تھوڑی دیر بعد وہ خود ہی بولا۔

میرا ایک دوست بینک میں منیجر ہے۔اس کی معرفت بینک میں ایک لاکر لے لوں گا۔اور اس میں تمہارے خط رکھ دیا کروں گا۔

رملی کو یہ بات بہت عجیب لگی۔حیران ہو کر یاور کا چہرہ دیکھنے لگی۔اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر خطوں کی اس ضمن میں کیا ضرورت پیش آ گئی۔

جب کہ وہ اکثر ان لوگوں سے مل لیتی ہے مل سکتی ہے......اس نے معاذ کو بھی بڑی مشکل سے خط لکھا تھا۔اور شاید اسے خط لکھنا آتا بھی نہیں تھا۔

کیا سوچ رہی ہو......یاور نے آہستہ سے کہا۔میں نے اتنی مشکل بات کہہ دی ہے۔میں نے سوچا تھا......زندگی گزارنے کے لئے کچھ تو زادِ راہ ہونا چاہیے۔کبھی کبھی جب زندگی سے تھک جایا کروں گا تو تمہارے خطوط نکال کر پڑھ لیا کروں گا......

ابھی رملی کچھ جواب نہ دے پائی تھی کہ دروازہ کھلا اور بنی سنوری جیدہ باہر نکل آئی۔آہا آج تو نیلم پری آئی بیٹھی ہے۔اس نے رملی کے نیلے کپڑوں پر نظر ڈال کر کہا۔

exponovels

For more visit (exponovels.com)

تم نے دیر کر دی جیدہ...... میں تو آدھ گھنٹے سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔

چلو چلو پکچر کا وقت نکل جائے گا۔

جیدہ نے اپنا پرس اٹھا کر کہا اور تینوں باہر نکل آئے۔

پھر ایک دن جب رملی اپنے سنہری چمکدار لمبے بال اگلی سیٹ کی پشت پر پھیلائے بیٹھی تھی تو یاور نے پچھلی سیٹ پر سے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور بولا۔

جیدہ! تمہیں معلوم ہے جن عورتوں کے لمبے اور خوبصورت بال ہوں وہ انہیں کھلا کیوں چھوڑ دیتی ہیں......؟

نہیں...... جیدہ ہنس کر بولی۔ بھئی میں نہیں جانتی۔ میرے تو کبھی لمبے بال نہیں تھے۔ میں کیا جانوں......؟

تا کہ اپنے پیچھے تڑپنے والوں کا نظارہ نہ کر سکیں......

رملی کے دل نے پھر ڈبکی لگائی۔ اسے احساس تھا۔ اس کے بال بہت خوبصورت ہیں اور جو کوئی اسے پیچھے سے دیکھ لیتا تھا۔ آگے آ کر اس کا چہرہ ضرور دیکھنا چاہتا تھا۔

ایک اور خاصیت بھی ہے لمبے بالوں والی عورت کی......؟

یاور پھر بولا۔

رملی آج روئے سخن تمہاری طرف ہے۔ جیدہ نے ایک آنکھ بند کر کے کہا۔

رملی صرف مسکرا کر رہ گئی۔

لمبے بالوں والی عورتیں اپنے جذبات چھپا کر رکھتی ہیں۔ اپنے جذبات پر بھی بالوں کی تہہ جما دیتی ہیں......؟

یاور! جیدہ شوخی سے بولی۔ اب کچھ چھوٹے بالوں والی عورت کے بارے میں بھی کہو؟

مجھے تو حسد ہونے لگا ہے رملی سے......

اس پر تینوں نے ایک قہقہہ لگایا......

رملی نے بے قرار ہو کر کروٹ بدلی۔ بہت سارے دن بہت اچھی طرح گزر گئے تھے۔ وہ اپنے گھر میں بھی مگن تھی اور امی کے گھر میں بھی خوش رہتی تھی۔ یوں لگتا تھا۔ تھوڑے دنوں کے لئے وہ قید سے چھوٹ کر آ گئی ہے اس کے لاشعور میں کہیں تھا وہ واپس اسی قید خانے میں جانا ہو گا۔

اس لئے وہ چاہتی تھی چند دن ہنس کھیل کر گزار لے۔ صرف ہنسنے کھیلنے کے سوا اس کا کوئی اور قصور بھی نہیں تھا۔ مگر طوبیٰ آپا کو دیکھو۔ مزے سے الزام کا ٹوکرا اٹھا کر اس کے سر پر دے مارا تھا۔ آخر اس نے کیا برا کیا تھا۔ ہفتے میں ایک ہی بار تو ادھر آتی تھی اور ایک شام اچھی گزار جاتی تھی۔ جس شام کا

For more visit (exponovels.com)

نشہ سارا ہفتہ اس کے اعصاب پر رہتا تھا۔

پر آج رات جیدہ نے کتنی عجیب بات کہہ دی تھی۔

آج وہ ایک ریستوران میں کھانا کھانے گئے تھے۔ ابھی آخری نوالے کھا رہے تھے کہ جیدہ بولی۔

یاور تم بل دے کر رملی کے ساتھ باہر آ جانا۔ میں پہلے جا کر گاڑی اسٹارٹ کر لوں۔ آج دھکا لگوانا پڑے گا۔

جیدہ باہر آ گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد دونوں بل ادا کر کے باہر نکلے۔ جیدہ موٹر اسٹارٹ کیے ان کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ یاور نے پہلے ہوٹل کا دروازہ کھولا اور رملی باہر آ گئی۔ پھر دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے موٹر تک آئے اسی طرح یاور نے موٹر کا اگلا دروازہ کھولا۔ رملی آگے بیٹھ گئی، پھر یاور نے پچھلا دروازہ کھولا اور خود پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ جیدہ نے موٹر آگے بڑھائی اور ہنس کر بولی۔

تم دونوں کی جوڑی بہت اچھی لگ رہی تھی۔

رملی کا سارا خون چہرے پر آ گیا تھا۔

کار چلتی رہی جیدہ مسکراتی رہی...... سامنے دیکھتی رہی۔ پھر اسی انداز میں بولی۔

ابھی جب تم دونوں ہوٹل کا دروازہ کھولے باہر آئے تھے تو بہت شاندار لگ رہے تھے جیسے ایک دوسرے کے لئے پیدا کیے گئے ہو؟

رملی نے تڑپ کر پہلے جیدہ کے چہرے کو دیکھا اور پھر پیچھے مڑ کر یاور کا ردعمل دیکھا۔

جیدہ کے چہرے پر کچھ بھی نہ تھا۔ ایک مسکراہٹ تھی۔ لپ اسٹک سے رنگی ہوئی۔ اور یاور...... جیسے سگار کے ساتھ اسے پی رہا تھا۔

رملی کو ایک پراسرار چپ نے ڈس لیا۔ اگر رملی کے دل میں یاور کا چور نہ ہوتا تو وہ بھی کوئی مزے داری پھبتی کس دیتی مگر اسے فوری کوئی جواب نہ سوجھا...... اور ساتھ ساتھ وہ بھی سوچتی رہی۔ اس کے چپ رہنے سے جیدہ کو غلط فہمی بھی تو ہو سکتی ہے اس لئے بہت ٹھہر ٹھہر کر اور بہت رک رک کر بولی۔

جیدہ کبھی کبھی مجھے یوں لگتا ہے کہ تم دونوں میاں بیوی کا دماغ چل گیا ہے......

جیدہ ویسے ہی سامنے دیکھتی رہی اور مسکراتی رہی۔ مگر یاور نے زوردار قہقہہ لگایا۔

تم یہ بتاؤ۔ جیدہ بولی۔ میں نے سچی بات کہی ہے یا جھوٹی......؟

تم نے بہت واہیات بات کہی ہے......

رملی آہستہ سے بولی۔

For more visit (exponovels.com)

بھئی تم دونوں آتے ہوئے اتنے اچھے لگ رہے تھے کہ میں تو بس دیکھتی ہی رہ گئی اسی طرح دوسرے لوگ جو تم دونوں کو دیکھتے ہوں گے ایسا ہی سوچتے

ہوں گے۔

ان کے سوچنے سے کیا ہوتا ہے......؟ رملی نے بے تکے پن سے کہا۔

ہاں ایک فرق ہے۔ میں جو دیکھتی ہوں۔ محسوس کرتی ہوں۔ فوراً کہہ بھی دیتی ہوں؟

ایسی بات نہیں کہنی چاہیے جس سے کسی کو تکلیف پہنچے۔

رملی کے منہ سے نکل گیا۔

اس پر جیدہ نے پہلی مرتبہ مڑ کے رملی کا چہرہ دیکھا، رملی کے چہرے پر کرب کے سائے تھے۔

تمہیں اس بات سے تکلیف پہنچی ہے رملی......؟

جیدہ نے پوچھا......

اور پھر اسی انداز میں بولی۔ یاور اتنا برا آدمی تو نہیں ہے۔

بات اچھے برے کی نہیں ہے جیدہ۔ رملی نے کہا۔ اور ساری دنیا تمہاری طرح وسیع الخیال بھی نہیں ہے۔

یاور! تم کیوں چپ بیٹھے ہو......؟

جیدہ نے شیشے میں سے یاور کا چہرہ دیکھا۔ جو سادھوؤں کی طرح سیٹ پر آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔

تم بھی اس بارے میں کچھ کہو......

ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے......

دو خوبصورت مگر بے وقوف لڑکیاں میرے بارے میں گفتگو کر رہی ہیں اور میں لطف لے رہا ہوں۔ اپنی ذات زیر بحث ہو تو کون پھولا نہیں سماتا۔ میں

کیوں بولوں چپ چاپ سنتا کیوں نہ رہوں......

پھر اس کے بعد گفتگو کا موضوع ہی بدل گیا......

اور اب بستر پر لیٹے ہوئے لمحہ بھر کو رملی نے دل میں سوچا......

واقعی یاور اس کے ساتھ چلتا ہوا کتنا اچھا لگتا ہوگا......

اور اس سوچ کے ساتھ ہی اسے طوبیٰ آپا کا جلتا ہوا فقرہ یاد آ گیا......

کہاں سے نکل آئی ہے تمہاری اتنی عزیز سہیلی کہ جس کے ساتھ رنگ رلیاں منانے میں تمہیں گھر والوں کا بھی ہوش نہیں ہے۔

For more visit (exponovels.com)

طوبیٰ آپا نے جو رملی کو ڈانٹ پلائی تھی تو رملی اس سے کچھ محتاط ہو گئی تھی اس لئے دو تین ہفتے دانستہ امی جان کے ہاں نہیں گئی۔ اپنے گھر میں رہی اور بچے میں لگی رہی۔ کل رات امی جان نے فون کر کے اسے بلایا تھا۔ امی جان کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں رہتی تھی۔ بظاہر وہ چلتی پھرتی رہتیں گھر کے کام کرتی رہتیں۔ مگر ان پر ایک گم صم سی سوچ کا غلاف چڑھا رہتا۔ بیٹھے بیٹھے وہ کھو جاتیں اور خالی خالی نظروں سے کسی کونے میں دیکھنے لگتیں۔ البتہ رملی آجاتی تو ان میں زندگی کے آثار پیدا ہو جاتے۔ تین ہفتے وہ نہیں آئی تو امی جان نے خود فون کر کے اسے بلایا۔

صبح اٹھ کر وہ معوذ کے کاموں میں لگی رہی۔ اب وہ دودھ پی کے سویا تھا۔ اور وہ تھوڑے سے کپڑے دھونے کا پروگرام بنا رہی تھی کہ ایک دم جیدہ آ گئی۔

تو پچھلے تین ہفتے کیوں نہیں آئی......؟

اس نے آتے ہی سوالات شروع کر دیئے۔

بس......رملی کھڑی ہو گئی۔ بے جی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ معوذ بھی دانت نکال رہا ہے نا، تو یہ بھی ٹھیک نہیں رہتا۔

کم از کم ٹیلی فون تو کیا ہوتا......؟

بس سوچتی رہی فون نہ کر سکی۔

پچھلے ہفتے ہم نے تمہارا بہت انتظار کیا۔

ہاں پچھلے ہفتے میں طوبیٰ آپا کے گھر چلی گئی تھی۔ اس دن وہ خفا ہو کر گئی تھیں نا، تو ان کو منانا بھی ضروری تھا۔

رملی کھڑی ہوئی تو جیدہ آرام سے اس کے بستر پر لیٹ گئی۔

تو کیسے صبح صبح ٹپک پڑی ہے آج......رملی نے پوچھا۔

مجھے رات ہی پتہ چل گیا تھا کہ تو آ گئی ہے۔ یاور آفس چلا گیا۔ تو میں ادھر آ گئی۔ سوچا آج تمہارے ساتھ گپ شپ ہو جائے۔

اچھا کیا......رملی ادھر ادھر سے معوذ کے کپڑے سمیٹ کر بولی۔ میں یہ کپڑے ذرا مائی کو دے آؤں وہ دھو دے گی۔ پہلے تو میرا دھونے کا ارادہ تھا۔ اب تم آ گئی ہو تو میں تمہارے ساتھ گپ لگاؤں گی۔

For more visit (exponovels.com)

رملی کپڑے دے کر واپس آئی تو اس نے ہاتھ میں چائے کی دو پیالیاں بھی پکڑی ہوئی تھیں۔ ایک پیالی جیدہ کو پکڑا کر وہ سامنے ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔

تیرا شوہر کب آ رہا ہے...... جیدہ نے ایک گھونٹ بھر کر پوچھا۔

تاریخ کا تو علم نہیں مگر اگلے مہینے تک......

خطوط نہیں لکھتی تو......

ایک دو لکھے ہیں۔ مگر وہ تو ہر ہفتے وہاں سے فون کر لیتے ہیں۔

بڑے پیسے خرچ کر رہا ہے تیرا شوہر۔ جانتی ہے ایک کال پر کتنے روپے لگتے ہیں۔

بھئی میں نے تو انہیں پیسے خرچ کرنے کو نہیں کہا۔

کم بخت بیوی خوبصورت ہو تو شوہر کو فکر لگا رہتا ہے۔ اگر میں تیری جگہ ہوتی تو صاف کہہ دیتی ہر ہفتے فون کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہی پیسے بچا کر میرے لئے شاپنگ کرلائیں؟

رملی ہنسنے لگی۔

پاگل، دنیا کی ہر خوشی خرید وفروخت سے نہیں ملتی۔

جیدہ نے چائے ختم کر کے پیالی نیچے فرش پر رکھ دی اور چت لیٹ گئی۔ تھوڑی دیر چھپ کو دیکھتی رہی۔ پھر بڑی گھمبیر آواز میں کہنے لگی۔

رملی! میں آج تجھ سے ایک بہت ضروری بات کہنے آئی ہوں۔

رملی نے بھی پیالی خالی کر کے رکھ دی اور اٹھ کے اس کی پاس پلنگ پر آ کے بیٹھ گئی۔

کہو۔

بہت دن میں نے اس بات پر سوچا ہے۔ بالآخر میرا یہی فیصلہ ہے کہ میں تمہیں بتا دوں۔

رملی کا دل دھڑ کنے لگا۔

میرا شوہر تیرے عشق میں مبتلا ہو چکا ہے رملی......

بغیر توقف کئے جیدہ نے اگلا فقرہ کہہ دیا۔ رملی کا دل اچھل کر حلق تک آ گیا۔ اس کو ایک دھچکا لگا۔ وہ جہاں بیٹھی تھی سن ہو گئی۔ اپنی پوزیشن درست بھی نہ کر سکی۔ اور مجھ سے اس کی حالت دیکھی نہیں جاتی وہ اندر ہی اندر گھل رہا ہے۔ اتنا عرصہ ہو گیا میری شادی کو مگر میں نے اس کی ایسی حالت کبھی نہیں دیکھی تھی...... یہ کہتے وقت جیدہ رملی کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔ بلکہ اس نے دیوار کی طرف منہ پھیرا ہوا تھا۔ اور بڑی اڑی ہوئی رنگت کے ساتھ رملی یک ٹک اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ جس پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ ایک پھیکا سا چہرہ...... جیسے روئی کا کاغذ جس پر کچھ بھی نہ لکھا گیا ہو۔

exponovels

For more visit (exponovels.com)

یہ بات جیدہ غصے سے کہہ رہی ہے۔ گلے میں...... یا نفرت سے...... رملی کو تو کچھ بھی اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ بس اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ جیسے اسے پھانسی کے تختے کے قریب لے جایا جا رہا ہو......

میں اپنے شوہر کو آزردہ نہیں دیکھ سکتی......

جیدہ پھر بولنے لگی۔

میں اسے ہمیشہ خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔ اس لئے میں نے سوچا ہے آج میں تم سے یہ بات ضرور کروں گی۔

یہ کہہ کر اس نے باقاعدہ رملی کی طرف دیکھا۔ رملی نے جھٹ نظریں جھکا لیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ جیدہ اس سے کیا کہنا چاہتی ہے؟

جیدہ تھوڑی دیر اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ پھر بڑے بے درد لہجے میں بولی......

اور شاید تم بھی......

جیدہ......؟ رملی نے تڑپ کر سر اٹھایا۔

جیدہ......؟

ہاں تم بھی اس سے محبت کرنے لگی ہو رملی۔ یاور میں طلسمی کشش ہے۔ جو لڑکی اسے دیکھتی ہے۔ اس سے محبت کئے بنا رہتی نہیں۔

یہ جھوٹ ہے جیدہ......

رملی نے مری ہوئی آواز میں کہا۔ اگر میں تم لوگوں کے ساتھ گھومتی پھرتی ہوں ہنس بول لیتی ہوں۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ......

صفائی کیوں پیش کر رہی ہو رملی۔ جیدہ نے ذرا نرمی سے کہا۔ میں تم سے گلہ تو کرنے نہیں آئی۔ پہلے میری بات تو سنو۔

مگر تم جانتی ہو تم کیا کہہ رہی ہو؟ خوفزدہ لہجے میں رملی نے پوچھا۔

ہاں جانتی ہوں...... تم میری دوست ہو۔ آج اگر درد دل تم سے نہیں کہوں گی تو کس سے کہوں گی؟ پہلے خاموشی سے میری بات سن لو۔

رملی خاموش ہو گئی۔

جیدہ نے ایک ٹھنڈی سانس چھوڑی۔

پھر کہنے لگی رمو! تو جانتی ہے میرا بچہ نہیں ہے۔ ڈاکٹروں نے بہت پہلے بتا دیا تھا کہ میرے بچہ نہیں ہو سکتا۔ اور یاور کو بچے کی بڑی آرزو ہے۔ کبھی کبھی مجھے احساس جرم ہونے لگتا ہے کہ میں یاور کو بچہ تو دے نہیں سکتی۔ مگر اس کے ساتھ چمٹی ہوئی ہوں۔ اب تم دونوں کی حالت دیکھ کر میرے دل میں ایک خیال آیا ہے۔ تم اسے حل کہہ سکتی ہو......!

For more visit (exponovels.com)

exponovels

رملی کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہوگئے۔ وہ کسی نئے حملے کے لئے تیار ہوگئی۔

تم......تم ایسا کرو۔ یاور سے شادی کرلو......

جیدہ......؟

رملی اتنے زور سے چیخی کہ کاٹ (COT) میں سویا ہوا معوذ ڈر کر جاگ اٹھا اور پھر سسک سسک کر رونے لگا۔

رملی چھلانگ لگا کر اس کے بستر کے قریب گئی۔ اور دھیرے دھیرے اسے تھپکتی رہی تھوڑی دیر سسک کر اور کسمسا کر معوذ دوبارہ سو گیا مگر رملی بت کی طرح بیٹھی اسے تھپکتی رہی۔ اس کا چہرہ دیکھتی رہی اس کے ہونٹ دیکھتی رہی جو سوتے میں بھی بسور رہے تھے۔ کبھی مسکرا رہے تھے۔ اس کے رخسار پر ایک تنہا آنسو رہ گیا تھا۔ اس کو دیکھتی رہی......اپنا ہاتھ اس کے نرم، ملائم جسم پر پھیرتے ہوئے وہ سوچتی رہی۔ محبت کی اصل کیا ہے......؟ یہ معوذ کون ہے......؟ کون ہے یہ دل کا ٹکڑا اور کہاں سے آ گیا......؟

کس نے بخشا یہ لال......؟

یہ موتی سیپ میں کیسے اترا......؟

کیا موتی سیپ سے باہر آ کر بے مول ہو جاتے ہیں۔

اتنا بڑا آسرا تھا اس کے پاس......وہ کیوں بے آبرو ہوئی۔

کتنی دیر تک وہ یونہی گم صم......بیٹھی اس کو تھپکتی رہی۔ معوذ کے پاس سے اٹھ کر جانے کا حوصلہ نہ ہو سکا۔ معوذ کے آس پاس اس کی ساری طاقت جمع تھی۔

کافی دیر کے بعد جیدہ نے سر اٹھایا اور پوچھا۔

کیا معوذ سو گیا ہے......؟

ہاں......

یہ کہہ کر رملی کھڑی ہوگئی اور مرے ہوئے قدموں سے چلتی ہوئی آئی۔ مگر اس بار جیدہ کے پاس پلنگ پر بیٹھنے کی بجائے وہ سامنے صوفے پر بیٹھ گئی اور بیٹھتے ہی کہنے لگی۔

جیدہ! میں نے تمہیں ایک بار کہا تھا نا کہ تم دونوں میاں بیوی پاگل ہو۔

پاگل تم ہو......؟

For more visit (exponovels.com)

جیدہ نے ایسے کہا۔ جیسے اس کے منہ پر طمانچہ مارا ہو۔

exponovels

ایک اتنی بڑی حقیقت کو جھٹلا رہی ہو۔

کیا حقیقت ہے جیدہ......؟رملی نے غصے سے پوچھا۔

یہ کہ تم اور یاور ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو۔

ذرا ہوش کی دوا کرو۔ میں ایک شادی شدہ عورت ہوں۔ میرا شوہر ہے۔میرا بچہ ہے۔کوئی سنے گا تو کیا کہے گا......؟

ہاں ٹھیک ہے کہ تم شادی شدہ عورت ہو۔مگر تم اپنے شوہر کو ناپسند کرتی ہو۔اپنی شادی سے خوش نہیں ہو۔

تم سے کس نے کہا ہے......؟

تمہارے چہرے پر لکھا ہے۔شاید تم اس وقت اپنا چہرہ نہیں دیکھ سکتیں جب تمہارا شوہر تمہارے سامنے ہوتا ہے۔کاش تم دیکھ سکو۔اس وقت تمہارے چہرے پر کتنی نفرت اور بیزاری ہوتی ہے۔ایسے لگتا ہے تم اپنے آپ سے جنگ کر رہی ہو۔لڑ رہی ہو۔سانس بھی کھینچ کھینچ کر لے رہی ہو۔ظاہر ہے جو بھی تمہیں اس عالم میں دیکھے گا تم سے ہمدردی کرے گا......تم کو بچانا چاہے گا۔تم سے محبت کرے گا۔تم اپنی ناکام اور ناخوش زندگی کا چلتا پھرتا اشتہار خود ہو۔

رملی بے بسی سے رونے لگی۔بس اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔آج اسے اپنی ناکامیوں اور کوتاہیوں کا خیال بری طرح آنے لگا تھا۔اندر اتنی کشمکش ہونے لگی کہ آنسوؤں کی ایک بوچھاڑ آئی اور اس کا سارا چہرہ بھگو گئی۔تھوڑا سا رو کر بولی۔

جیدہ! آج کے بعد میں تم سے کبھی نہیں ملوں گی۔اور تم بھی مجھ سے ملنے کی کوشش نہ کرنا میں نے پہلے بھی دو چار مرتبہ تہیہ کیا تھا۔مگر تم کسی نہ کسی طرح راہ میں آ جاتی تھیں۔اب جب کہ بات کھل گئی ہے تو میں اپنی ازدواجی زندگی کو بچانا چاہتی ہوں۔

مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہے۔خبردار آج کے بعد مجھ سے ملنے کی کوشش ہرگز نہ کرنا۔

جیدہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور زور زور سے ہنسنے لگی۔پھر رملی کے پاس صوفے پر جا بیٹھی اور اسے گلے سے لگا لیا۔

رملی میں تمہیں طعنے دینے کے لئے نہیں آئی نہ تکلیف پہنچانے آئی ہوں، میں تو ایک تجویز لے کر آئی تھی۔ذرا سہیلی بن کر میری بات سنو۔

رملی خاموش بیٹھی رہی۔

جیدہ کہنے لگی۔

تمہیں معلوم ہے میری زندگی میں ایک خلا ہے۔تم بھی اپنی زندگی سے خوش نہیں ہو۔اگر تم معاذ سے طلاق لے کر یاور سے شادی کر لوگی تو وہ مجھے نہیں چھوڑے گا۔تم اسے بچے دے سکتی ہو۔اور ہم دونوں مل کر رہیں گے۔ظاہر ہے اگر وہ تمہارے علاوہ کسی دوسری عورت سے شادی کرے گا تو وہ مجھے اپنے پاس نہیں رکھے گا۔مجھے یاور سے محبت ہے۔میں اسے چھوڑنا نہیں چاہتی۔تم میری ننھی ہو۔یہ تم مجھ پر نہ کرو گی۔

exponovels

رملی نے اپنی گیلی آنکھوں سے جیدہ کے چہرے کو غور سے دیکھا اور بولی۔

جیدہ کیا تم نے شادی کو تماشا سمجھ رکھا ہے! کتنی آسانی سے اتنی بڑی بات کہہ رہی ہو۔

اس دنیا میں کیا نہیں ہو سکتا رملی ......؟ اور طلاق کا حق تو عورت کو شریعت بھی دیتی ہے۔ یہ تو معاشرے کے ٹھیکیداروں نے عورتوں کے سارے حقوق غصب کر رکھے ہیں۔

تم جانتی ہو نا، ایک طلاق کے مرحلے سے گزرتے ہوئے خاندان کے خاندان تباہ ہو جاتے ہیں۔ ذرا میرے والدین کے بارے میں سوچو۔ میں انہیں اس عمر میں اتنا بڑا صدمہ کیوں دوں......؟

اگر تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہے تو کرب کی ایک لکیر ہمیشہ تمہارے ماتھے پر کیوں رہتی ہے؟

کیوں ایسے لگتا ہے کہ جیسے تمہیں کسی نے سولی پر لٹکایا ہوا ہے۔ تم حواس باختہ کیوں رہتی ہو......؟ تم خوش کیوں نہیں رہتی؟

یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ رملی نے کہا۔

اب اس میں ایک دوسرا شخص بھی شامل ہو گیا ہے۔

کون ہے وہ دوسرا شخص......؟ رملی نے غصے سے کہا۔

وہ میرا شوہر ہے۔

تم اپنے شوہر کو سنبھال کے رکھو۔ میں نے پہلے بھی کہہ دیا ہے کہ میں آج کے بعد تم لوگوں سے نہیں ملوں گی۔

رملی جان، جیدہ نے اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

پھر خفا ہو گئی ہو۔ جان! میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔ ذرا ٹھہرو۔ سوچو...... میں کوئی بری بات نہیں کہہ رہی۔ مجھے بھی تم سے ہمدردی ہے۔ میں کہتی ہوں۔ تم ساری زندگی عذاب میں کیوں گزارو۔ جب کہ ایک راستہ ہے۔ اس عذاب سے نکلنے کا......

اگر یہ عذاب ہے تو میں اس عذاب سے نکلنا نہیں چاہتی۔

نہیں رمو! تمہارے سامنے ایک راستہ ہے تم فیصلہ کر سکتی ہو۔ یاور کو تم سے بے پناہ محبت ہے۔ یاور تمہیں کیا نہیں دے سکتا۔ تم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتی ہو۔ یاور کی اور تمہاری جوڑی کتنی بھلی لگتی ہے۔ خدا کے واسطے میری بات مان جاؤ۔ میں تمہاری کنیز بن کے تمہارے گھر میں رہوں گی تمہارے بچوں کو کھلایا کروں گی۔

کاغذ کا گھروندا نہ بناؤ جیدہ...... کاغذ کے گھر میں تو چولہا بھی نہیں جل سکتا۔

exponovels

رمو! زندگی تو ایک بار ملتی ہے۔ جوانی تو ایک بار آتی ہے۔ عورت کو بھی خوش رہنے کا حق ہے۔ اور ہماری شریعت میں بھی صاف لکھا ہے کہ اگر عورت کسی وجہ سے اپنے شوہر سے ناخوش ہو یا اس ناپسند کرتی ہو تو طلاق لے سکتی ہے۔ تمہیں تو صرف ایک دن فیصلہ کرنا ہے۔ فیصلہ کر کے دل کڑا کرو اور اسی طرح ایک دن معاذ سے کہہ دو۔ جس طرح آج میں تمہیں کہہ دیا ہے کہ تم اس سے طلاق لینا چاہتی ہو۔ اگر معاذ کو تم سے محبت ہوگی۔ تمہیں خوش دیکھنا چاہے گا تو ضرور تمہیں طلاق دے دے گا۔ جس طرح میں اپنے شوہر سے محبت کرتی ہوں اور اسے ہر حالت میں خوش دیکھنا چاہتی ہوں اور جب میاں بیوی میں یہ معاملہ طے پا جائے۔ تو پھر گھر کے اور لوگ اس میں دخل اندازی نہیں کر سکتے۔

رملی چپ بیٹھی رہی۔

جیدہ پھر بولی۔

یہ مرد کی بنائی ہوئی دنیا ہے۔ تم نے دیکھا نہیں۔ یہاں شوہر بغیر وجہ کے بیوی کو طلاق دے دیتا ہے۔ اس کی فریاد نہیں سنتا۔ اس پر ترس نہیں کھاتا۔ بس جب اس کا دل کسی دوسری عورت پر آتا ہے، جھٹ طلاق کے کاغذات اپنی بیوی کے منہ پر دے مارتا ہے۔

اس سے کوئی نہیں پوچھتا کہ بھئی تم ایسا کیوں کر رہے ہو؟ اس غریب کا کیا قصور ہے؟ یا نئی بیوی کے ساتھ اس کو بھی گوارا کر لو اس کے بھی حقوق ادا کرتے رہو...... اگر مرد ایسا کر سکتا ہے تو عورت کیوں نہیں کرتی؟

میں ایسی عورت نہیں ہوں۔ رملی نے آہستگی سے کہا۔ میں نے معاذ سے علیحدہ ہونے کے بارے میں کبھی نہیں سوچا۔

لیکن لاشعوری طور پر ہمہ وقت اس سے الگ رہتی ہو۔ اس کے ساتھ کہیں جاتی نہیں ہو۔ کسی سے اسے ملوا نہیں سکتی ہو۔ تمہارے اندر ہر وقت ٹوٹ پھوٹ ہوتی رہتی ہے۔

یہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔ رملی نے روہانسی آواز میں دوبارہ کہا۔

بے وقوف! میں بھی تو تمہاری ذات کے لئے کہہ رہی ہوں۔

جیدہ! اب تم جاؤ۔ رملی نے اپنی آنکھوں کے آنسو پونچھ کر کہا۔

رمو! میں تیری عزیز سہیلی ہوں۔ تیری دشمن نہیں ہوں۔ میں تجھے سوچنے کا موقع دیتی ہوں۔ دوسری شادی آج کے معاشرے میں کوئی عیب نہیں ہے۔ تو ابتی نوخیز ہے اور تیرے سامنے ساری عمر کا سوال ہے۔

جیدہ تھوڑی دیر کے لئے رکی...... پھر کہنے لگی۔

For more visit (exponovels.com)

اور اگر تجھے یہ خوف ہے کہ سارے گھر والے تیرے مخالف ہو جائیں گے تو ہم میاں بیوی تیرا ساتھ دیں گے۔ ہم تیرا مقدمہ لڑیں گے اور تجھے اپنے

exponovels

گھر میں پناہ دیں گے۔

بس......بس......رملی زور زور سے رونے لگی۔ بہت ہو چکی جیدہ! اب تم جاؤ۔ اس سے زیادہ اور کچھ نہ کہو میں اپنی نظر میں آپ گر چکی ہوں۔ پتہ نہیں تم نے مجھے کس قماش کی لڑکی سمجھ لیا ہے۔ بس......اب تم جاؤ۔ پلیز جاؤ۔ میں اور نہیں سن سکتی۔

جیدہ پھیکی ہنسی ہنس کر کھڑی ہوگئی۔

تم اس وقت جذباتی ہو رہی ہو رملی! کیونکہ پہلے پتھر کی چوٹ زیادہ ہی لگتی ہے۔ میں بھی تمہاری جگہ ہوتی تو میرا بھی یہی حال ہوتا......کوئی بات نہیں......ابھی تمہارے شوہر کے آنے میں بہت دن ہیں۔ تم سوچ سکتی ہو۔ فیصلہ کر سکتی ہو اور ہاں......جو فیصلہ کرو......مجھے ضرور بتا دینا۔ میری دوستی میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

یہ کہہ کر جیدہ باہر نکل گئی۔

رملی جی بھر کر روتی رہی اسے آج اپنی حالت پر غصہ بھی بہت آیا اور ترس بھی آیا۔ جیدہ نے کتنی عجیب بات کہہ دی تھی۔ کیا کبھی شرفاء میں بھی ایسا ہوا ہے۔ دنیا کیا کہے گی......؟ زمانہ کیا سوچے گا......؟ کیا اپنی نظروں میں گر کر بھی کوئی جی سکا ہے اور جیدہ نے اسے کیا سمجھ کر ایسی بات کہہ دی ہے۔

سارا دن اس کا جی کھولتا رہا۔ بار بار اپنے آپ پر غصہ آتا رہا......رات کو وہ گھر واپس آ گئی۔ بے جی نے اس کا چہرہ اترا ہوا دیکھا تو پوچھا۔

کیا بات ہے دوہتی......؟

کچھ نہیں بے جی......وہ بہت آہستہ سے بولی۔ آج سارا دن میرے سر میں بہت درد ہوتا رہا۔

یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔ اس نے غور سے اپنے خوبصورت کمرے کو دیکھا۔ اٹھارہ مہینے میں تو آدمی ایک کمرے سے بھی مانوس ہو جاتا ہے۔ شاید اسے بھی اس کمرے میں چپ چاپ رہنے اور دن رات سلگنے کی عادت پڑ گئی تھی۔

بے جی اس کے پیچھے چلی آئیں۔

غور سے اس کا اداس چہرہ دیکھتی رہیں۔ جب رملی نے استفسارانہ انداز میں ان کی طرف دیکھا تو بولیں۔

میں یہ بتانے آئی ہوں۔ آج دوپہر کو معاذ کا فون آیا تھا۔

رملی ایک دم اچھل پڑی۔ جس دن ایسی ویسی کوئی بات ہو جائے معاذ کا ٹیلی فون ضرور آتا تھا۔ پتہ نہیں کیسا رشتہ ہے۔ اس نے دل میں سوچا......ایک دروازہ بالکل بند ہے اور ساری روشنی دوسرے دروازے سے آ رہی ہے۔

For more visit (exponovels.com)

جی کیا کہا ہے انہوں نے......؟

exponovels

اس نے اپنی سوچ میں ڈوبی آنکھیں اٹھا کر بے جی سے پوچھا۔

خوشخبری ہے تمہارے لئے......اگلے ہفتے آ رہا ہے۔

اگلے ہفتے......؟

رملی نے اس طرح پوچھا کہ بے جی کو اندازہ ہوا۔ یہ حیرت تھی یا خوشی۔

ہاں کہہ رہا تھا۔ میرا کام ختم ہو گیا ہے اور میں وقت سے پہلے آ جاؤں گا۔ تمہارا اور معوذ کا بھی پوچھ رہا تھا۔

دو چار اور باتیں کر کے بے جی باہر نکل گئیں۔

تو رملی نے وہاں کھڑے اپنے دل سے پوچھا۔

کیا فیصلہ ہے تمہارا......؟

❁❁❁

فون کی گھنٹی بجی تو رملی نے دوڑ کر اٹھایا۔ دوسری طرف جیدہ تھی۔

بڑے پیار سے بولی۔

رملی تو مجھ سے خفا ہو گئی ہے؟

رملی نے پہلے اپنے لہجے پر قابو پایا اور پھر آہستہ سے کہا۔

نہیں......؟

تو پھر اس دن کے بعد سے آئی کیوں نہیں؟ فون بھی نہیں کیا۔

دراصل جیدہ! اسی ہفتے معاذ آ گئے تھے۔

اچھا۔ مگر تو تو کہہ رہی تھی کہ اگلے مہینے آئیں گے۔

بس وہ آ گئے۔ کہہ رہے تھے کام ختم ہو گیا تو چلا آیا۔

تیرے لئے اداس ہو گیا ہوگا۔ واقعی تیرا پریمی ہے۔

For more visit (exponovels.com)
exponovels

رملی کو اس دن کی باتیں یاد آنے لگیں اور اپنے آپ سے شرم آنے لگی۔

جیدہ بولی۔

رمو! مجھے تجھ سے معافی مانگنا تھی۔

کس بات کی...... رملی نے پوچھا۔

اس روز جانے میں کیا اول فول بکتی رہی۔ تیرے جیسی معصوم اور وفا شعار بیوی کے ساتھ مجھے ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئے تھیں۔ مگر تو نہیں جانتی کبھی کبھی میں فرسٹریشن کا شکار ہو جاتی ہوں۔ پھر فضول باتیں کرنے لگتی ہوں۔ میں نے شاید اس دن تمہارا دل دکھایا تھا۔ گھر آ کر مجھے بہت افسوس ہوتا رہا۔ رمو! خدا کے لئے مجھے معاف کر دے پلیز...... پلیز......!

رملی نے کہا۔

اگر تجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے تو پھر سمجھ لے کہ میرے دل کی خفگی بھی دور ہو گئی۔

رمو! تجھے اللہ خوش رکھے۔ مجھے تجھ جیسی دوست پر فخر ہے۔ قسم خدا کی پھر کبھی تجھے ایسی بات نہ کہوں گی۔

یہ تمہاری عنایت ہو گی، رملی نے بے دلی سے کہا۔

رمو! تو نے میرا حال ہی نہیں پوچھا۔

جیدہ نے بڑی لگاوٹ سے کہا۔ میرا خیال ہے تو ابھی تک مجھ سے ناراض ہے۔

کیا ہوا ہے تجھے...... رملی نے فوراً پوچھ لیا۔

پچھلے دس دنوں سے سخت بیمار ہوں۔ ڈاکٹروں نے بستر پر رہنے کا مشورہ دیا ہے۔

اچھا بات کیا ہے؟

اب سب کچھ فون پر کیسے بتاؤں۔ دس دنوں سے پڑی سسک رہی ہوں تم سے ملنے کو دل تڑپ رہا تھا۔ بڑی مشکل سے فون تک آئی ہوں۔ ظالم تھوڑی دیر کے لئے آ کے مل جا۔

اب...... اس وقت...... رملی نے چونک کر کہا۔

ہاں آ جا!

اس وقت میں نہیں آ سکتی۔ بے جی یہاں کسی ہمسائے کے گھر گئی ہیں۔ نوکرانی بھی آج چھٹی پر ہے۔ دوپہر کا کھانا میں ہی پکا رہی ہوں۔ اس وقت تو

For more visit (exponovels.com)

میں نہیں آ سکتی۔

اچھا…… جیدہ نے مایوسی سے کہا۔

اگر میں چلنے کے قابل ہوتی تو خود آ جاتی۔ کیا تم شام کو آ سکتی ہو۔

شام کو تو بالکل بھی نہیں آ سکتی۔ کیونکہ آج کل معاذ سے ملنے کے لئے بہت سے لوگ شام کو آتے رہتے ہیں۔

رملی خدا کے لئے مجھے ملو آ کر۔ میرے دل پر ایک بوجھ سا ہے۔ تم سے مل کر میں یہ بوجھ ہٹانا چاہتی ہوں۔

رملی نے کہا۔

کوشش کروں گی۔

نہیں رمو! جیدہ پیار سے بولی۔ تو کل مجھ سے صبح ملنے کے لئے آ……!

کل کس وقت۔

یہی کوئی دس گیارہ کے درمیان۔ اس وقت یاور تو دفتر چلا جاتا ہے۔ میں گھر پر اکیلی ہوتی ہوں۔ خوب دل کھول کے تم سے باتیں ہوں گی۔

اچھا……!

بے دلی سے اچھا نہ کہہ…… بلکہ وعدہ کر۔

بھئی دیکھوں گی۔

کیا دیکھے گی۔ آج رات معاذ سے اجازت لے لینا صرف دو گھنٹے کے لئے آ جانا۔ اگر تو کہے تو میں شام کو معاذ بھائی سے فون پر اجازت لے دوں۔

نہیں…… رملی نے ایک دم کہا۔ میں خود ان سے بات کر لوں گی۔

رمو! بس ایک بار تو مجھے مل جا۔ اس کے بعد تجھے کبھی تکلیف نہ دوں گی۔ تیرا دل چاہے تو مجھے ملنا ورنہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ دینا۔ لیکن صرف ایک مرتبہ مجھے آ کر مل جاؤ۔

ٹھیک ہے۔ رملی نے کہا۔

کل میں انتظار کروں گی۔

ہاں میں آ جاؤں گی۔

ضرور رمو! میری آنکھیں دروازے پر لگی رہیں گی۔

For more visit (exponovels.com)

رملی نے آہستہ سے فون رکھ دیا۔

اسے جیدہ پر ترس آنے لگا۔ جیدہ کی عجیب زندگی تھی۔ ماں باپ کی مخالفت مول لے کر اس نے یاور سے شادی کر لی تھی۔ بلکہ بعض لوگ تو یہ بھی کہتے تھے کہ جیدہ یاور کے ساتھ گھر سے بھاگ گئی تھی۔ یہ ملک سے باہر چلے گئے تھے۔ اب پتہ نہیں بے چاری کس قسم کے حالات سے دو چار تھی۔ بظاہر تو خوش و خرم نظر آ رہی تھی۔

لیکن جب سے معاذ آیا تھا۔ رملی بہت محتاط ہو گئی تھی۔ رملی محتاط تو جیدہ کی باتیں سن کر ہی ہو گئی تھی۔ طوبیٰ آپا نے بھی اسے بہت طعنے دیئے تھے۔ اس کا مطلب ہے۔ کوئی بات تھی جو اس کے چہرے پر لکھی تھی اور اپنے ہی چہرے سے اسے ڈر آنے لگا تھا۔

اس پر ایک اور غضب ہو گیا۔

جس روز معاذ واپس آیا اس کے لئے اور بچے کے لئے بے شمار تحائف لایا۔ گھر میں پھر ایک شادی کا سماں ہو گیا۔ اس روز رملی نے زبردستی ہنسنے مسکرانے کی کوشش کی۔ معاذ سے باتیں بھی کیں۔ وہ چاہتی رہی کہ وہ اپنے رویے سے ظاہر کرے کہ آج عرصہ دراز کے بعد اس کا شوہر گھر آیا ہے۔ شوہر جب پردیس سے آتے ہیں تو بیویوں کے سوئے ہوئے جذبات جاگ اٹھتے ہیں۔ ان کے ارمان دلہن بنتے ہیں۔ دل کے اندر جگنگ دیئے روشن ہوتے ہیں۔ وصل کی ایک خوبصورت رات کا اجالا ان کی آنکھوں سے چھن چھن کر نکلنے لگتا ہے۔ جتنی دیر کے بعد شوہر آتا ہے اتنا ہی پیارا لگتا ہے۔ جتنے فاصلے طے کر کے آتا ہے۔ طلب اتنی بڑھ جاتی ہے۔ ارمان لوہے کی طرح تپ جاتے ہیں اور پھر سانسوں کی ذرا سی آنچ شعلے بھڑکا دیتی ہے۔

مگر نہ جانے رملی کو کیا ہوا۔

پہلے اس کا دل نہیں چاہا کرتا تھا۔

مگر وہ اس روز خوف زدہ تھی۔ اپنی ہر بات سے خوفزدہ تھی۔ مسکراتی تو ڈر جاتی کہ ہونٹوں کی لہروں میں شاید کوئی چور دریچہ کھل گیا ہے۔ بات کرتی تو نظریں جھکا لیتی کہ نظریں راز فاش کر رہی تھیں۔ قریب آ کے بیٹھتی تو ڈر جاتی کہ کہیں اس میں سے کسی نامحرم کی خوشبو نہ آ جائے...... آگے بڑھنا چاہتی تو رک جاتی کہ معاذ کیا کہے گا۔

کس بات پہ پردہ ڈالنے کے لئے وہ پیش قدمی کر رہی ہے۔ اپنے آپ کو اس نے اپنے ہی واہموں میں جکڑ لیا تھا۔

اور وصل کا لمحہ چراغ جلائے بغیر گزر گیا تھا۔

معاذ تھوڑی دیر تو چت لیٹا رہا۔ پھر بولا۔

رمو! وہاں جتنا عرصہ رہا۔ میں نے اپنے آپ کو تمہاری امانت سمجھا۔ شادی سے پہلے کی اور بات ہوتی ہے۔ شادی سے پہلے مرد اس جانور کی طرح

For more visit (exponovels.com)

ہوتا ہے۔جس کے گلے میں کسی کی ملکیت کا پٹہ نہیں ہوتا۔اس لئے وہ ہر میدان میں چر لیتا ہے۔مگر شادی کے بعد بعض مرد شادی کے اصولوں کا احترام کرتے ہیں۔مجھے ان پانچ مہینوں میں تمہارے سوا کسی عورت کا خیال تک نہیں آیا۔یہ مرد کے اندر کی بات ہے۔بھوک تو آدمی کسی سستے ہوٹل سے کھا کر بھی مٹا سکتا ہے مگر مردوں کو اپنی بیوی کی رسوئی کا کھانا اتنا نفیس لگتا ہے کہ باہر بھوکا رہنا پسند کرتے ہیں اور گھر آ کر ہی پیٹ بھر کر کھاتے ہیں۔

رملی نے ایک لمبی سانس چھوڑی اور دل میں سوچا۔

اتنے بدصورت آدمی کو بھلا باہر کون عورت منہ لگاتی ہوگی۔ظاہر ہے اسے اپنی بیوی کے پاس آنا پڑتا ہے۔

اسی وقت معاذ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

سرہانے پڑا ہوا سگریٹ کا ڈبہ اٹھایا۔اس میں سے ایک سگریٹ نکال کے سلگایا اسے منہ میں رکھ کر کش لگایا۔دھواں فضا میں چھوڑا......پھر لیٹی ہوئی رملی کی بڑی بڑی خالی نظروں میں اپنی اداس سرخ اور گہری نظریں گاڑ دیں۔

رملی نے پہلی بار محسوس کیا۔معاذ کی آنکھیں بہت خوبصورت تھیں۔پتہ نہیں کیسی آنکھیں تھیں۔بس وہ ایک دم آنکھیں لگ رہی تھیں۔گو وہ جذبوں کو آنکھوں میں سمٹ کر باتیں نہیں کر رہا تھا۔مگر اس کی آنکھیں احساسات کا گہرا کنواں لگ رہی تھیں۔سفید چمکدار......جن میں کہیں کہیں تھکاوٹ کے ڈورے تھے......منڈیروں پر ایک انجانی سوچ اداسی کا غلاف اوڑھے بیٹھی تھیں اور گھنی پلکیں مڑی ہوئی تھیں۔عام طور پر مردوں کی پلکیں نہ گھنی ہوتی ہیں۔نہ خم دار ہوتی ہیں۔رملی نے معاذ کے سارے چہرے سے اس کی آنکھیں الگ کر دیں اور ان میں دیکھتی رہی۔

کوئی ایسی بات تھی ان میں......کوئی ایسی بات......جس سے بدن کے بجھے ہوئے دیئے ایک ایک کر کے روشن ہونے لگے تھے اس کے گھنے بالوں کا ٹوکرا سا بن گیا تھا۔یہ بال رملی کو بہت برے لگتے تھے۔مگر اس وقت اس نے اس کے گھنے بالوں پہ نظریں جما کر سوچا......مرد کے اتنے گھنے بال اس نے کبھی نہیں دیکھے......عجیب طرح بکھرے ہوئے تھے۔جیسے دور سے گھنے جنگلوں کا اندھیرا جھرمٹ۔

دور سے گھنے جنگلوں کا اندھیرا جھرمٹ بہت پر اسرار نظر آتا ہے۔ایک دم اس کے اندر گھس کر نئے راستے تلاش کرنے کو جی چاہتا ہے۔

رملی نے سوچا......وہ ان بالوں میں ہاتھ پھنسا کر دیکھے تو یہ بال کیسے لگتے ہیں۔

اس خیال کے ساتھ ہی اس کی ہتھیلیوں میں سرسراہٹ ہونے لگی۔اس کی انگلیاں مچلنے لگیں......روئیں روئیں نے ایک انجانا سوال پوچھا۔

اسی وقت معاذ اپنی گہری اور بوجھل آواز میں بولا۔

تم یہ نہ سمجھنا کہ میں خوش شکل نہیں ہوں۔اس لئے دوسری عورتوں کی مراعات حاصل نہیں کر سکتا۔

For more visit (exponovels.com)

دنیا میں مرد کے لئے خوش شکل ہونا ضروری نہیں۔اس کے پاس صرف پیسہ ہونا چاہئے یا حیثیت۔

exponovels

بکاؤ عورتیں...... وہ کسی بھی ملک کی ہوں۔ بس جیب پر نظر رکھتی ہیں...... اور دنیا میں جتنے مرد احساس کمتری کا شکار ہیں، بازاری عورتوں کے پاس جاتے ہیں۔ وہ ان کی انا کو مجروح نہیں کرتیں اپنے چہرے کے کسی زاویے سے یہ ظاہر نہیں کرتیں کہ وہ انہیں پسند نہیں کرتیں۔

رملی کا دل دھڑک اٹھا۔

اس نے نظریں جھکا لیں۔

اپنی سانس روک لی۔

معاذ نے دو تین کش لگائے۔ رملی جانتی تھی۔ معاذ عام طور پر سگریٹ نہیں پیتا تھا۔ مگر جن دنوں ذہنی طور پر پریشان ہو یا کام کا بوجھ ہو تو پھر چند سگریٹ پی لیا کرتا تھا۔

اس نے حسب عادت پورا سگریٹ نہیں پیا بلکہ تھوڑا سا حصہ پی کر سگریٹ بجھا دیا۔ اپنے گھنے اور الجھے ہوئے بالوں میں ہاتھ پھنسایا اور ایک اداس سی مسکراہٹ چہرے پر لا کر بولا۔

مرد اگر عیاشی کے راستے پر چلنا چاہے تو کوئی بات اس کی راہ میں رکاوٹ نہیں بن سکتی مرد کے لئے ہر راستہ کھلا ہے اور ہر راہ گزر کو روندنے کا اس کے پاس جواز ہے۔

میں ذرا اور طرح کا مرد ہوں۔

مجھے کوئی احساس کمتری بھی نہیں ہے۔

بات صرف اتنی ہے کہ میں نے جس قسم کی بیوی کا تصور کیا تھا، وہ مجھے مل گئی ہے۔ بالکل ایسی ہے...... نازک کومل، معصوم و مصفا عورت میرے ذہن میں رہا کرتی تھی۔

تم جانتی ہو۔ وہ ہنسا اور اس کے بہت سفید دانت ایک دم نمایاں ہوئے۔

ہر بدصورت آدمی کسی خوبصورت عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے تاکہ اس کی نسل خوبصورت ہو۔

رملی کا دم سینے میں گھٹنے لگا۔

لیکن دنیا میں عورت کو کیا چاہئے...... اس بات کا اندازہ کبھی نہیں ہو سکا......؟

جاری ہے......

For more visit (exponovels.com)

کہنے کو تو یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عورت کو صرف مرد کی محبت درکار ہوتی ہے۔

لیکن......

وہ چپ ہو گیا......

پھر وہ آرام سے لیٹ گیا

اور چھت کی طرف دیکھتا ہوا کہنے لگا۔

لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا......تصور میں رہنے والی عورت بازوؤں میں کیوں نہیں رہ سکتی......!

چھن!

رملی کے اندر شرمندگی بھرا ایک فانوس ٹوٹ کر گرا۔ سارا اندر کرچیوں سے بھر گیا۔

معاذ نے کروٹ بدلی......سائیڈ لیمپ بجھا دیا۔

کمرے میں ایک ہلکی سی روشنی رہ گئی۔

رملی نے محسوس کیا۔ ایک ہلکی سی روشنی اس کے دل میں بھی تھی......

معاذ کے وجود سے بڑی اچھی خوشبو اٹھ رہی تھی۔ وہ خوشبو جو اپنی تھی۔

اس کا دل چاہا وہ آج رات روٹھے ہوئے معاذ کو منائے۔ اس کا دل چاہا وہ پچھلے گزرے ہوئے دنوں کی تلافی کرے......

معاذ نے اتنا کچھ کہا ہے وہ بھی کچھ کہے......معاذ تھکا ہوا ہے۔ وہ اس کی تھکن اتار دے۔......عورت کی محبت کا انداز مرد کی جنم جنم کی تھکن کو اتار دیتا ہے۔ عورت کی محبت بھری مسکراہٹ اس کے ذہن کا سارا بوجھ ہلکا کر دیتی ہے۔ ایک زمانے سے لڑ کر آتا ہے وہ......مگر محبوب بیوی کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا ہے......

بیوی کو چاہئے کہ اسے اٹھا کے کلیجے میں رکھ لے۔ ملن کی رات اس کا اس طرح سے سواگت کرے کہ اپنی اک اک سانس کی پتیاں بنا کر اس کی سیج پر بچھا دے۔

بھاگتا دوڑتا......ہانپتا......کانپتا......زندگی کے راستے پر لڑتا ہوا مرد۔ جھگڑتا ہوا مرد......بکھرا ہوا مرد، بچھڑا ہوا مرد......اپنے گھر اپنی سیج پر دم لینے کو رکتا ہے۔ بیوی ایک ٹھنڈی میٹھی آب جو ہے۔ جس کا کام پیاس بجھانا ہے۔ بیوی ایک گھنا سایہ ہے جس کے دامن تلے چین کی نیند آ جاتی ہے۔

اور دنیا میں کیا نہیں مل جاتا......؟

پیسہ ہو تو آدمی سب کچھ خرید لیتا ہے۔ بناوٹی محبت کرنے والیاں بھی مل جاتی ہیں۔

For more visit (exponovels.com)

شادی کو خوشی کیوں کہا گیا ہے......؟

اور اس خوشی کو قائم رکھنا کس کے ذمے ہے؟

شاید بیوی ہی کے ذمے ہے......

رملی کے سرہانے اوراک کی بارش ہونے لگی۔

مگر معاذ گہری نیند سوچکا تھا۔شاید بہت طویل سفر کر کے آیا تھا۔رملی کافی دیر تک کروٹیں بدلتی رہی۔

صبح اٹھی تو دل کی تہہ میں وہی پتھر پڑے تھے۔

ایک لمحہ جو ہاتھ سے نکل جاتا ہے وہ بڑی مشکل سے دوبارہ ہاتھ آتا ہے۔کئی دنوں سے وہ اسی ایک لمحے کی منتظر تھی۔معاذ آتے ہی مصروف ہو گیا تھا۔

اور آج جیدہ کے فون نے پھر اسے ہلاک کر رکھ دیا۔

اس روز جیدہ نے جو کچھ اسے کہا تھا وہ سب اسے برا لگا تھا۔مگر جی میں کہیں کہیں کرب کی آندھیاں اٹھی تھیں۔کہنے کو یہ خواب اچھا تھا۔یوں ہو جاتا تو......

مگر صاف لگ رہا تھا ایسی باتیں ناممکن ہوتی ہیں۔پھر وہ بہت دن تک اپنے آپ کو لعنت ملامت کرتی رہی تھی اور اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ کبھی یاور کا خیال دل میں نہیں لائے گی۔بچپن کے ایک خوبصورت خواب کی طرح اس کو بھول جائے گی اور ان لوگوں سے ملے گی بھی نہیں...... ملنے سے تعلقات گہرے ہوتے ہیں اور کچھ بھی نہیں ہوتا۔

اور آج جب جیدہ نے اتنی منتیں کر کے بلایا تھا تو اسے سب گذری باتیں ایک ایک کر کے یاد آنے لگیں۔

❁❁❁

صبح دس بجے کام سے فارغ ہو کر رملی کپڑے استری کر رہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجی۔دوڑ کر گئی اس طرف جیدہ تھی۔

ظالم تو ابھی تک آئی نہیں...... میں تیرا انتظار کر رہی ہوں۔

بس ابھی فارغ ہوئی تھی۔اب تیار ہو رہی ہوں۔

For more visit (exponovels.com)

اچھا...... جیدہ خوش ہوگئی۔ کتنی دیر میں پہنچ جائے گی۔

آدھا گھنٹہ لگے گا ہی......

میں گھر میں اس وقت اکیلی ہوں۔ دروازہ کھلا ہے سیدھی اندر آ جانا۔

بہت اچھا......

رملی نے آہستہ سے فون رکھ دیا۔

اس نے کل شام معاذ کو بتا دیا تھا کہ جیدہ بیمار ہے اور وہ اسے پوچھنے جائے گی۔

معاذ نے بڑی خوش دلی سے کہا تھا۔

اگر تم شام کا پروگرام بنا لیتیں تو میں بھی تمہارے ساتھ چلتا اور اس کا گلہ جاتا رہتا۔

آپ پھر کسی روز چلے جایئے گا اور شام کو تو مجھے فرصت ہی نہیں ملتی۔

معاذ اس کی ہر بات مان لیتا تھا۔

البتہ بے جی کو اس نے صبح اٹھ کر بتایا تھا کہ وہ ذرا امی جان کے ہاں جا رہی ہے۔ بس ایک گھنٹے کے بعد آ جائے گی۔ اس لئے وہ معوذ کا خیال رکھیں۔ اس نے کپڑے بدلنے کے لئے الماری کھولی تو سامنے وہی دوپٹہ پڑا تھا۔ جو پچھلی مرتبہ معاذ کراچی سے اس کے لئے لایا تھا۔

دوپٹے کی زمین سفید تھی مگر اس پر بڑے بڑے سرخ پھول تھے اور پھولوں کے کناروں پر سفید دودھیاں ستارے ٹکے تھے۔ رملی نے ایک بار بھی یہ دوپٹہ نہیں اوڑھا تھا۔ معاذ نے اسے کئی بار یاد دلایا تھا۔ آج یہ دوپٹہ روٹھے ہوئے محبوب کی طرح الماری کے ایک کونے میں پڑا تھا۔ رملی کو اس دوپٹے پر پیار آ گیا۔ اس نے اسے کھول کر دیکھا۔ پھر ایک دم فیصلہ کر لیا کہ آج وہی دوپٹہ ضرور اوڑھے گی۔ صرف معاذ کو خوش کرنے کے لئے اسے شام تک پہنے رکھے گی۔ اس لئے اس نے سلک کا ایک سفید سوٹ نکال کر استری کیا۔ اس کے ساتھ سرخ پھولوں والا یہ دوپٹہ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ تیار ہوئی۔ خوب قرینے سے میک اپ کیا۔

بے جی کو خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آئی......

ٹیکسی لے کر سیدھی امی کے گھر پہنچی ان کو بتایا کہ وہ جیدہ کا حال پوچھ کر ابھی آ جائے گی اور پھر پیدل ہی جیدہ کے گھر روانہ ہوئی۔ آج اس کا دل چوری کرنے والے انداز میں نہیں دھڑک رہا تھا بلکہ وہ سوچ رہی تھی کہ آج وہ جیدہ سے دوٹوک بات کر کے اسے بتا دے گی کہ وہ ان لوگوں سے مزید تعلقات استوار نہیں رکھ سکتی۔

exponovels

صدر دروازہ کھلا ہی تھا۔ اس لئے وہ اندر ہی چلی گئی سیدھی جیدہ کے بیڈ روم میں۔

جیدہ اس وقت بستر پر نہیں تھی۔ مگر یوں معلوم دے رہا تھا۔ ابھی ابھی کوئی اس بستر سے اٹھ کر گیا ہے۔ جیدہ جیدہ اس نے دو تین آوازیں دیں تو غسل خانے سے پانی چلنے کی آواز بلند ہو گئی۔ تب اسے معلوم ہو گیا کہ اس وقت جیدہ غسل خانے میں ہے۔ اس لئے اس نے ایک رسالہ اٹھا لیا۔ اور اس کے پلنگ پر نیم دراز ہو کر اس کی ورق گردانی کرنے لگی۔ ورق گردانی کرتے کرتے وہ چونکی۔ کیا جیدہ ایسے رسالے پڑھتی ہے؟ جن میں حیا سوز تصویریں ہوں اور اخلاق سوز مواد چھپتا ہو۔ بہت حیران اور پریشان ہو رہی تھی اور سوچ رہی تھی شاید اتنا عرصہ انگلینڈ میں رہنے سے اسے یہ عادتیں پڑ گئی ہیں۔

ابھی وہ کچھ اور سوچ نہ پائی تھی کہ ایک دم غسل خانے کی چٹخنی کھلنے کی آواز آئی۔ رملی نے رسالہ منہ پر سے ہٹا کر اس طرف دیکھا۔ غسل خانے کا دروازہ کھلا۔ مگر جیدہ کی بجائے یاور باہر نکل آیا۔

آپ......؟

رملی مارے حیرت کے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

یاور نے نہا کر ایک بڑا سا تولیہ اپنے گرد لپیٹا ہوا تھا۔ اس کے بالوں میں سے پانی کے قطرے گر رہے تھے۔ اس نے اپنے بال جھٹک کر رملی کی طرف دیکھا۔ رملی کو وہ ایک بدلا ہوا آدمی نظر آیا۔ خوف کی ایک لہر رملی کے پاؤں سے اٹھی اور سر تک دوڑ گئی۔

مگر اس نے رملی کو سنبھلنے کا موقع نہ دیا۔

بھیڑیے کی طرح لپک کر باہر نکلا اور رملی کو دبوچ لیا۔

حیرانی، خوف، صدمہ، ندامت، پچھتاوا...... ان سب باتوں نے مل کر رملی پر حملہ کر دیا۔

اس کے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ جس طرح اچانک بجلی کا کرنٹ لگنے سے انسان کے اندر سے ایک اجنبی، اندوہناک مگر دلخراش سی چیخ نکلتی ہے۔ اپنی چیخ ہونے کے باوجود انسان اس کو پہچان نہیں سکتا۔ خدا جانے گلے سے نکلتی ہے یا ذہن سے...... کن پاتالوں سے ہو کر آتی ہے کہ اپنے کانوں کو نامانوس لگتی ہے۔

اپنے خیالی دیوتا کو درندے کی شکل میں دیکھا تو شدید جھٹکا لگا۔ بجلی کا جھٹکا ایک دم سارے جسم کی جان نکال دیتا ہے۔ اور پورا جسم تھوڑی دیر کے لئے مردہ ہو جاتا ہے۔ مردہ جسم احتجاج کے قابل نہیں ہو سکتا...... مگر پچھلے کچھ دنوں سے جو ایک روشن دریچہ کھل گیا تھا۔ اس نے اس وقت بڑا سہارا دیا......

وہ جنبش بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس کی جدوجہد بھی ناکام جا رہی تھی...... اس پر بے خبری میں حملہ کیا گیا تھا......

مورچے میں بیٹھنے والا اپنے شکار پر نظر رکھتا ہے اور ایسے وقت میں حملہ کرتا ہے جب شکار مدافعت نہ کر سکے...... حملہ آور کا داؤ لگا ٹھیک تھا۔

exponovels

زندگی اور موت میں فاصلہ ہی کتنا ہے......؟

ایک ثانیے میں رملی نے اپنے ذہن کو جگایا۔اس کے علاوہ اور کوئی تدبیر کارگر نہ ہو سکتی تھی۔

پلیز مجھے چھوڑ دیجئے......

اپنی اجنبی آواز میں رملی نے پہلے تو التجا کی......

وہ مکروہ انداز میں ہنسا اور بولا......

بہت دن تک تم نے مجھے ادائیں دکھائی ہیں۔اتنی دیر میں نے کسی لڑکی پر نہیں لگائی جتنی تم پر لگائی ہے۔میں جلدی اپنا حساب بے باق کر لیا کرتا ہوں۔زیادہ دن تک تم پارسائی کا دعویٰ نہ کر سکوگی......؟

اف......رملی نے اپنی قہر بھری نظروں سے اس حسین شہزادے کو دیکھا۔جس نے اس کے خوابوں میں آگ لگا دی تھی۔اس وقت وہ دنیا کا بدصورت ترین انسان دکھائی دے رہا تھا۔

اس کی زندگی کی ساری خباثت اس کے چہرے پر تھی۔اس کی آنکھیں سور کی آنکھوں کی طرح چڑھی ہوئی تھیں۔

اس کے چہرے کے نقوش بگڑے ہوئے تھے۔وہ انتہائی مکروہ انسان نظر آ رہا تھا۔

اف......رملی نے سوچا اتنے گھٹیا انسان کو وہ اپنے شوہر پر ترجیح دے رہی تھی۔

ڈرو نہیں......قہقہہ لگا کر بولا۔میں تمہیں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں ایک راستہ محبت کرنے والوں کے لئے کھلا رہتا ہے......باقی یہ شادی نکاح......طلاق......سب ڈھونگ ہیں۔اچھی زندگی گذارنا چاہتی ہو تو میرے اشاروں پر چلتی رہو......

رملی نے نفرت سے منہ پھیرا تو اچانک دروازے کی طرف دیکھ کر زور سے بولی۔

جیدہ! مجھے بچاؤ......

شاید مقبولیت کی گھڑی تھی۔یاور نے گھبرا کر اسے چھوڑ دیا۔حالانکہ تھوڑی دیر پہلے اس نے جیدہ کو خود بھیجا تھا۔مگر اس کے بازو کھل گئے۔رملی دروازے کی طرف دوڑی۔وہ اس کی چال سمجھ گیا اس کے پیچھے دوڑا۔اور لپک کر رملی کا سرخ پھولوں والا دوپٹہ پکڑ لیا۔رملی نے اس وقت دوپٹہ چھڑوانے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔دوپٹے سے زیادہ اس کی عزت قیمتی تھی۔بھاگ کر کوریڈور میں آئی تو باہر والا دروازہ دردعا کی طرح ابھی تک کھلا ہوا تھا۔اچھے وقتوں کی طرح جسے وہ بند کر کے نہیں گئی تھی......

For more visit (exponovels.com)

اپنی زندگی کی پوری طاقت سے دوڑتی ہوئی دروازے سے ٹکرائی اور باہر نکل گئی۔ باہر اور باہر...... امی جان کے گھر کی باڑھ کے قریب پہنچ کر اس نے مڑ کر دیکھا یاور اپنے صدر دروازے میں کھڑا تھا۔ غصے سے پھنکتا ہوا۔ اس کے ہاتھ میں رملی کا دوپٹہ تھا۔ اس نے دوپٹہ رملی کی طرف اچھالا اور بلند آواز میں بولا۔

اگر دوپٹہ واپس لینا چاہتی ہو۔ تو اسی وقت لوٹ آؤ...... ورنہ یہ دوپٹہ تمہیں بہت مہنگا پڑے گا......

بلا سے...... رملی نے اپنے دھک دھک کرتے سینہ پر ہاتھ رکھا اور باہر نکل گئی۔

باقی کا راستہ بھی اس نے دوڑ کر ہی پار کیا۔ امی جان کے گھر کے باہر رک کر اس نے سانس کو درست کیا۔ اس کے بال بکھر گئے تھے۔ ذرا سی دیر کو جو قیامت اس پر گذر گئی تھی وہ اس کے حلیے سے نظر آ رہی تھی۔ حلیے کے علاوہ اس کے ذہن کا بہت برا حال تھا۔ وہ چلا چلا کر رونا چاہتی تھی چیخنا چاہتی تھی۔ فریاد کرنا چاہتی تھی۔ منہ اٹھا کر آسمان کو کوسنا چاہتی تھی کہ آج اس کے ساتھ کیا ظلم ہونے جا رہا تھا۔

مگر اس وقت کچھ بھی نہ کر سکتی تھی۔

بہت سکون کے ساتھ اندر جانا تھا۔ اندر جا کر چہرے پر بشاشت پیدا کرنی تھی۔ سب سوالوں کے جواب سکون سے دینا تھے اور یہ کس قدر مشکل تھا............

کسی شخص کے اوپر سے ریل گاڑی گذر جائے اور وہ صحیح سلامت رہے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے......؟

اپنے قیمہ قیمہ ہوتے وجود کو اٹھا کر اندر چلی گئی۔ امی سامنے ہی برآمدے میں بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھیں اسی طرح سینے پہ دونوں ہاتھ رکھے جب ان کے قریب سے گذرنے لگی تو امی جان نے سر اٹھا کر دیکھا اور بولیں......

آج تو بڑی جلدی آ گئی ہو......؟ وہ تیز تیز قدموں سے گذرتی گئی۔

وہ اس کی طرف غور سے دیکھ کر بولیں۔

دوپٹہ کہاں ہے تمہارا......؟

دوپٹہ کہاں ہے تمہارا......؟

دوپٹہ کہاں ہے تمہارا......؟

زمین و آسمان سے یہی آوازیں آنے لگیں۔ وہ دوڑ کر اپنے کمرے میں گھس گئی اور ایک دم بستر پر چت گر گئی۔

ہر عضو سلگ رہا تھا۔ جس جس جگہ اس بدبخت کے ہاتھ اور بازو لگے تھے۔ اس اس جگہ سے ٹیسیں اٹھ رہی تھیں ایسے لگ تھا رگوں میں زہر پھیل گیا ہے۔ اپنے وجود سے اس گھن آ رہی تھی......

For more visit (exponovels.com)

اپنے آپ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کو دل چاہ رہا تھا......

اور ابھی کچھ نہیں ہوا تھا......

کچھ بھی نہیں بگڑا تھا......

مصیبت کی گھڑی پر شاید والدین کی دعائیں سایہ بن کر کھڑی ہو گئی تھیں...... کسی بزرگ کی دعا نے اسے غلاظت میں گرنے سے بچا لیا تھا۔ ڈوبتے ڈوبتے وہ تر گئی تھی......

مرتے مرتے بچ گئی تھی......

لیکن اگر...... اگر......

پھر ایک تیز رفتار بوچھاڑ آنسوؤں کی آئی۔ جسے آنا ہی تھا...... دونوں ہاتھوں سے اپنا کلیجہ پکڑ کے وہ الٹی ہو گئی...... اور آنسوؤں کی طغیانی اس کو بھگوتے ہوئے گزرنے لگی......

اس مرحلے سے بھی جلد نکلنا تھا۔ اگر امی اندر آ جاتیں۔ اگر پوچھ لیتیں کیا ہوا ہے تو......؟ اف......

اک ذرا سی لغزش کی اتنی بڑی سزا کہ اپنی ندامتوں پر رونے کو بھی وقت نہیں تھا۔

اپنے آپ کو ذرا سا ہلکا کر کے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ غسل خانے میں گئی۔ منہ پر خوب ٹھنڈے پانی کی چھینٹے لگائے...... جتنا ٹھنڈا پانی ڈالتی۔ اندر سے اتنا گرم پانی نکلا آتا......

دنیا میں کوئی ایسی دعا نہیں جو آنسوؤں کو پھوٹنے سے روک سکے......

وہ اسی طرح باہر نکل آئی۔ تولیے سے چہرہ اور آنکھیں صاف کر کے آئینہ دیکھا صاف لگ رہا تھا کہ روئی ہے اور خوب روئی ہے...... مگر اب گھر بھی جانا تھا۔ اس لئے کمرے کی الماریاں کھول کے کھڑی ہو گئی۔ کبھی کبھی وہ اپنے کپڑے یہاں چھوڑ جایا کرتی تھی تا کہ اگلی مرتبہ ساتھ نہ لانے پڑیں ان کپڑوں میں سے کھڑی کوئی دوپٹہ تلاش کر رہی تھی کہ امی جان اندر آ گئیں۔

رمو! کیا کر رہی ہے اندر...... انہوں نے اتنے پیار سے کہا کہ رملی کا دل چاہا ان سے صاف کہہ دے کہ اپنا کالا منہ چھپا رہی ہوں۔ مگر اس نے الماری میں سے چہرہ باہر نہیں نکالا۔

اندر ہی سے جواب دیا۔

امی میں پچھلی بار اپنے کپڑے چھوڑ گئی تھی۔وہ لے رہی ہوں۔

دوپٹہ کہاں ہے تمہارا......؟

امی نے پھر پوچھا......

امی......رملی نے ذرا کی ذرا ان کو مڑ کر دیکھا اور بولی۔وہ جیدو نے نمونے کے لئے رکھ لیا ہے۔ویسا بنوانا چاہتی ہے۔

تو تم اس کا دوپٹہ اوڑھ کے آ جاتیں......

وہ تو دے رہی تھی۔میں نے کہا یہاں کپڑے پڑے تو ہیں۔یہیں سے کوئی نکال لوں گی۔

کیا تمہیں زکام ہو رہا ہے رملی......؟

امی نے اس کی آواز سے اندازہ لگا کر کہا۔

جی امی......رملی نے منہ اندر ہی رکھا۔

میں ڈاکٹر امجد کو دکھانے جا رہی ہوں۔تم بھی چلو میرے ساتھ......

نہیں امی......رملی نے جان بوجھ کر اپنے پرانے کپڑے سمیٹ لئے تھے جیسے ان کو آج لے جانا بہت ضروری ہو۔انہیں پلنگ پر رکھ کر اس نے ایک کالا دوپٹہ نکالا

اور اوڑھ لیا بولی۔

امی اب گھر چلوں گی۔معوذ کو سلا کر آئی تھی۔بے جی انتظار کر رہی ہوں گی۔

اپنی صحت کا خیال رکھا کرو بیٹا۔امی نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

تب رملی نے نظریں اٹھا کر امی جان کی طرف دیکھا اور اس کا دل ہل گیا۔

امی جان کا چہرہ اترا ہوا تھا اور وہ صدیوں کی مریض لگ رہی تھیں۔

امی! اب آپ کا کیا حال ہے......؟

ٹھیک ہوں بیٹا۔انہوں نے بے دلی سے کہا۔

دوائی تو باقاعدہ کھا رہی ہیں نا؟......

ہاں......ان کی آواز میں بڑی مایوسی تھی۔دوائی بھی کھا رہی ہوں۔ڈاکٹر کو بھی دکھا رہی ہوں۔مگر یہ سب باتیں صرف تم لوگوں کی تسلی کے لیے ہیں۔اصل میں......

For more visit (exponovels.com)

پھر وہ چپ ہو گئیں۔

رملی نے باہر قدم بڑھائے۔ وہ بولیں۔

رملی میں تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ بیٹی...... اگر تمہارے پاس وقت ہو تو رک جاؤ۔

اس وقت نہیں امی جان...... رملی نے فوراً کہا۔ پھر کسی وقت آ جاؤں گی۔

پھر کسی وقت......؟

امی جان چپ کر کے کرسی پر بیٹھ گئیں۔

امی میں پھر آ جاؤں گی۔ اس وقت میرا جانا بہت ضروری ہے۔

وہ امی سے یہ نہ کہہ سکتی تھی کہ بھیڑیئے کی اس نگری سے میں جلد از جلد دور ہو جانا چاہتی ہوں...... ابھی مجھے بہت سا رونا ہے۔ بہت سا پچھتانا ہے......

اپنا ماتم آپ کرنا ہے......

اچھا...... پتہ نہیں امی نے اتنی مایوسی سے کیوں کہا۔

امی! میں جان محمد کو ساتھ لے جاؤں......؟

رملی نے پوچھا۔

کیوں......؟ امی جان پھر حیران ہوئیں۔

بس ٹیکسی میں اکیلے جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ واقعی آج تو رملی کو ہواؤں سے بھی ڈر لگ رہا تھا۔ ایسے لگ رہا تھا۔ ہر چوراہے پر ہر موڑ پر ایک یاور اس کا دوپٹہ لئے کھڑا ہے اور اسے دھمکا کے واپس بلا رہا ہے۔

❁❁❁

رملی نے گھر کے باہر ٹیکسی رکوائی اور جان محمد کو واپسی کے پیسے دے کر جلدی جلدی اپنے گھر کے اندر داخل ہوئی۔ آج اسے اپنے گھر کے اندر داخل ہونے کی بہت جلدی تھی۔ اور جلدی میں وہ بھول گئی کہ جاتے وقت اس نے سرخ دوپٹہ اوڑھا ہوا تھا اور اب بے خیالی میں سادہ دوپٹہ اوڑھ کے آ گئی ہے...... بے جی برآمدے

For more visit (exponovels.com)

میں بیٹھی اپنی چادر کو لیس لگا رہی تھیں اور محلے کی ایک عورت ان کے پاس بیٹھی تھی۔ اس وقت اس عورت کی موجودگی کو رملی نے غنیمت جانا۔ ورنہ اسے بہت غصہ آیا کرتا تھا کہ ہر وقت بے جی کے پاس کوئی نہ کوئی عورت آئی رہتی ہے۔

سلام کر کے جلدی سے گذرنے لگی۔

تو بے جی نے سر اٹھایا۔ پھر عینک اتار کر حیرت سے بولیں۔

اے وہ بچی...... دوپٹہ کس کے ساتھ بدل کے آئی ہو......؟

جی......؟ زمین نے رملی کے پاؤں پکڑ لئے اور احساس جرم نے اس کی زبان جکڑ لی فوری طور پر جواب نہ دے سکی۔

جی وہ...... میری...... اور پھر اسے یاد آیا کہ وہ بے جی کو بتا کر ہی نہیں گئی تھی کہ وہ جیدہ کے ہاں جا رہی ہے......

جی وہ...... اس نے کچھ کہنے کے لئے زور لگایا۔ اور پھنسی پھنسی آواز میں بولی۔

جی وہ باجی حضری آئی ہوئی تھیں۔ وہ نمونے کے لئے لے گئی ہیں۔

اچھا...... اچھا...... یہ کالا دوپٹہ اتار دے جا کر...... بے جی نے پھر عینک لگا لی۔ میں نے تمہیں پہلے بھی منع کیا تھا کہ یہ کالا منحوس رنگ نہ پہنا کرو۔ تجھے اچھا نہیں لگتا صبح جب گئی تھی چاند کی طرح تیرا چہرہ چمک رہا تھا۔ اب دیکھ کیسی زرد اور سنولائی سی لگ رہی ہے۔ دفع کر اس دوپٹے کو......

رملی اپنے بیڈروم میں چلی گئی۔ معوذ ابھی تک سو رہا تھا۔ اس نے گلے میں سے سیاہ دوپٹہ اتار کر یوں پرے پھینکا جیسے سیاہ ناگ کو اپنے سے جدا کیا ہو...... اپنے پرانے کپڑوں کی گٹھڑی صوفے پر دے ماری اور جھپاک سے غسل خانے میں گھس گئی۔

ٹونٹی کھولی اور نل کے نیچے بیٹھ گئی۔

اسی رفتار سے اس کے آنسو رواں ہو گئے۔

روتے روتے اسے خیال آیا۔ نہ اس نے کپڑے اتارے ہیں۔ نہ بال کھولے ہیں۔

...... ہائے......

کتنا عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ جیسے وہ لمحہ بھر کو گڑھے میں گر گئی تھی۔

غلیظ کیچڑ کا لباس پہن لیا تھا اس نے......

اس کے جسم پر کوڑھ ہو گیا تھا...... یا...... یا اس کے ایک ایک عضو پر لعنتوں کا مینہ برس رہا ہے

For more visit (exponovels.com)

اف وہ کمینہ آدمی......اف اس کا وہ شیطانی چہرہ......اس کے وہ جارحانہ انداز اور بے ہودہ کلمات......

کیا لوگ اپنے اوپر اس طرح ماسک چڑھا لیتے ہیں......کیا خوبصورت چہروں کے اندر اتنے گھناؤنے دل ہوتے ہیں......کیا متعفن لوگ خوشبوئیں اوڑھ کر رہتے ہیں۔

پتہ نہیں اسے رونا کس بات پر آ رہا تھا۔

اس کے خوابوں کا شیش محل چکنا چور ہو گیا تھا......اس کا البیلا شہزادہ بھیانک دیو میں تبدیل ہو گیا تھا۔یا......ذرا سی دیر کو اس کے خیالات بھٹک گئے تھے۔اور اسے انجانی راہوں پر لے گئے تھے۔

پانی چلتا رہا......اور وہ بھی دھواں دھار روتی رہی۔کبھی کبھی اس کا دل چاہتا اپنے وجود کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔اس نے کتنے غلط لوگوں پر بھروسہ کیا۔جیدہ صورت سے کتنی معصوم اور مسکین نظر آتی تھی۔اس پر جان چھڑکتی تھی۔کیسی لچھے دار باتیں کرتی تھی کیا وہ بھی اتنی بے غیرت ہے۔کیسی چالاکی سے اس نے رملی کو پھنسانے کی چال چلی تھی۔

شاید بے جی کی دعاؤں سے وہ بچ گئی۔

ورنہ اس وقت اس کا کیا حال ہوتا......؟

کیا حال ہوتا اس کا......کیا وہ اس واقعے کے بعد جینے کے قابل رہ جاتی؟

کیا وہ معاذ سے نظر ملا سکتی......؟اس کی پرورش کیسے نیک والدین کی گود میں ہوئی ہے......؟کس طرح اس کے قدم ایک غلط ڈگر پر جا پڑے۔

رملی!اگر ایسا ہو جاتا تو دنیا کے سارے دریا مل کر تیری گندگی کو نہ دھو سکتے۔

رملی دنیا بھر کی خوشبوئیں تیرے وجود کے تعفن کو نہ دور کر سکتیں۔

رملی!دنیا کا کوئی صابن تیرے تن کا میل نہ اتار سکتا......

رملی!ایسا محلول دنیا میں نہیں تیار کیا گیا جو عصمت کے ٹوٹے ہوئے شیشے کو جوڑ سکے......

کوئی ٹوٹکا نسوانیت کی چادر پر لگے داغ نہیں اتار سکتا۔

اک ذرا سی ٹھیس لگتی ہے تو ثابت شیشہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ٹوٹے ہوئے شیشے میں تو اپنا چہرہ بھی پورا نہیں نظر آتا......

ٹوٹے ہوئے چہرے کے ساتھ تو بھلا کب تک جی سکتی؟

exponovels

اک ذراسی ٹھیس سے اس شیشے کو بچانے کے لئے عورت پر روایات کی چادریں ڈالی جاتی ہیں۔

اور عورت کی عصمت تو اس کے ساتھ قبر میں جاتی ہے.....سنا تو نے!

یہ مرد بہت بہت بڑا ہے رملی......

اس کی بہت سی طاقتیں ہیں رملی......

عورت کی بس ایک ہی طاقت ہے!

عورت کی بس ایک ہی پونجی ہے۔

دولت جائے تو عورت کنگال ہو جاتی ہے۔مفلس ہو جاتی ہے۔قلاش ہو جاتی ہے۔

شکر کر تو کنگال ہونے سے بچ گئی۔تو نے اپنے خزانے کی حفاظت نہیں کی تھی......

مگر قدرت کو تجھ پر ترس آ گیا تھا۔

کردار کی ناداری سب سے بڑی بدنصیبی ہے۔

اور تیرا وجود برف کی ڈلی نہیں کہ پانی تلے رکھنے سے گھل جائے۔آنکھیں کھول کے چل......اس ٹھوکر سے سنبھل......

اور پھر اچانک اسے شان بھائی یاد آ گئے۔اور وہ رات بھی......

وہ اور بھی شدت سے رونے لگی۔اسے اپنی حماقتوں پر رونا آنے لگا۔سمجھنے کے لئے وہ ایک رات بھی کافی تھی۔آخر اس کی آنکھیں کیوں نہ کھلیں۔

رملی تیرے چہرے پر کیا لکھا ہے......؟

اس نے زور زور سے اپنے چہرے کو رگڑا......اور پانی کی تیز و تند دھار کے نیچے رکھ دیا۔جیسے آج وہ اس پانی میں اپنے چہرے کے سارے نقوش بہا دینا چاہتی ہو......

اور پھر اسے اپنی شادی کی پہلی رات بھی یاد آئی اور اس کے ساتھ وابستہ ہر بات بھی یاد آئی۔

اپنی شادی شدہ زندگی کے پچھلے دو سال یاد کر کے اس کا دل چاہا۔اسی پانی میں ڈوب کر مر جائے۔جس پانی کو اس نے ہمیشہ اپنا نجات دہندہ جانا تھا۔

اسے معلوم تھا جو کچھ ہو چکا ہے۔ اسے بھول جانا ہے وہ بھول بھلیوں سے باہر نکل آئی۔ اب توبہ کر کے سیدھی ڈگر پر چلنا ہے۔ اس لئے سارا دن وہ اپنے آپ کو نارمل رکھنے کی کوشش کرتی رہی۔ آج پہلی بار اس نے معوذ کو بہت پیار سے نہلایا۔ اس کے ساتھ کھیلتی رہی۔ باتیں کرتی رہی۔ بار بار بے جی کے پاس جا کر بیٹھی۔ ہمسایوں کے بارے میں ڈھیر سارے سوالات کرتی رہی اپنے آپ کو مصروف رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ اس حادثے سے گزر کر سنبھلنے کا ہر داؤ استعمال کیا۔

شام کو جب معاذ آیا۔ تو وہ بہت اچھی طرح سے تیار تھی۔ مگر نظر اٹھا کے معاذ کی طرف دیکھنے کا اسے حوصلہ نہیں ہوا۔ معاذ نے پہلی نظر اس پر ڈال کر پوچھا۔

کیا کہیں جا رہی ہو......؟

نہیں تو......اس نے نظریں جھکا لیں۔ معاذ نے اسے شرم سے تعبیر کیا۔

معاذ اسے تھوڑی دیر بڑی گرم نظروں سے دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

اس طرح بن ٹھن کر رہا کرو۔ مجھے اچھی لگتی ہو......

رہوں گی......آج کے بعد رہوں گی......رملی کے دل سے آواز نکلی مگر اس کے ہونٹ لرز کر رہ گئے۔ صبح والا واقعہ نظروں میں گھوم گیا۔ وہ دانتوں سے اپنا نچلا ہونٹ کاٹنے لگی جیسے اس واقعے کو کھرچ کر پھینک دینا چاہتی ہو۔

اس طرح ہونٹ نہ کاٹو۔ معاذ نے شرارت سے کہا۔ رات ابھی بہت دور ہے۔

تب بے اختیار رملی کا دل چاہا معاذ کے کندھے پر سر رکھ کر رونا شروع کر دے۔

اور اک کے در پے ٹھوکر لگنے پر ہی کیوں کھلتے ہیں؟ باتیں تو معاذ ہمیشہ سے ایسی ہی کرتا تھا۔ آج اس کی باتیں سمجھ میں کیوں آ رہی تھیں۔ وہ اس کی صورت دیکھنا چاہتی تھی۔ مگر آنکھوں میں دو آنسو مجرم بنے کھڑے تھے۔ اس لئے ذرا سی پلک اٹھا کے گرا لی اور بولی۔

میں آپ کے لئے چائے لاؤں......؟

لاؤ بھئی......چائے لاؤ......چاہت لاؤ......کچھ بھی لاؤ......

معاذ ہنسا......رملی نے مڑتے مڑتے دیکھا۔ اس کے سفید دانت نمایاں ہوئے تھے۔ اسی انداز میں جب کبھی وہ پہلے ہنستا تھا۔ تو اسے کتنی کراہت آتی تھی۔ جیسے کالے دیو کے سفید دانت نظر آ رہے ہوں۔ مگر آج اسے ایسا محسوس نہیں ہوا۔ بلکہ معاذ کے چہرے پر جو ایک خوشی کا رنگ بکھر گیا تھا۔ وہ رملی کو بہت اچھا لگا۔

دوڑ کر چائے لے آئی۔

exponovels

ویسے ہو تم بڑی خدمت گذار بیوی...... معاذ نے پیالی اس کے ہاتھ سے پکڑ لی......

اچھی ہو یار تم بھی......بس ذرا لئے دیئے میں رہتی ہو۔اصل میں مجھے شوخ و شنگ اور باتونی عورتیں پسند ہیں۔ میں دفتر سے آؤں تو سارا وقت میرے کان کھاتی رہے۔اپنے بیڈروم میں جب تک بیوی بے شمار احمق باتیں نہ کرے تو بیڈروم میں سناٹے کا گمان ہوتا ہے۔

مرد ایک تھکے ہوئے بیل کی طرح گھر آتا ہے...... یہ ملازمت سارا لہو نچوڑ لیتی ہے۔

پھر دل صرف سننے کو چاہتا ہے۔جب تم نہیں بولتی ہو تو پھر میں موسیقی سننے لگتا ہوں۔

رملی چپ کھڑی رہی۔

اس کا دل چاہا...... کہہ دے معاذ میں اب بولنے کی کوشش کروں گی۔اب چپ نہیں رہوں گی۔چپ کا سناٹا اندھیری راہوں پر لے جاتا ہے۔مگر اس سے تو کچھ بھی نہیں کہا گیا۔

اس نے سوچا کاش کوئی ایسا آلہ ایجاد ہوتا جو دل میں اٹھنے والے تمام جذبات کو ادا کر سکتا یا اسے تھوڑی بہت گفتگو کی عادت ہوتی۔اس وقت کچھ تو کہہ سکتی۔

اتنے میں معوذ پاؤں پاؤں چلتا ہوا کمرے میں آ گیا اور معاذ پیالی چھوڑ کے اس کی طرف لپکا...... معاذ کی جان اپنے بیٹے میں پھنسی رہتی تھی۔اس کو دیکھتے ہی بے تاب ہو اٹھتا۔گو معوذ ابھی باتیں نہیں کر سکتا تھا۔مگر بے جی کی کوششوں سے وہ ابو ابو کہنے لگا تھا۔وہ بھی معاذ کو دیکھتے ہی اس کی طرف لپک کر آتا۔تب رملی سوچا کرتی۔یہ ماں باپ کی محبت بھی کیسی شے ہے۔

......؟نہ تو بچے کو والدین کی بدصورتی کا احساس ہوتا ہے اور نہ والدین کو بچہ بدصورت لگتا ہے ایک ہی رشتہ ہے جس میں پیار اندھا ہوتا ہے۔مگر آج وہ ان دونوں کو اور ہی زاویے سے دیکھ رہی تھی۔تب اس کی سمجھ میں آیا کہ محبت کی نگاہ میں سب سے وسیع نگاہ ہے۔اگر محبت کی نظر گہری نہ ہوتی تو بس دنیا میں صرف حسین لوگ ہی چاہے جاتے اور پھر اسے تعجب بھی ہو رہا تھا کہ ایک دن میں ہی اس کا نقطہ نظر بدل گیا تھا۔

شام حسب معمول لوگوں کے آنے جانے میں گذر گئی۔وہ معمول کے مطابق ہر کام کرتی رہی۔

معوذ جب بے جی کے کمرے میں سو جاتا تھا تو وہ بلا ناغہ اسے ایک نظر دیکھنے جاتی تھی۔بے جی۔دو چار باتیں کر کے آ جاتی تھیں۔آج بھی جب وہ اپنے کمرے میں آئی تو رات کے دس بج رہے تھے۔معاذ کپڑے بدل کر بستر میں لیٹ چکا تھا۔مگر سائیڈ لیمپ جلا کر ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔پہلے رملی نے کمرے میں پھیلے ہوئے معوذ کے کھلونے اور کپڑے اٹھا کر سلیقے سے الماریوں میں رکھے۔

پھر سونے کے لئے آ کر بستر پر بیٹھ گئی۔معاذ نے نگاہ بھر کے اسے دیکھا اور خود ہی مسکرا دیا۔معاذ کی نگاہوں میں جو کچھ تھا اس کا مفہوم اس نے پا لیا تھا اور سوچ رہی

تھی۔ آج پہلی بار وہ پیش قدمی کرے گی۔ آج کے بعد معاذ کو گلہ نہیں رہے گا اس کی بے حسی کا۔ گو اس مقام سے گذرنا اس کے لئے بہت مشکل تھا مگر ہر مشکل کو پہلی بار دل کڑا کر کے عبور کیا جاتا ہے......

آج تو کتنی ہی باتوں نے اس کے دل میں ہلہ بول دیا تھا۔

آج اس کے اندر طوفان اٹھ رہے تھے آج وہ بہت سی باتیں کرنا چاہتی تھی۔ اس پل صراط سے جلدی گذر جانا چاہتی تھی۔

معاذ نے کتاب ہاتھ سے رکھ دی اور اس کی طرف رخ پھیر لیا۔ اور پھر اس کے ساتھ باتیں کرنے لگا۔ بڑے دھیمے دھیمے لہجے میں......اس کے لہجے کا سوز رملی پہلی بار محسوس کر رہی تھی۔ اور ٹک ٹک اس کے چہرے کو دیکھ رہی تھی اس نے ایک پل کے لئے بھی معاذ کے چہرے سے نگاہیں نہیں ہٹائیں۔ یہی وہ چہرہ ہے۔ جس کی جانب دیکھنے سے وہ کتراتی تھی۔ خوف کھاتی تھی۔ اسے ابکائی آ جاتی تھی مگر آج اس نے اپنی پلک نہیں جھپکی اور بڑی توجہ سے اس کی باتیں سننے لگی۔

اسی وقت فون کی گھنٹی بجی......

تو معاذ نے کہا۔ جاؤ رملی تم سن کے آؤ۔ اگر میرا فون ہوا تو کہہ دینا میں سو چکا ہوں۔

رملی جانتی تھی معاذ نے ایسا کیوں کہا ہے۔ اس لئے ننگے پاؤں دوڑتی ہوئی گئی اور ٹیلی فون کا ریسور اٹھایا۔ بھاگ کر آئی تھی۔ اس لئے اپنی سانسوں پر قابو پا کر بولی......ہیلو......ہیلو......

اس کے بعد دو دفعہ ہیلو کہنے کے بعد ادھر سے ایک بڑی گھمبیر اور پراسرار آواز آئی۔

رملی......

رملی سن ہوگئی۔

اس آواز کو وہ پہچانتی تھی۔ ایک بار اس آواز نے اس کا سکون دل لوٹا تھا۔ اب یہ آوازوں کا گھر اجاڑنا چاہتی تھی۔

رملی......وہ عجیب انداز میں بولا۔

تم سمجھتی ہوگی۔ تم میرے چنگل سے بچ کر نکل گئی ہو۔ مگر یہ صرف تمہارا خیال ہے۔

اگر اپنا دوپٹہ لینا چاہتی ہو تو ایک بار آؤ۔ دوپٹے کی قیمت ادا کرو۔ ورنہ یہ دوپٹہ اپنی قیمت آپ چکالے گا اور تم پسند نہیں کرو گی کہ یہ دوپٹہ اپنی داستان تمہارے شوہر کو سنائے......

رملی کو ایسا محسوس ہوا۔ اچانک اس کے چاروں طرف شعلے نکل آئے ہیں اور وہ بچاؤ کے لئے کسی کو پکار بھی نہیں سکتی۔

For more visit (exponovels.com)

اس کو چپ دیکھ کر وہ بولا۔

میں اپنا قرض معاف نہیں کیا کرتا......سیدھے سیدھے سمجھوتہ کرلو۔ ورنہ تمہاری زندگی جہنم بنا دوں گا......

رملی کا سارا جسم لرزنے لگا۔ جیسے کھڑے کھڑے کسی نے اس کا لہو نچوڑ لیا ہو۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ بس اس نے آہستہ سے ریسیور رکھ دیا۔ اسے کافی دیر ہوگئی تھی۔ اور جا کر معاذ کو جواب دینا تھا۔ معاذ جو شوق کی شمع جلائے اس کا منتظر تھا۔

وہ اپنے آپ کو گھسیٹتے ہوئے کمرے میں آئی۔

معاذ نے پوچھا۔

کس کا فون تھا......؟

بولی......رانگ نمبر تھا۔

یہ کہتے وقت اس نے آواز اس طرح نکالی جیسے ذبح ہوتی ہوئی مرغی آخری بار حلق سے آواز نکالتی ہے۔

معاذ نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ رملی کا رنگ ہلدی کی طرح زرد ہو رہا تھا اور اس نے ٹھیک طرح سے چلا بھی نہیں جا رہا تھا۔

بولی......رانگ نمبر تھا۔

یہ کہتے وقت اس نے آواز اس طرح نکالی جیسے ذبح ہوتی ہوئی مرغی آخری بار حلق سے آواز نکالتی ہے۔

معاذ نے نظر اٹھا کر دیکھا رملی کا رنگ ہلدی کی طرح زرد ہو رہا تھا اور اس سے ٹھیک طرح سے چلا بھی نہیں جا رہا تھا۔

وہ اسے حیران ہو کر دیکھتا رہا۔ اور رملی گھسیٹتی ہوئی غسل خانے میں گھس گئی۔ اندر سے چٹخنی چڑھالی اور اپنا پیٹ پکڑ کے بیٹھ گئی۔ پیٹ میں ایک دم مروڑ اٹھنے لگے تھے۔ دل ڈوبا جا رہا تھا۔

اپنی بربادی کا نقشہ سامنے نظر آ رہا تھا اور کوئی راہ نجات نہ تھی۔ ہاں ایک راستہ تھا۔ جو وہ کمینہ انسان خود دکھا رہا تھا۔ کیا اس راستے پر چل کر وہ اپنی ازدواجی زندگی بچا لے گی؟ اس خبیث کے ہاتھ میں آلہ کار بن کے کیا وہ اپنے شوہر کو منہ دکھانے کے قابل رہے گی۔ ایک دوپٹے کی خاطر کیا وہ اپنی عزت کا سودا کر لے......؟

مگر یہ بھی تو دیکھ تیری بات کا کون اعتبار کرے گا۔ اگر وہ ذلیل انسان یہ دوپٹہ ثبوت کے طور پر پیش کر دے تو کون اس کی بات کا یقین نہیں کرے گا۔ جبکہ دوپٹے کے بارے میں امی جان نے بھی پوچھا اور بے جی نے بھی استفسار کیا تھا......اور معاذ اچھی طرح سے پہچانتا ہے کہ یہ دوپٹہ تیرا ہی ہے۔ اور اسی نے تجھے لا کر دیا تھا۔

exponovels

For more visit (exponovels.com)

کون تیری بے گناہی کا یقین کرے گا؟

کس کس کے آگے قسمیں کھائے گی......؟

اور پھر شوہر......

جو ہر وقت بدگمان ہونے کے بہانے ڈھونڈتا ہے۔

معاذ کو تو اس نے کبھی اپنی محبت کا ثبوت ہی نہیں دیا تھا۔ معاذ نے تو ہمیشہ اس کی گم صم کیفیت پر اعتراض کیا تھا۔ معاذ تو اس کی بے حسی کا شاکی رہا تھا......؟

اپنی پاک دامانی ثابت کرنے کا اس کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا......؟

ایک طرف کھائی تھی اور دوسری طرف اندھا کنواں......

موت دونوں طرف یقینی تھی۔

اس نے بڑی مشکل سے اپنی آنکھوں میں آئے آنسو سنبھالے۔ اس وقت رو کر جاتی تو معاذ پوچھ لیتا کہ کیا ہوا......؟

معاذ باہر اس کا انتظار کر رہا تھا۔

معاذ کے دل میں آج اس نے آگ لگائی تھی۔

محبت کو پہلی آنچ دکھائی تھی......

زیادہ دیر اندر بھی نہیں رہ سکتی تھی۔

اپنے آپ کو آمادہ بھی کرتا تھا۔ باہر بھی نکلنا تھا۔ پھولوں کی سیج بھی سجا تا تھی مگر دل میں الاؤ سلگ رہے تھے۔

لمحے بھر کو اس کے دل میں خیال آیا کہ ساری بات معاذ کو بتا دے۔ شوہر سے بڑھ کر کوئی نہیں ہوتا۔ اس وقت معاذ ہی اسے اس مصیبت سے بچا سکتا ہے۔

لیکن پھر......اسے شروع سے لے کر آخر تک سارے واقعات بتانے پڑیں گے۔

کتنی شرم آئے گی سب بتاتے ہوئے......

پھر اس نے یہ بھی سن رکھا تھا کہ شوہر اس معاملے میں بڑے متعصب ہوتے ہیں۔ خود تو بڑے سے بڑا گناہ کر کے معافی کے طلب گار ہوتے ہیں۔ مگر بیوی کی ذرا

سی خطا بھی معاف نہیں کر سکتے۔

میں کیا کروں......؟

exponovels

میں کیا کروں......؟

کشش نے رملی کو ادھ موا کر دیا۔ اس نے کلائی پر بندھی گھڑی میں دیکھا۔ اسے غسل خانے میں بیٹھے آدھ گھنٹہ ہو گیا تھا۔

اف......

وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

جلدی سے پورا نل کھول دیا اور منہ پر ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارنے لگی۔ منہ دھو کر تولیے سے صاف کرتی ہوئی باہر نکل آئی۔

معاذ نے بتی بجھا دی تھی۔ اور تکیے پر چہرہ رکھ کر اوندھا لیٹا ہوا تھا۔ ڈرتی ڈرتی رملی آئی اور بالکل سیدھی لیٹ گئی۔ اس نے اپنا دایاں ہاتھ پیٹ پر رکھا ہوا تھا۔

معاذ آنکھیں کھول کر تھوڑی دیر اسے دیکھتا رہا۔ پھر آہستہ سے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا تو رملی ڈر کر پرے سٹ گئی۔ اس کے منہ سے ہلکی سی سسکی بھی نکلی۔

کیا ہوا ہے رمو......؟

معاذ نے سر اٹھایا اور ہلکی روشنی میں اس کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کی۔

کچھ نہیں......رملی نے لرز کر کہا۔ بس......میرے پیٹ میں شدید درد ہو رہا ہے......

معاذ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

کیوں ہو رہا ہے......؟ میں کوئی دوا لا دوں تمہیں......؟ اتنا شدید درد تو نہیں کہ ڈاکٹر کو دکھانا پڑے۔

نہیں نہیں......رملی اور بھی خوف زدہ ہو گئی۔

پلیز آپ سو جائیں۔ میں خود ہی ابھی ٹھیک ہو جاؤں گی۔ پلیز آپ سو جائیں......

رملی نے اس طرح چیخ کر کہا کہ معاذ لیٹ گیا۔

رملی کراہتی رہی۔

وہ اسے دیکھتا رہا۔ اور پھر شاید سو گیا......

لیکن رملی کو نیند نہیں آئی۔ وہ تڑپتی رہی اور کروٹیں بدلتی رہی۔

لیٹے لیٹے اس کے کانوں میں ٹیلی فون کی گھنٹی کی دلخراش آوازیں آنے لگیں۔

آہ......آج سے پہلے اس فون کی گھنٹی اتنی بھیانک نہ لگی تھی۔ اسے یوں لگا فون ساری بات بتا دے گا اور اس کی کرتوت کی کہانی ساری دنیا کو سنا رہا ہے گا۔

For more visit (exponovels.com)

جب اس کی طبیعت بہت بے چین ہوئی تو وہ بستر سے اٹھ گئی۔ مبادا بار بار کروٹیں بدلنے سے معاذ ڈسٹرب ہو یا اس کے اضطراب کو پڑھ لے۔ اس لئے اٹھ کر قالین کے اوپر لیٹ گئی۔

اور جب قالین پر لیٹی تو اسے یوں محسوس ہوا کہ وہ آسمان سے زمین پر آ رہی ہے اس خیال سے اس کے آنسو بہتے رہے اور وہ بے تحاشا روتی رہی۔ اسے اپنے بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہیں آ رہی تھی۔ یہ بات تو طے ہو گئی تھی کہ وہ یاور کی ہوس کا نشانہ نہیں بنے گی۔ نہ کٹھ پتلی بن کے اس کے اشاروں پر ناچے گی۔ کیونکہ اس نے اس قسم کی بلیک میلنگ کے کئی قصے پڑھ رکھے تھے۔ یہ ایک مرتبہ والی بات نہیں تھی۔ بلکہ ایک مرتبہ جانے کا مطلب تھا۔ وہ ہمیشہ کے لئے اپنے آپ کو اس کے جال میں پھنسا لے۔

یہ تو ٹھیک ہے۔ اس نے فیصلہ کر لیا۔ کہ وہ یاور کی دھمکیوں سے ڈر کر دوبارہ اسے ہرگز نہیں ملے گی۔

لیکن یاور اس سے کس قسم کا انتقام لے گا؟ یہ سوچ کر وہ لرز جاتی اب اس کا پورا کردار کھل کر رملی کے سامنے آ رہا تھا۔ اسی لئے وہ اکثر رملی کو مجبور کرتا کہ رملی اس کو خط لکھے تاکہ اس کے خطوں کے ذریعے وہ رملی کو بلیک میل کر سکے۔

خط تو رملی نے نہ لکھے مگر اس کی چال میں پھنس گئی۔

کبھی اسے امی ابا کا خیال آتا۔ ان کو کتنی اذیت پہنچے گی۔ کبھی بے جی کی طرف دھیان جاتا۔ انہوں نے تو بارہا اس کو کہا تھا۔ تو نیکوں کی اولاد ہے۔ کیا نیکوں کی اولاد ایسی ہوتی ہے۔ ممکن ہے اس کی وجہ سے اس کی ہنستی بستی بہنوں کی زندگی اجیرن ہو جائے۔ کچھ باجی کو تو شان بھائی طعنے دے دے کر مار ڈالیں گے۔ اف وہ کیسے ننگ خاندان بن گئی۔

آج کی رات اسے بہت بھاری نظر آ رہی تھی۔

آج کی رات ہی فیصلہ کرنا تھا۔

کیونکہ آج تو اتفاق سے رملی نے فون سن لیا تھا۔ کل کوئی اور بھی یہ فون سن سکتا ہے۔

آج تو اس نے رانگ نمبر کہہ کر بات بنالی تھی۔ کل کیا بات بتائے گی......

ندامت نے اس کا برا حال کر دیا......

اس نے سوچا صبح اٹھ کر وہ اپنا مکروہ چہرہ کسی کو نہ دکھا سکے گی۔ اور ذلت کی زندگی سے تو موت ہی بہتر ہے......

ایک جھٹکے کے ساتھ وہ اٹھی......

For more visit (exponovels.com)

معاذ کے سرہانے لگا ہوا ٹیبل لیمپ اٹھایا۔اس کا سوئچ نکالا اور اسے سٹڈی میں لے گئی۔

ایک جنون سا اس پر سوار ہو گیا۔

اس نے لیمپ کا پلگ کھول کر بجلی کی تاریں ننگی کر دیں۔اس کو کچھ علم نہیں تھا کہ ہذیانی انداز میں وہ کیا کر رہی ہے۔

بس اسے اس وقت ہوش آیا جب اسے ایک دھچکا لگا اور وہ دور جا گری۔اس کے منہ سے ایک بے اختیاری چیخ بھی نکلی تھی۔

سنبھلتے ہی اس نے دیکھا۔معاذ اس کے سر پر کھڑا تھا۔اور بہت غصے سے اسے گھور رہا تھا۔

اسی بات سے وہ ڈرتی تھی۔اس کی نفرت کا سامنا کرنے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔

وہی بات ہو کر رہی۔

معاذ نے اس کے ہاتھ سے تار کھینچ کر لیمپ کو سمیٹ کر ایک طرف رکھ دیا...... پھر اس کے دونوں بازو زور سے پکڑ لیئے اور اسے اس طرح جھنجھوڑا جیسے وہ کوئی تناور درخت ہو جسے وہ جڑوں سمیت اکھیڑنا چاہتا ہو۔اس ایک جھٹکے میں ربل کو معاذ کی فولادی قوت کا اندازہ ہو گیا۔اس نے سہمے ہوئے انداز میں معاذ کے غصے سے تنے ہوئے چہرے اور پھنکارتی ہوئی آنکھوں کی طرف دیکھا۔پتہ نہیں ان آنکھوں میں اس وقت کیا تھا۔ایک بدصورت آدمی ستارے کی طرح ٹوٹا اور جا کے اس کے دل میں جا گڑیں ہو گیا۔چبھ گیا۔بیٹھ گیا...... پھانس کی تازہ تازہ چبھن جان نکال لیتی ہے۔

ہمیں بدنام کرتی ہو۔ہمیں رسوا کرتی ہو۔تا کہ تم تو قبر میں جا کے سو جاؤ۔اور میں زندگی بھر بھگتتا رہوں۔

معاذ نے غرا کر کہا۔

بتاؤ کیا ہوا ہے......؟

اور وہ رات کو کس کا فون آیا تھا۔جس کے بعد تمہاری ایسی حالت ہو گئی ہے کہ ایک پل کو تمہیں قرار نہیں آیا۔

وہ بدصورت آدمی جسے اس نے کبھی در خود اعتنا نہ جانا تھا۔تمام تر بدگمانیوں کا اسیر ہو چکا تھا۔

جاری ہے...

For more visit (exponovels.com)

وہ بدصورت آدمی جسے اس نے کبھی در خوراعتنا نہ جانا تھا، تمام تر بدگمانیوں کا اسیر ہو چکا تھا۔ بدگمان ہوا تو کتنا دور، کتنا اجنبی نظر آیا۔ اسی لمحے رملی کو خیال آیا کہ بس یہی ایک انسان تو دنیا بھر میں اس کا اپنا تھا۔ جسے اس نے کبھی اپنا نہ جانا تھا...... آج یہ ہمیشہ کے لئے کھو جائے گا۔ تو اس کے کھو جانے پر دل میں درد سے کیوں جاگ رہے ہیں۔ تم نے اسے کیا دیا ہے......؟ جو وہ آج کی رات لوٹائے گا......

رملی سسکیاں بھر بھر کے رونے لگی۔

ابھی تک معاذ نے اپنے مضبوط ہاتھوں سے اسے پکڑا ہوا تھا۔ پھر اسے پکڑ کے ایک صوفے پر بٹھا دیا۔ باہر گیا۔ ایک گلاس ٹھنڈے پانی کا بھر کر لایا۔

اسے پلایا۔

رملی نے اپنی آنکھیں صاف کیں۔ چہرہ صاف کیا۔ اور معاذ کی طرف نظر بھر کر دیکھا۔

پھر بولی۔

بیٹھ جائیں میں آپ کو سب کچھ بتا دیتی ہوں۔

معاذ اسی طرح تنا تنا سا سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

رملی اس طرح بولنے لگی۔ جس طرح پھانسی کے تختے پر جانے والا مجرم تھوڑی دیر پہلے اپنی آخری خواہش کا اظہار کرتا ہے۔

میں جو کچھ آپ کو بتاؤں گی۔ اس میں میرا اپنا قصور ہے۔ آپ معاف کر سکیں تو کر دیں کیونکہ آپ عالی ظرف ہیں اور ایک عظیم ماں کے بیٹے ہیں۔ مجھے بچانا چاہیں تو اس مصیبت سے بچا لیں۔ لیکن میرے لئے طلاق کی سزا تجویز نہ کریں۔ اسی خوف سے میں اپنے آپ کو ختم کرنے لگی تھی کہ میرے ماں باپ میری طلاق کو برداشت نہ کر سکیں گے۔ خصوصاً جس دن میری ماں نے سنا مجھے طلاق ہوئی ہے، وہ مر جائے گی۔ میں اپنی ماں کو اپنی وجہ سے مارنا نہیں چاہتی...... اس کے علاوہ آپ جو بھی سزا تجویز کریں مجھے منظور ہوگی۔

معاذ چپ بیٹھا رہا۔

رملی نے پھر اسے غور سے دیکھا......

ایک ٹھنڈی سانس چھوڑی۔ اس کے چہرے سے کچھ بھی پتہ نہیں چل رہا تھا۔ اور آج اس کی زندگی کا فیصلہ اس مکروہ صورت آدمی کے ہاتھ میں تھا۔ جو اس کی تقدیر بنا بیٹھا تھا۔

معاذ!

exponovels

رملی نے اس طرح اس کا نام لیا۔ جیسے مرتا ہوا آدمی اپنے اللہ کو پکارتا ہے۔

معاذ! میں صرف آپ کی گنہگار ہوں......

اور پھر اس نے شروع سے لے کر آخر تک ساری کہانی معاذ کو سنا دی۔

❁ ❁ ❁

رملی کی آنکھ کھلی تو اٹھ کر بستر پر بیٹھ گئی۔ بیٹھی تو سر کو زور سے چکر آیا۔ اس نے پاؤں نیچے لٹکا دیئے تو یوں لگا صدیوں سے ہواؤں میں دوڑتی آ رہی ہے۔ اس کے پاؤں اس حد تک پھول گئے ہیں کہ اب زمین پر نہیں ٹک سکتے ...... شکستہ پائی کے احساس سے مغلوب ہو کر اس نے جھک کر اپنے دونوں پاؤں دیکھے اور پھر یاد کرنا چاہا کہ وہ رات بھر کہاں سرگرداں رہی۔ تو اسے رفتہ رفتہ سب یاد آنے لگا۔ اس نے رو رو کر چیخ چیخ کر ہذیانی انداز میں اپنی نادانی کی ساری سرگزشت معاذ کو سنا دی تھی۔ اور اس کا گریبان پکڑ کر اس طرح روئی تھی کہ جیسے اپنے آپ کو ختم کر دینا چاہتی ہو۔ پھر معاذ نے اسے ویلیم کی ایک گولی کھلا دی تھی اور اسے اس کے بستر پر ڈال دیا تھا۔ اس کے بعد اسے کچھ بھی یاد نہیں رہا تھا......

نظر اٹھا کر اس نے دروازے سے باہر دیکھا سارے صحن میں دھوپ پھیلی ہوئی تھی اور معوذ بھاگ بھاگ کر مرغی کے بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا جب کہ بے جی رات کی باسی روٹیاں کتر کتر کے مرغیوں کے آگے ڈال رہی تھیں وہ ہمت کر کے کھڑی ہو گئی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی باہر نکل آئی اسے دیکھ کر بے جی کا ہاتھ رک گیا۔

بسم اللہ...... وہٹی اب کیسی ہے تو......؟

آنکھیں ملتی ہوئی ننگے پاؤں چلتی ہوئی رملی آ کر بے جی کے پاس آلتی پالتی مار کے فرش پر بیٹھ گئی۔

صبح معاذ مجھے بتا کے گیا تھا کہ تمہارے پیٹ میں تمام رات درد رہا ہے۔ تم ساری رات نہیں سو سکیں۔ اس لئے جب تک تم خود نہ اٹھو تمہیں میں نہ جگاؤں......؟

رملی نے بس اثبات میں سر ہلا دیا۔

مجھے جگا لیا ہوتا وہٹی۔ آخر کیوں ہوا ایسا ظالم درد...... میری چھوٹی الماری میں ہر وقت اجوائن پڑی رہتی ہے۔ اگر اس میں تھوڑا سا نمک ملا کے پھانک لیتیں تو فوراً آرام آ جاتا۔

For more visit (exponovels.com)

(رات تو کہیں سے تھوڑا سا زہر بھی مل جاتا تو میں پھانک لیتی بے جی)

رملی صرف زبردستی مسکرا کر رہ گئی۔

کیسی سوچ رہی ہیں تیری آنکھیں...... جا ٹھنڈے پانی سے نہا کے آ۔ اور اپنے بال سمیٹ...... بے اختیار بے جی کا ہاتھ اٹھ گیا۔ اور انہوں نے پیشانی پر سے رملی کے بال پیچھے ہٹانے شروع کر دیئے۔ جونہی پیشانی کو چھوا چونک گئیں۔

اے وہٹی! تیری تو پیشانی تپ رہی ہے۔

رملی نے اپنے ہاتھ کی پشت اپنی پیشانی پر رکھی تو اسے کچھ بھی احساس نہیں ہوا۔ ایک آگ اس کے دل میں لگی ہوئی تھی۔ اس لئے باہر کی تپش اسے بالکل بھی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

بے جی نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر اٹھایا اور اندر بستر پر لے گئیں۔

تجھے تو سخت بخار ہے وہٹی......

میں معاذ سے کہہ کر ڈاکٹر کو بلواتی ہوں۔ تو لیٹ جا......

رملی پھر سیدھی کی سیدھی بستر پر دھم سے گر گئی۔ ایک رات کی دہشت اتنی زیادہ تھی کہ اسے بخار آ گیا تھا۔

یہ بخار پچیس دن تک رہا۔

پچیس دن معاذ نے اس کی خوب تیمارداری کی۔ اور بے جی دم درود کر کے اسے پھونکتی رہیں۔

پچیس دن میں جب کبھی ہوش کی گھڑی آئی۔ اس نے مرنے کی دعا کی۔ پچیس دن بہت تھے پچھتانے اور غم کرنے کے لئے..... گزرے دنوں کا ماتم کرنے کے لئے...... اپنی غلطیوں پر اپنے آپ کو کوسنے کے لئے......؟

اس روز اس کا جی اچھا تھا۔

اٹھ کر نہائی دھوئی کپڑے بدلے۔ کنگھی بھی کی اور آ کر بستر پر بیٹھ گئی۔ اسی وقت بھاگتا ہوا معوذ آیا اور اس کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔ رملی کو اس پر ٹوٹ کر پیار آیا پچیس دن اس نے اپنے بچے کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ اگر بے جی نہ ہوتیں تو اس کے بچے کا کیا حشر ہوتا۔ یہ سوچتے ہی اس نے معوذ کو دونوں بازوؤں میں سمیٹ لیا اور پھر اس کا منہ چومنے کے لئے جب اس کا چہرہ اٹھایا۔ تو ایک دم اس کی چیخ نکل گئی۔ معوذ کے چہرے پر بے شمار چھوٹے چھوٹے دانے نکلے ہوئے تھے۔

exponovels

For more visit (exponovels.com)

دودھ کا گرم پیالہ لے کر اندر آتی ہوئی بے جی نے اس کی چیخ سن لی تھی۔ دوڑ کر آئیں اور بولیں۔

کیا ہوا ہے دو ہٹی......؟

بے جی......رملی نے بڑے خوف زدہ اور دردناک لہجے میں کہا۔

یہ دیکھیں معوذ کا چہرہ دیکھیں......

ہاں دیکھ رہی ہوں۔ انہوں نے اطمینان سے کہا۔

کہیں......کہیں......میرے بچے کو بھی چیچک نہ نکل آئے۔ کہیں اس کا چہرہ بھی......

پھر وہ کہتے کہتے ایک دم رک گئی۔ وہ کیا کہنے چلی تھی بھلا۔

بے جی نے دودھ کا پیالہ اس کی تپائی پر رکھ دیا۔ اور معوذ کو پکڑ کے اپنے دوپٹے سے اس کا چہرہ صاف کر دیا۔ پھر اسے گود میں لے کر سامنے صوفے پر جا بیٹھیں۔ بے جی کے چہرے پر ایک سانولا بادل لہرایا تھا۔ بے جی نے شاید رملی کے خدشہ کو پا لیا تھا۔ ان کے لہجے میں کچھ ٹوٹ گیا تھا۔

انہوں نے معوذ کو اپنی گود میں بٹھا لیا۔ اور کہنے لگیں۔

ڈرو نہیں...... یہ چیچک کے دانے نہیں ہیں۔ پرسوں رات سپرے نہیں کرایا تھا۔ تو مچھروں نے اسے کاٹ لیا۔ صبح اٹھ کر اس نے کھجا لیا اس لئے دانوں کی صورت اور ہو گئی ہے ان دانوں کو چھیڑنا نہیں چاہیے۔ خود بخود سوکھ جائیں گے۔

شرمندہ سی رملی نے دودھ کا پیالہ اٹھایا اور آہستہ آہستہ پینے لگی......

معوذ چھلانگ لگا کر بے جی کی گود سے اترا اور باہر بھاگ گیا۔ بے جی تھوڑی دیر رملی کا اترا ہوا چہرہ دیکھتی رہیں۔ پھر بڑی اداس لے میں کہنے لگیں۔

دو ہٹی! ہمارا زمانہ مجبوریوں کا زمانہ تھا۔ میری ساس بہت سخت گیر خاتون تھیں۔ اللہ بخشے گھر میں ان کا ڈنڈا چلتا تھا۔ جب معاذ پیدا ہوا اور ہم نے اسے چیچک کا ٹیکہ لگوانا چاہا تو انہوں نے سختی سے منع کر دیا۔ وہ ٹیکوں اور اسپتالوں کے سخت خلاف تھیں۔ انہوں نے حکم دیا کہ اتنی چھوٹی جان کو کوئی ٹیکہ نہیں لگوایا جائے گا۔ جب بڑا ہو گا تو دیکھا جائے گا میری عمر بھی چھوٹی تھی۔ ان باتوں کی کچھ سمجھ بھی نہ تھی نہ اتنی تعلیم تھی۔ اور میں ان سے ڈرتی بھی بہت تھی۔ اس لئے دوبارہ خیال ہی نہ آیا۔ اسی زمانے میں ہمارا گاؤں میں چیچک کی وبا پھیلی اور میرے بیٹے کو بھی نکل آئی......

رملی نے سر نہیں اٹھایا۔ آہستہ آہستہ دودھ پیتی رہی۔

For more visit (exponovels.com)

اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور بستر پر لیٹ گئی۔ سوچنے کی ہمت نہیں تھی۔

اس رات کے بعد کیا ہوا......؟

کچھ یاد نہیں آ رہا تھا۔ ایک دم دل میں معاذ کو دیکھنے کی خواہش مچل رہی تھی۔ یہ تو اس نے بیماری ہی میں محسوس کر لیا تھا کہ معاذ دفتر سے آ کر اس کی بہت تیمارداری کرتا تھا۔ اور رات کو کئی بار اٹھ کر اسے دیکھنے آتا تھا۔ کیونکہ جب سے وہ بیمار ہوئی تھی۔ معاذ نے اپنا بستر سٹڈی میں لگا لیا تھا۔

پتہ نہیں اب کیا ہو......؟

اسے تو یوں محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے اپنی ساری ہمت راستے میں ہی لٹا بیٹھی ہے۔

اور آج تو بے جی کو بھی پتہ لگ گیا تھا کہ اسے معاذ کی صورت پسند نہیں......

اور یہ کہ......وہ جی کو کوئی روگ لگائے بیٹھی ہے۔

وہ لیٹی سوچوں کے دوش پر اڑ رہی تھی کہ ایک دم بے جی کی آواز اس کے کان میں آئی۔

وہ بچی! تمہارا فون ہے۔ اگر آ کر سن سکتی ہو تو آؤ......

رملی کھڑی ہو گئی۔ پاؤں میں چپل پہنے۔ چلنے کو قدم بڑھایا تو آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔ شاید بہت دن بعد چلنے کی کوشش کی تھی۔ اس لئے چند قدم چلنے سے اس کا دل دھڑکنے لگا اور چہرے پر پسینہ آ گیا۔ کرسی کی پشت پکڑ کے اس نے ریسیور اٹھا لیا۔

ہیلو۔ اس نے بہت آہستہ سے کہا۔

رملی......

ادھر سے ایک آواز سنائی دی۔

اور بس ایک آواز سن کر ہی رملی کے ہاتھ سے ریسیور گر گیا۔ دور سے بے جی نے ریسیور گرتا ہوا دیکھا۔ جب تک وہ قریب آئیں۔ رملی بے ہوش ہو کر فرش پر ڈھیر ہو چکی تھی۔

❁ ❁ ❁

exponovels

بے جی نے ٹھیک کہا تھا۔ مگر رملی کیا کرتی۔ اس کا خدشہ اس کے منہ سے نکل گیا تھا۔

بے جی کو پتہ نہیں کیا سوجھا۔ دوبارہ بیٹھ گئیں۔

اور کہنے لگیں۔

دو ہٹی! تم لوگ خوش قسمت ہو۔ اس زمانے کی پیداوار ہو۔ اور آزادی کی فضا میں سانس لے رہی ہو۔ جو چاہو کر سکتی ہو۔ ہمارے زمانے میں ہر قسم کی پابندیاں تھیں اور گھروں میں بزرگوں کا سکہ چلتا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ مجھے روایتی ساس بننے سے ہمیشہ نفرت رہی۔ میرا خیال ہے کہ بزرگوں کو اپنی نئی نسل کے ساتھ چلنا چاہئے۔ اس لئے تو میں ہر بات سیکھنے کی کوشش کرتی ہوں۔ زمانے کا ادراک رکھتی ہوں۔

نئے تقاضوں کو قبول کر لیتی ہوں۔ مجھے خواہ مخواہ کا بزرگ بننے سے نفرت ہے۔

اچھا اب تم آرام کرو۔ وہ پھر کھڑی ہو گئیں۔

اور خواہ مخواہ اپنے دل کو پریشان نہ کرو۔ کوئی بات ذہن کو پراگندہ کر رہی ہو تو مجھے بتا دیا کرو۔ اپنے آپ کو بیمار نہ کرو۔ اس عمر میں لگے ہوئے روگ ساری عمر نہیں جاتے۔

بے جی باہر نکل گئیں۔

اور رملی کے کانوں میں ان کے آخری فقرے کی بازگشت رہ گئی۔

اس عمر میں لگے ہوئے روگ ساری عمر نہیں جاتے......

پتہ نہیں روگ کیا ہے......

رملی نے نظر اٹھا کے سامنے دیکھا تو ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں اسے اپنی صورت نظر آ گئی۔

کس قدر بدل گئی تھی رملی ...... جس طرح کسی کچے رنگ کے دوپٹے کو دھونے سے اس کا رنگ اتر جائے اور وہ بدرنگ ہو جائے۔ آنکھیں اندر کو دھنس گئی تھیں۔ رخسار زرد ہو گئے تھے ہونٹ سیاہ پڑ گئے تھے۔ اس کی صورت ہی بدل گئی تھی۔

اسی صورت پر اسے ناز تھا۔

بے جی سچ کہتی تھیں۔ صورت ایک عارضی شے ہے۔ جس چیز پر کسی کا اختیار نہ ہو اس پر کوئی اترائے کیا......؟

For more visit (exponovels.com)

اس نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور بستر پر لیٹ گئی۔ سوچنے کی ہمت نہیں تھی۔

اس رات کے بعد کیا ہوا......؟

کچھ یاد نہیں آ رہا تھا۔ ایک دم دل میں معاذ کو دیکھنے کی خواہش مچل رہی تھی۔ یہ تو اس نے بیماری ہی میں محسوس کر لیا تھا کہ معاذ دفتر سے آ کر اس کی بہت تیمارداری کرتا تھا۔ اور رات کو کئی بار اٹھ کر اسے دیکھنے آتا تھا۔ کیونکہ جب سے وہ بیمار ہوئی تھی۔ معاذ نے اپنا بستر سٹڈی میں لگا لیا تھا۔

پتہ نہیں اب کیا ہو......؟

اسے تو یوں محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے اپنی ساری ہمت راستے میں ہی لٹا بیٹھی ہے۔

اور آج تو بے جی کو بھی پتہ لگ گیا تھا کہ اسے معاذ کی صورت پسند نہیں......

اور یہ کہ...... وہ جی کو کوئی روگ لگائے بیٹھی ہے۔

وہ لیٹی سوچوں کے دوش پر اڑ رہی تھی کہ ایک دم بے جی کی آواز اس کے کان میں آئی۔

وہ بٹی! تمہارا فون ہے۔ اگر آ کر سن سکتی ہو تو آؤ......

رملی کھڑی ہو گئی۔ پاؤں میں چپل پہنے۔ چلنے کو قدم بڑھایا تو آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا۔

شاید بہت دن بعد چلنے کی کوشش کی تھی۔ اس لئے چند قدم چلنے سے اس کا دل دھڑکنے لگا اور چہرے پر پسینہ آ گیا۔ کرسی کی پشت پکڑ کے اس نے ریسیور اٹھا لیا۔

ہیلو۔ اس نے بہت آہستہ سے کہا۔

رملی......

ادھر سے ایک آواز سنائی دی۔

اور بس ایک آواز سن کر ہی رملی کے ہاتھ سے ریسیور گر گیا۔ دور سے بے جی نے ریسیور گرتا ہوا دیکھا۔ جب تک وہ قریب آئیں۔ رملی بے ہوش ہو کر فرش پر ڈھیر ہو چکی تھی۔

❀ ❀ ❀

For more visit (exponovels.com)

ٹیلی فون کی گھنٹی سن کر رملی کا دل کیوں ڈوبنے لگتا ہے۔ اور وہ بار بار بے ہوش کیوں ہو جاتی ہے۔ اس بات پر رملی کو کئی بار غصہ آیا تھا۔ اس نے اپنے دل کو تسلی دی تھی کہ وہ سب کچھ اپنے شوہر کو بتا چکی ہے۔ اب کس بات کا ڈر ہے......؟ مگر اب بھی اسے شوہر کے ردعمل کا تو پتہ نہیں تھا۔ وہ تب سے بیمار پڑی تھی۔ معاذ اور بے جی ہر وقت اس کا دھیان رکھتے تھے۔ ڈاکٹروں کو دکھایا جا رہا تھا۔ باری باری سب بہنیں اور امی ابا بھی دیکھنے آئے تھے۔ امی جان نے بہت مجبور کیا تھا۔ کہ وہ چل کر کچھ دن ان کے پاس رہے۔ مگر رملی نے صاف انکار کر دیا تھا۔ اور تو اور...... پھوپا جی کا پنڈی سے فون آیا تھا۔ انہوں نے بھی اسے پنڈی آنے کی دعوت دی تھی مگر وہ کہیں نہیں جا سکتی تھی۔ امی کے ہاں یاور رہتا تھا اور پنڈی میں شان بھائی تھے اور وہ ان رستوں سے گزرنا نہیں چاہتی تھی جہاں یہ دونوں تھے۔ اپنے گھر میں کتنا سکون تھا۔ کتنا آرام تھا۔ طمانیت تھی۔ اپنائیت تھی...... اپنے گھر کا احساس اسے پہلی بار ہوا تھا۔ یہاں ہر چیز اس کی اپنی تھی...... اپنی صرف اس لئے کہ اس گھر کے آدمی سے اس کا ایک اٹوٹ ناتا تھا۔ وہ اس گھر کا ایک مہرہ تھی۔ اس دیوار کی ایک اینٹ تھی۔ اس چھت کی ایک کڑی تھی۔ اس گھر کے مقابلے میں اسے امی کا گھر بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔ اس گھر میں وہ مہمانوں کی طرح جاتی اور چلی آتی۔ مگر اس گھر سے اسے کوئی بے دخل نہیں کر سکتا تھا۔

حیران ہوتی کہ اس بات کی سمجھ اتنی دیر بعد کیوں آئی......؟ لیٹے لیٹے جب معاذ کے بارے میں سوچتی تو گزری ہوئی تمام باتیں ایک ایک کر کے یاد آنے لگتیں۔

تو وہ اپنے آپ پر نفرین بھیجنے لگتی۔

اس نے اپنی کسی بات سے معاذ پر ثابت نہیں کیا تھا کہ وہ اسے پسند کرتی ہے۔ محبت کرنا تو دور کی بات ہے۔

اور اس روز بے جی نے ٹھیک کہا تھا۔ انہوں نے معاذ کی تربیت بہت اچھے انداز میں کی تھی۔ معاذ کی فطرت کا حسن فوراً کھل جاتا تھا۔ وہ اس حسن کو ڈھونڈنے کے قابل کیوں نہ ہوئی۔

پچھلے ہفتے جب وہ فون کی آواز سن کر بے ہوش ہو گئی تھی تو بے جی نے فوراً معاذ کو دفتر فون کر کے بلوا لیا تھا۔ وہ ڈاکٹر لے کر آ گیا تھا۔ اور بے جی نے اسے ساری بات بتا دی تھی۔

ہفتہ بھر وہ پھر بستر پر لیٹی رہی۔ اس دوران بے جی نے اسے دو مرتبہ آ کر بتایا کہ تمہاری سہیلی جیدہ تمہیں فون پر بلا رہی ہے۔ مگر رملی نے صاف کہہ دیا۔ اس سے کہہ دیں۔ ابھی میں چل کر نہیں آ سکتی۔ جب طبیعت ٹھیک ہو گی تو خود فون کر لوں گی۔

اور بے جی نے نہایت معصومیت سے اسے بتا بھی دیا تھا۔ کہ پچھلے ڈیڑھ مہینے سے رملی بیمار ہے اور بستر پر ہے۔

For more visit (exponovels.com)

رملی کو اپنے بیمار ہونے پر بھی شرم آتی۔ حالانکہ گھر میں کوئی اس کی بیماری پر اعتراض نہیں کرتا تھا۔

آج پھر اس نے چلنے پھرنے کی کوشش کی۔ موجو کی انگلی پکڑ کر باہر نکل گئی۔

مرغیوں کے بچوں کو دیکھا۔ کوارٹروں تک گئی۔ نوکروں کا حال پوچھا......

تھوڑی دیر چلنے سے طبیعت کو بہت تقویت ملی......

پھر اندر آ کے تخت پر بیٹھ گئی۔

ابھی سانس درست کر رہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجنا شروع ہو گئی۔ اس کی آواز سے رملی پھر ڈر گئی۔ اس کا دل دھڑ دھڑانے لگا۔ رنگ اڑنے لگا۔ مگر اس میں ہمت نہیں ہوئی ریسیور اٹھانے کی۔ جب گھنٹی بہت دیر تک بجتی رہی تو پھر بے جی نے اپنے کمرے سے نکل کر جھانکا۔ رملی فون کے پاس بیٹھی تھی...... اس لئے وہ واپس چلی گئیں۔

رملی نے مرے ہوئے ہاتھوں سے ریسیور اٹھا لیا۔

ہیلو......اس نے بھی مری ہوئی آواز میں بولی۔

ہیلو رملی میں جیدہ بول رہی ہوں۔

یہ سنتے ہی رملی نے ریسیور واپس رکھ دیا۔ تھوڑی دیر بعد گھنٹی پھر بجنے لگی۔ اسے معلوم تھا یہ جیدہ ہی ہے۔ اگر وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی جاتی تو یقیناً بے جی فون اٹھا کر اسے بلانے آ جاتیں اور اب وہ فون تک نہ آ سکنے کا بہانہ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ کیونکہ جیدہ نے اس کی آواز سن لی تھی۔

وہ بیٹی! فون کیوں نہیں اٹھاتی ہو......؟

اچانک بے جی نے باہر نکل کر کہا اور پھر باورچی خانے میں چلی گئیں۔ رملی نے اپنا ہاتھ اس طرح بڑھایا جیسے مردہ ہاتھ ہے اور چونگا اٹھا لیا۔

رملی! جیدہ جلدی سے بولی۔

تمہیں اپنے بیٹے کی قسم ہے۔ میری بات ضرور سن لو۔

رملی کا سارا جسم لرزنے لگا۔ وہ اتنی بڑی قسم کی متحمل نہ ہو سکتی تھی۔

ایک دم اس نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا یا جیسے کسی درد کی لہر کو روکنا چاہتی ہے۔

اور اگر اب بھی تو فون رکھ دے گی تو میں پھر سارا کچا چٹھا تیری ساس کو کھول کے بتا دوں گی۔

For more visit (exponovels.com)

رملی کا فون والا ہاتھ کانپنے لگا اور اس نے اپنی پشت دیوار کے ساتھ لگا لی۔

بہت دنوں سے تو بیماری کا بہانہ کر کے بستر پر پڑی ہے۔

جیدہ کے لہجے میں نفرت ہی نفرت تھی۔

تیرا مکر تیرے شوہر اور ساس پر چل سکتا ہے مجھ پر نہیں......

رملی نے سانس روک لی۔

بولتی کیوں نہیں۔کیا تجھے سانپ سونگھ گیا ہے......

اس نے پھر غصے سے کہا۔بتا تو سہی تو فون سن بھی رہی ہے یا نہیں...... ورنہ جو بھی سن رہا ہے۔میں اس سے ساری بات کہہ دوں گی رملی نے بڑی مشکل سے اپنے حلق سے آواز نکالی اور بولی۔

تمہیں جو کچھ کہنا ہے۔کہہ دو میں صرف سنوں گی......

ذلیل،کتیا،کمینی...... جیدہ نے دانت پیس کر کہا۔جب تو میرے شوہر پر ڈورے ڈال رہی تھی۔تجھے پتہ نہیں تھا کہ اس کا کیا انجام ہوگا......؟تمہیں غیرت نہیں آئی کہ میں تمہاری سہیلی تھی۔سہیلیاں بھی بہنوں کے برابر ہوتی ہیں۔کیا تو اپنی بہن کا گھر اجاڑ سکتی ہے......کیا اپنے بہنوئی سے عشق کر سکتی ہے......؟ یہ ہوتی ہیں آج کل کی سہیلیاں،سہیلیوں کے شوہروں پر نظر رکھتی ہیں اور انہیں غیرت نہیں آتی۔اگر تو اپنے گھر میں نا آسودہ تھی تو ذلیل عورت کوئی اور آدمی تلاش کیا ہوتا۔تیرے جیسی عشوہ طراز عورت کو کئی تیرے جیسے مل جاتے۔جو اپنے چہرے پر معصومیت کا نقاب چڑھا کے رہتی ہیں مگر دوسروں کے شوہر لوٹ لیتی ہیں۔ہاں اگر میں ہر روز تیرے شوہر کو بن ٹھن کے دکھاتی،اس کو ناز نخرے دکھایا کرتی تو پھر تجھے پتہ چل جاتا۔تیرے دل پر کیا گذرتی ہے۔ آوارہ عورت!میں سب اپنی آنکھوں سے دیکھتی رہی اور برداشت کرتی رہی......اور یہ سوچتی رہی کبھی تو تجھے غیرت آئے گی......تو ایک بار سوچے گی کہ یاور تیری سہیلی کا شوہر ہے۔

جیدہ نے ذرا سا دم لیا۔

رملی کی آنکھوں میں ڈھیر سارے آنسو اکٹھے ہو گئے۔پلکیں جھپکا کر جنہیں اس نے رخساروں پر انڈیل دیا۔اور پھر دوسرے ہاتھ سے اپنا دوپٹہ پکڑ کے رخساروں کو صاف کرنے لگی۔

سن رہی ہے یا مر گئی ہے۔جیدہ نے غصے سے پوچھا۔

For more visit (exponovels.com)

تو پتہ نہیں رملی میں اتنی طاقت کہاں سے آ گئی، بولی۔

تمہیں جو کچھ کہنا ہے۔ کہتی جاؤ۔ آج میں تمہاری ساری بات سنوں گی۔

کہنے کو تو رملی کا دل چاہا...... کہ اسے کہے۔ تم نے مجھ سے انتقام لینے کے لئے جو حرکت کی تھی، وہ میری زندگی ختم کرنے کو کافی تھی۔ تم نے جو منصوبہ بنایا تھا، جس جال میں مجھے پھنسانا چاہا تھا اس سے میرے اللہ نے مجھے نکال دیا ہے۔ اب اور کیا چال چلنا چاہتی ہو۔ مگر رملی اپنے منہ سے کچھ بھی نہیں کہہ سکتی تھی......؟

بے جی ادھر ادھر آ جا رہی تھیں۔ آج اسے صرف سننا تھا۔ اپنے دل کا غصہ ہونٹ کاٹ کاٹ کے پینا تھا۔ اس لئے ریسیور کان سے لگائے بیٹھی رہی۔

کتیا! تو سننے کے سوا اور کیا کہہ سکتی ہے۔ تیرے پاس کہنے کو ہے کیا؟ میرا دل چاہتا ہے تو میرے سامنے ہو اور میں تیرے بال نوچ لوں۔ تیرا یہ حسین چہرہ جس پر تجھے بہت ناز ہے اپنے ناخنوں سے لہولہان کر دوں۔ تیری گردن دبا دوں۔

جیدہ نے اس طرح دانت پیسے جیسے واقعی اس کے ہاتھ رملی کی گردن کی طرف بڑھ رہے ہوں۔

مگر افسوس صد افسوس...... میں کچھ بھی نہیں کر سکتی...... کچھ بھی نہیں کر سکتی......

یہ کہتے ہوئے جیدہ کی آواز بھرا گئی...... رملی کو اس پر ترس آنے لگا۔ شاید وہ غصہ کرنے میں حق بجانب تھی۔ اپنے شوہر کو دوسری کے قبضے میں کون سی عورت دیکھ سکتی ہے۔ رملی سے غلطی ہوئی تھی۔ اس نے خمیازہ بھگتا تھا۔ وہ اور خمیازہ بھگتنے کو بھی تیار تھی۔ وہ چاہتی تھی جیدہ آج ہی اپنے غصے اور اپنی نفرت کا اظہار کر دے تا کہ اسے پھر کبھی فون کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہو۔

کہتے ہیں۔ ڈائن بھی سات گھر چھوڑ دیتی ہے اور تجھے مجھ پر رحم نہ آیا۔ تو نے میرے ہی گھر کو توڑا۔ تو نے میری بیج اجاڑ دی۔ میں پہلے کون سی خوش تھی۔ یہ کہتے ہی جیدہ کی آواز ٹوٹ گئی۔ شاید اس پر بھی آنسوؤں نے حملہ کر دیا۔ غصے اور رنج کے موقع پر بھی اسی طرح آنسو نکلے چلے آتے ہیں۔ اس نے پھر اپنی آواز پر قابو پایا۔

حرافہ! تو اس روز بچ کے آ گئی۔ پتہ نہیں کس طرح بچ کے آ گئی......؟ ورنہ میں بھی تیرے سسکنے کا تماشا دیکھا کرتی......

رملی کو جھرجھری آ گئی۔ تو اس منصوبے میں جیدہ بھی شامل تھی۔ اور اگر واقعی ایسا ہو جاتا تو یہ دونوں مل کر اسے کس طرح بلیک میل کر رہے ہوتے؟

جیدہ تھوڑی دیر روتی رہی۔ کیونکہ وہ دوبارہ بولی تو اس کی آواز بدلی ہوئی تھی۔

مگر اب میں نے سوچا ہے۔ شاید تیری تقدیر مجھ سے اچھی ہے۔ شاید اللہ کو تیری بخت کا مقصود ہے۔ شاید تجھ پر تیرے ماں باپ کی دعائیں سایہ فگن

For more visit (exponovels.com)

ہیں۔شاید تیری ساس تجھ پر دم پھونکتی رہتی ہے۔اس لئے تجھ پر آنچ نہ آئی اور جال توڑ کر باہر نکل آئی......

رملی نے فوراً گردن موڑ کر دیکھا۔بے جی پالک کے پتے اٹھا کر سامنے برآمدے میں آ بیٹھی تھیں۔اور ایک ایک پتے سے ڈنڈی الگ کر رہی تھیں۔

اور معوذ بھی ان کی دیکھا دیکھی پتے توڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔

بے جی نے ایک بار نظر اٹھا کر دیکھا۔رملی ریسیور کان سے لگائے توجہ سے سن رہی تھی۔وہ پھر اپنے کام میں مگن ہو گئیں۔

جیدہ کو رونے سے شاید قرار آ گیا تھا۔

دوبارہ بولی تو اس کی آواز میں قدرے نرمی تھی۔

رملی میں نے تجھے جو کچھ کہا ہے۔اس کے لئے مجھے معاف کر دینا۔اگر تو میری جگہ ہوتی تو بتا کیا کرتی......سوچ ذرا سوچ......

سن رہی ہے یا نہیں......؟اس نے پھر پوچھا۔

سن رہی ہوں۔رملی نے جواب دیا۔

پھر جواب کیوں نہیں دیتی۔

کیا جواب دوں جیدہ! تجھے حق پہنچتا ہے۔جو بھی کہہ لے......میں تو ڈیڑھ مہینے سے اپنے آپ کو ہر طرح کی اذیت دے رہی ہوں۔لیکن جس طرح تیرا دل خوش ہوتا ہے تو بھی کر لے......

رملی نے اتنی آہستہ آواز میں کہا۔جسے بے جی نہ سن سکیں۔

رملی۔جیدہ بولی۔

ہر شے کی حقیقت وہ نہیں جو تجھے نظر آتی ہے۔گو میں تیری صورت نہیں دیکھنا چاہتی تجھ سے سخت نفرت کرتی ہوں۔مگر آج تجھے اپنی زندگی کی چند باتیں ضرور بتاؤں گی۔صرف تمہیں۔کیونکہ مجھے معلوم ہے تم طبعاً شریف النفس ہو اور اس واقعے کے بعد مجھے تم سے کوئی خطرہ بھی نہیں۔

بے جی ٹرے اٹھا کے ذرا اور قریب آ گئی تھیں۔کیونکہ برآمدے میں دھوپ آ گئی تھی اس لئے رملی نے بہت محتاط انداز میں کہا۔

ہاں ضرور کہو......جسے بے جی نے بھی سن لیا اور انہیں پتہ چل گیا کہ اس طرف سے کوئی بات سنائی جا رہی ہے۔

رملی تو نہیں جانتی میری شادی کس طرح ہوئی تھی......؟میں جب یاور کے جال میں پھنسی اس وقت میری عمر سترہ سال کی تھی۔یاور نے اپنے اوپر ایک دلکش شخصیت کا ماسک چڑھا رکھا ہے۔یہ میں نہیں جانتی تھی مجھے بس دنیا میں یاور کے سوا کوئی نظر بھی نہیں آتا تھا میرے ماں باپ نے یاور

For more visit (exponovels.com)

کے ساتھ میری شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن یاور کے کہنے پر ایک روز میں یاور کے ساتھ بھاگ گئی۔ یاور نے اپنے چند دوستوں کی موجودگی میں مجھ سے نکاح کر لیا۔ پھر ہم شہر شہر گھومتے رہے...... اور ایک دن ملک سے باہر چلے گئے۔

انگلینڈ جا کر مجھ پر یاور کی فطرت کھلی......

یہاں پر رک کر اس نے ایک ٹھنڈی سانس چھوڑی اور کہنے لگی۔

لیکن اس وقت کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ مجھے یاور کا آلہ کار بننا پڑا۔ اس کے اشاروں پر ناچنا پڑا۔

اس کی کارکردگیوں میں اس کا ساتھ دینا پڑا۔

جانتی ہو کیوں......؟

تھوڑی دیر رک گئی۔ پھر بولی۔

اس لئے کہ یاور نے سچ مچ میرے ساتھ نکاح نہیں کیا تھا۔ بلکہ وہ سارا فراڈ تھا۔ اب میرے لئے کوئی جائے پناہ نہ تھی۔ دنیا والوں کی نظر میں ہم میاں بیوی تھے۔ یہ بھانڈہ میں نہ پھوڑ سکتی تھی نہ اپنے گھر والوں تک اپنی فریاد پہنچا سکتی تھی۔ انہوں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ یاور اچھا آدمی نہیں ہے۔

پھر...... رملی نے اس کے لئے اپنے دل میں ہمدردی محسوس کرتے ہوئے بے اختیار پوچھا۔

بس...... اب اتنے لمبے قصے کیا بتاؤں۔

جیدہ نے اداسی سے کہا۔

تم یوں سمجھو کہ یہ ایک ایسی دلدل تھی جس کے اندر میں دھنستی چلی گئی پھر یاور نے ایک اور ظلم بھی مجھ پر کر دیا تھا۔ جس کا علم مجھے بہت بعد میں ہوا۔

یہ کہہ کر جیدہ رونے لگی۔

جیدہ رو نہیں پلیز رملی نے آہستہ سے کہا۔ مجھے بتاؤ۔ اپنے دل کی ہر بات مجھے بتاؤ......

دکھاوے کی شادی کے بعد جب میری کوکھ ہری ہوئی تو...... جیدہ پھر بے اختیار رونے لگی......

تو اس ظالم آدمی نے مجھے طرح طرح سے ورغلانا شروع کیا۔ محبت کے ایسے ایسے سبز باغ دکھائے اور میرے راستے میں اتنی چاندنیاں بچھا دیں کہ مجھے یقین آ گیا۔ بچہ محبت کے راستے کا روڑہ ہے اور فی الحال ہمیں بچہ پیدا نہیں کرنا چاہئے۔ سو میں نے یاور کے مجبور کرنے پر حمل ضائع کروا دیا۔

اور میری حماقت دیکھو۔ بہت عرصہ بعد مجھے اس بات کا پتہ چلا کہ انہی دنوں یاور نے آپریشن کروا کے میری بچوں کی کھیتی جلا دی تھی۔ مجھے پانچ

سال بعد پتہ چلا کہ میں کبھی ماں نہیں بن سکتی۔

جیدہ رونے لگی۔

رملی کو اپنے دل میں درد سا محسوس ہوا اور یاور کا چہرہ بھیانک روپ دھار کے اس کی آنکھوں کے آگے آ گیا۔اف دنیا میں کیسے کیسے گھناؤنے لوگ ہیں۔

جیدہ روتی رہی...... چیخ چیخ کر ہذیانی انداز میں روتی رہی...... اور رملی چپ چاپ اس کی چیخیں سنتی رہی۔

کاش یہ باتیں جیدہ نے اسے پہلے بتا دی ہوتیں تو وہ کتنی محتاط ہو جاتی۔

جب جیدہ اچھی طرح رو چکی تو اپنی بھاری آواز میں پوچھا۔

رملی تم سن رہی ہو......؟

ہاں جیدہ! میں سب سن رہی ہوں تم اطمینان سے کہتی جاؤ......

بے جی نے سر اٹھا کر رملی کی جانب دیکھا۔وہ بڑے انہماک سے چونکا کان کو لگائے سن رہی تھی۔

رملی میں بڑی گنہگار ہوں۔جیدہ نے پھر کہنا شروع کیا۔

اصل میں میں نے اپنے والدین کا دل دکھایا تھا۔اور میرا ایمان ہے۔والدین کا دل دکھانے والے بچے زندگی میں کبھی خوش نہیں رہ سکتے۔دنیا میں ان کے لئے اذیت کے سوا کچھ نہیں ہے...... لیکن دعا کرو کہ یہ عذاب صرف اسی دنیا کے ہوں۔اگلی دنیا میں میں چھوٹ جاؤں......؟

لیکن جیدہ...... رملی نے بڑی ہمت کر کے کہا۔تم اب بھی ان سے مل کے معافی مانگ سکتی ہو۔ماں باپ کا دل بڑا ہوتا ہے۔وہ اپنی اولاد کی ہر خطا معاف کر دیتے ہیں؟

ہاں...... جیدہ پھر دھواں دھار رونے لگی۔میں جانتی ہوں۔اگر میں ان کے قدموں پر سر رکھ دوں تو وہ مجھے معاف کر دیں گے۔مگر میں اب ایسا نہیں کر سکتی......

کیوں......؟ رملی نے پوچھا۔

رملی میں اپنی سیاہ کاریوں کی داستان کہاں تک سناؤں......؟ میں نے تجھے بتایا تھا۔میں ایک عرصے سے یاور کی آلہ کار بن چکی ہوں۔یاور ایک خوبصورت مہکتا ہوا شہزادہ نظر آتا ہے۔اس کا اندرون بہت گھناؤنا ہے۔نہ ہی اس کا کوئی ذریعہ معاش ہے۔یہ خوبصورت لڑکیوں کو اپنے جال میں پھنساتا ہے۔پھر انہیں بلیک میل کر کے روزی کماتا ہے۔میں اس سازش میں اس کے ساتھ شریک ہوتی ہوں۔اس نے کئی لڑکیوں کو خراب کیا ہے۔کئی کے گھر اجاڑے ہیں۔کئی بار میں خودکسی بھاگی ہوئی لڑکی سے اس کی شادی کروا چکی ہوں۔کئی لڑکیاں اس کی وجہ سے خودکشی کر چکی ہیں۔جو

exponovels

لڑکیاں پھنس جاتی ہیں۔ یہ ان کی کمائی کھاتا ہے۔مگر تم نے دیکھا شکل سے کتنا خوبصورت اور معصوم دکھائی دیتا ہے...... یہ مجھے اپنے والدین سے ملنے کی اجازت نہیں دیتا اگر میں زبردستی چلی گئی تو یہ انہیں کسی مصیبت میں پھنسا دے گا۔

اف...... رملی کے سر کو زور سے چکر آیا۔اس نے ریسیور اپنے دوسرے ہاتھ میں پکڑ لیا۔اور خوف سے اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

جیدہ...... جیدہ! وہ خوفزدہ انداز میں کچھ کہنے لگی تھی۔مگر اس سے کچھ بھی نہیں کہا گیا...... ہاں میں چاہتی تھی کہ تو اس کے جال میں نہ پھنسے۔میں تیرے والدین کو جانتی ہوں مگر میں مجبور ہو گئی تھی۔یاور مجھے قتل کی دھمکیاں بھی دے رہا تھا۔اس لئے ہم تیرے اردگرد جال بنتے رہے۔اور تو اتنی بے وقوف ہے۔احمق ہے......

ہاں رملی نے بس اتنا کہا اور پھر اپنی گلوگیر آواز پر قابو پا لیا۔

یہ شادی والی بات بھی میں نے یاور کے کہنے پر تم سے کہی تھی۔کیونکہ تم کسی طرح بھی زیادہ قریب آنے پر راضی نہیں ہو رہی تھیں۔اور جب تم شادی کی بات سن کر بدل گئیں تو اس دن یاور نے دوسرا منصوبہ بنایا۔مجھ سے تمہیں فون کروا دیا۔اور پھر مجھے گھر سے باہر بھیج دیا۔

اور اس روز میرے ضمیر نے مجھے بہت کچوکے لگائے۔اس روز میں نے بھی اللہ سے بہت دعائیں کی تھیں کہ تم گھر سے نہ نکل سکو۔حتیٰ کہ یہ دعا بھی مانگی تھی کہ راستہ میں تمہارا ایکسیڈنٹ ہو جائے۔اور تم یاور تک نہ پہنچ سکو...... یاور نے کمرے میں ایک کیمرہ فٹ کیا ہوا تھا۔

وہاں ٹیپ ریکارڈر بھی موجود تھا۔وہ بلیک میل کرنے کے سارے ہتھکنڈے جانتا ہے۔بڑا کمینہ اور خطرناک انسان ہے۔

رملی کا دل چاہا ریسیور ہاتھ سے رکھ دے اور ابھی یہیں سجدے میں گر جائے کہ اللہ نے اسے ایک خبیث انسان کی خباثت سے بچا لیا تھا۔

رملی۔جیدہ پھر بولی۔

شاید تجھے یقین نہ آئے میں جب جلتی کڑھتی واپس آئی اور مجھے پتہ چلا کہ تو بچ کے چلی گئی ہے۔مجھے روحانی خوشی نصیب ہوئی۔سینکڑوں لڑکیاں ہم نے تباہ کی ہوں گی۔مگر تیرے بچ جانے سے میرا دل بہت مسرور تھا۔اگر تو پھنس جاتی تو شاید میں اپنے آپ کو معاف نہ کر سکتی......

بعد میں کیا ہوا کچھ مت پوچھو...... یاور اپنی شکست برداشت نہیں کر سکتا میں نے اسے بہت سمجھایا تھا کہ تیرا خیال چھوڑ دے...... اب تو ہاتھ نہیں آئے گی۔مگر اس نے بھی قسم کھائی تھی کہ تجھے تباہ کر کے رہے گا......

رملی کو خوف سے ایک جھرجھری آ گئی۔سر کو چکر آیا اور آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔

بڑی دیر کے بعد رملی اپنے آپ کو سنبھال کر بولی۔

For more visit (exponovels.com)

exponovels

جیدہ.......جیدہ.......!

اب تجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے رملی۔جیدہ بولی۔

پہلے میں بھی تجھ سے نفرت کرتی تھی۔مگر کل رات میں نے فیصلہ کیا تھا کہ تجھے فون کر کے سب کچھ بتا دوں گی۔اس لئے کہ خود قدرت کو تیری بہتری منظور ہے۔تجھ پر اللہ کا کوئی خاص کرم ہے۔شاید تو اس کے پسندیدہ بندوں میں سے ہے۔اس لئے وہ تجھے صاف بچا لے جاتا ہے......؟

رملی کچھ بھی نہیں بول سکی۔بے جی سامنے بیٹھی تھیں۔

تو جیدہ دوبارہ گویا ہوئی۔

رملی تجھے تو علم نہیں ہوگا۔کل رات تیرا شوہر ہمارے گھر آیا تھا۔

کیا......؟رملی کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

پہلے ساری بات سن لے۔

کل رات دس بجے کے قریب باہر کی گھنٹی بجی۔میں نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو معاذ وہاں کھڑا تھا۔اس نے اپنی رعب دار آواز میں صرف اتنا پوچھا۔یاور کہاں ہے۔میں نے کہا بیڈ روم میں ہے۔نہ اس نے اجازت طلب کی اور نہ مزید کچھ کہا۔آگے بڑھ کے یاور کے کمرے میں گھس گیا یاور بستر پر لیٹا ہوا تھا۔اس نے یاور کا گریبان پکڑ کے اسے کھڑا کر دیا۔اور پھر گھونسے اور تھپڑ مار مار کے اس کا چہرہ بگاڑ دیا۔یاور اس اچانک حملے کے لئے تیار نہیں تھا۔ویسے بھی جرائم پیشہ لوگوں میں دم خم تو ہوتا نہیں۔اور جب یاور کی اچھی طرح مرمت کر چکا تو ایک فیصلہ کن انداز میں بولا۔

میری بیوی کا دوپٹہ دے دو۔میرا خیال ہے تمہارے لئے آج اتنا ہی کافی ہے۔

یاور نے اپنی مقفل الماری میں سے دوپٹہ نکال کے اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔

معاذ نے دوپٹہ جھپٹ کر لیا اور پھر غرا کر کہنے لگا

رملی ایک غیرت مند آدمی کی بیوی ہے اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ اس واقعے کے بعد میں اس سے بدگمان ہو جاؤں گا۔اور وہ تمہاری آلہ کار بن جائے گی۔تو بالکل غلط خیال ہے۔میں تمہیں قانون کے حوالے بھی کر سکتا ہوں۔تم جیسوں کو مزہ چکھانا خوب جانتا ہوں۔مگر اس طرح تمہارے نام کے ساتھ میری بیوی کا نام بھی آ جائے گا۔اس کو اس روحانی اذیت سے بچانے کے لئے آج میں خود آ گیا ہوں۔مجھے امید ہے کہ آج کے بعد تم اپنی گندی زبان سے رملی کا نام بھی نہیں لوگے اور کبھی فون کرنے کی جسارت نہیں کرو گے۔بلکہ یہ شہر چھوڑ جاؤ تو تمہارے حق میں بہتر ہے۔ورنہ

For more visit (exponovels.com)

نتائج کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔

یہ کہا اور اس طرح گردن اٹھا کر باہر نکل گیا جس طرح وہ دنیا کا طاقتور ترین اور ناقابل تسخیر مرد ہے۔ اس کے قدموں کی دھپ دھپ مجھے دیر تک سنائی دیتی رہی۔ یاور اپنے جبڑے پکڑ کر بیٹھ گیا اور میں دروازے کا پٹ پکڑے اسے دیکھتی رہ گئی۔

جیدہ رونے لگی......

رملی پہلی بار میں نے تجھ سے حسد محسوس کیا۔ مجھے زندگی میں پہلی بار اندازہ ہوا کہ غیرت مند اور عظیم مرد کیا ہوتا ہے.....؟ گو یاور معاذ سے ہر لحاظ سے خوبصورت ہے مگر کتنا مکروہ اور قابل نفرت انسان ہے......؟

جیدہ کے آنسو بہتے رہے...... وہ رک رک کر بولتی رہی۔ رملی کا ہاتھ کانپتا رہا۔

اس کے ہونٹ پھڑکتے رہے...... مگر وہ ہونٹ کاٹ کاٹ کر اپنے آنسو ضبط کرتی رہی۔

رمو! جیدہ اپنی بھیگی آواز میں یوں بولی جس طرح کوئی اپنی ہمدرد سہیلی کے گلے لگ جاتا ہے۔

تو شاید نہیں جانتی جس مرد کا کردار نہیں وہ مرد نہیں۔ مرد کی شکل وصورت ثانوی چیز ہے جو بات مرد کو مرد بناتی ہے۔ وہ اس کا اونچا کردار ہے۔

میں ساری رات روتی رہی۔ اور اللہ کے آگے فریاد کرتی رہی کہ اے کاش! میرا شوہر اندھا ہوتا...... لولہ لنگڑا ہوتا۔ مفلوج ہوتا۔ مگر شریف آدمی ہوتا رزق حلال پہ یقین رکھتا۔

مجھے اپنی آبرو سمجھتا اور مجھے پریشان کرنے والے کا گلا گھونٹنے چلا آتا......

جیدہ ہچکیاں لے لے کر رونے لگی۔

اب رملی کی برداشت سے باہر ہو گیا۔ اس کا دل پھر ڈوبنے کو تیار ہو رہا تھا۔ موجو کھیلتا کھیلتا اس کے پاس آ کر فون کی تار کھینچنے لگا۔

رمو!

جیدہ نے اچھی طرح رو کر کہا۔ میں پھر شاید تمہیں زندگی میں کبھی نہ مل سکوں۔ فون بھی نہیں کروں گی۔ کیونکہ مجھے لگ رہا ہے یاور یہ شہر چھوڑ جائے گا۔ ویسے بھی وہ کافی عرصے سے امریکہ جا کر بسنے کے خواب دیکھ رہا ہے...... مگر میری عبرتناک زندگی کو پیش نظر رکھنا۔ انہونی باتوں کے خواب دیکھنے والی لڑکیوں کا انجام بہت دردناک ہوتا ہے...... اور معاذ جیسے شوہر......

اچانک موجو نے تار زور سے کھینچ لی۔ ٹیلی فون کٹ گیا اور جیدہ کی آواز ڈوب گئی۔ رملی کچھ اور سننا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اس میں کچھ اور سننے کی تاب

For more visit (exponovels.com)

exponovels

بھی نہیں تھی۔ اس کے اندر عجیب سے طوفان اٹھ رہے تھے۔
بڑی مشکل سے اٹھی اور اپنے آپ کو گھسیٹتی ہوئی آکر بستر پر دھم سے گر گئی۔ دل قابو میں نہیں آرہا تھا اور آنکھیں چھلکنے کو بے قرار تھیں۔ ندامت کے ساتھ ساتھ احساس شکر گزاری اسے ادھ موا کئے دے رہا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ پیٹ پر رکھ لیا اور دوسرا آنکھوں پر......

اسی وقت بے جی اندر آ گئیں۔ بڑے تردد سے آ کے سرہانے کھڑی ہو گئیں۔

رملی نے سایہ سا محسوس کر کے جھٹ ہاتھ اٹھا لیا اور بے جی کو دیکھ کر ڈر گئی۔

کیا بات ہے دوہٹی۔

وہ گھوم کر سامنے آ گئیں۔

کچھ نہیں بے جی...... رملی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

آج تو جیدہ نے بڑی لمبی بات کی۔ تو اتنی دیر نہیں بیٹھ سکتی تو کیوں بیٹھ کر سنتی رہی۔

بس بے جی...... رملی دوبارہ لیٹ گئی۔

اس نے بات ہی ایسی شروع کر دی تھی۔ یہ کہہ کر وہ خود گھبرا گئی۔

کیا بات شروع کر دی تھی؟ بے جی کے لہجے میں اصرار تھا۔

وہ جی...... بس بے جی۔ رملی نے جلدی سے بات بنائی۔ بڑی بدنصیب ہے۔ جیدہ! آج اس نے مجھے اپنی شادی کی ساری کہانی بتائی ہے۔ اس کا شوہر بڑا کمینہ آدمی ہے۔ بچاری چیخ چیخ کر رو رہی تھی۔ بس کیا بتاؤں بے جی آپ کو۔ اس وقت میرا دل بہت برا ہو رہا ہے۔ اس نے مجھے بھی بہت رلایا۔

ہاں...... جس دن میں نے اس کے شوہر کو دیکھا تھا وہ مجھے اور طرح کا لگا تھا۔ بالکل اور طرح کا...... مگر ڈر کے مارے بولی نہیں کہ تم نوجوان لوگ جانے کیا کہہ دو۔

بچاری کو اپنے گھر بلا کے تسلی دینا تھی۔

نہیں بے جی...... یہ لوگ اس قابل نہیں کہ ان سے ملا جائے۔ پھر بولی۔

ہمیں کیا ضرورت ہے میاں بیوی کے جھگڑے میں پڑیں۔ اس کے نصیب......

ہاں بچاری کے نصیب......؟ ماں باپ سب کچھ دیتے ہیں۔ لڑکی کو نصیب نہیں دے سکتے......!

For more visit (exponovels.com)

بے جی افسوس کرتے ہوئے جانے کو مڑیں۔ مگر رک کر بولیں۔ تیرا رنگ بالکل ہلدی کی طرح زرد ہو رہا ہے۔ تجھے گرم دودھ کی ایک پیالی لا دوں؟

لا دیں بے جی۔

رملی تنہا رہنا چاہتی تھی...... بالکل تنہا!

بے جی دودھ گرم کر کے لائیں اور پیالہ اس کے پاس رکھ گئیں۔ تھوڑی دیر بعد رملی بستر سے اٹھی۔ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی الماری کے پاس گئی۔

دھڑکتے دل سے الماری کھولی...... سامنے وہی سرخ پھولوں والا دوپٹہ پڑا تھا۔ دوپٹے کا گولہ بنا ہوا تھا۔

توجیدہ کی ہر بات کی تصدیق ہو گئی۔

معاذ نے اس سے کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ معاذ کو صرف یہ پتہ چلا تھا کہ ٹیلی فون سن کے رملی ہمیشہ بے ہوش ہو جاتی ہے۔

آج رملی کو اتنی شرم آئی، اتنی شرم آئی کہ اس کا دل چاہا، وہ زمین کے اندر جا کے چھپ جائے۔

❁❁❁

کبھی احساس سو جاتا ہے۔ کبھی دل سو جاتا ہے۔ سونے جاگنے کی کیفیت ہمیشہ زندگی پر طاری رہتی ہے۔ پے در پے عجیب و غریب حالات رونما ہونے لگیں تو انسان اپنے آپ کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیتا ہے۔ رملی کے ذہن نے مزید سوچنے سے انکار کر دیا۔ اس لئے وہ دم سادھے یوں پڑی رہی جس طرح وہ صدیوں کی بیمار ہے اور اس گھر میں کتنا اچھا دستور تھا۔ بے جی روایتی ساس نہیں تھیں۔ بہت سی نندیں، دیورانیاں اور جٹھانیاں وقت بے وقت دخل اندازی نہیں کرتی تھیں۔ کوئی اس کے گم صم موڈ اور ہر دم روتی آنکھوں کا راز جاننے کی کوشش نہیں کرتا تھا۔ دن اور رات معمول کے مطابق بیت رہے تھے۔

اور رملی گزرتے دن رات کا کوئی سرا پکڑ کے ساتھ چلنے کے بارے میں ہی سوچتی رہ جاتی۔ اس روز صبح ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تو دم سادھے لیٹی رہی۔ ٹیلی فون کا خوف جاتا رہا تھا۔ کالی گھٹائیں جو قسمت کے آسمان پر نمودار ہوئی تھیں اپنے آپ چھٹ گئی تھیں اور ہر خوف اپنے آپ دور ہو گیا تھا۔ ہاں! اب ضمیر کی خلش بے چین رکھتی تھی۔ بے جی نے فون اٹھایا۔ تھوڑی سی بات کی...... اور پھر آ کر اس کے سرہانے کھڑی ہو گئیں۔ رملی اپنا منہ نرم تکیوں میں چھپائے لیٹی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اسے احساس ہوا کہ کوئی سرہانے کھڑا ہے۔ تکیہ ہٹا کر جلدی سے دیکھا تو بے جی تھیں۔

For more visit (exponovels.com)

بے جی چپ تھیں اور ان کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔

رملی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

بے جی نے آرام سے اپنا ہاتھ رملی کے سر پر رکھ دیا۔

رملی کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر بے جی کا کانپتا ہوا ہاتھ پکڑ لیا اور ڈری سہمی آواز میں پوچھا۔

اب کیا ہوا ہے بے جی......؟

بے جی نے اس کی مضطرب آنکھوں میں اپنی بوڑھی آنکھیں پھنسا دیں اور ولیوں والے انداز میں بولیں۔

جو کچھ ہوتا ہے اللہ کی جانب سے ہوتا ہے۔ اس کے حکم کے بغیر تو پتہ بھی نہیں ہل سکتا۔

رملی اسی طرح پاگلوں والے انداز میں ان کی آنکھوں میں دیکھتی رہی اور بات سمجھنے کی کوشش کرتی رہی۔

وہ دوسری طرف آ کے رملی کے ساتھ اس کے پلنگ پر بیٹھ گئیں اور کہنے لگیں۔

زندگی اور موت کا مالک وہی ہے۔ وہی فیصلے صادر کرتا ہے اور انسانوں کو اس کے فیصلوں کے آگے سر جھکانا پڑتا ہے۔ یہی بندگی ہے اور یہی کچھ اس دنیا میں دن رات ہوتا رہتا ہے۔

رملی نے سانس روک لیا۔

پتر...... بے جی نے آہستہ سے رملی کو اپنے سینے کے ساتھ لگا لیا۔

ابھی تیری بڑی بہن کا فون آیا تھا۔ تیری امی کا انتقال ہو گیا ہے......

امی...... رملی نے ایک چیخ ماری اور بے جی سے لپٹ گئی۔

کئی دنوں سے جی کیسا اجڑا اجڑا تھا۔ دنیا کیسی بری بری لگ رہی تھی۔ ذہن کتنا پژمردہ تھا۔ جیسے ابھی کچھ اور ہونے والا ہے۔ وہ اپنی تپش میں جلتی رہی...... اپنے آپ جزا و سزا کا حساب کرتی رہی۔ امی جان کی طرف دھیان گیا ہی نہیں۔

جاری ہے......

For more visit (exponovels.com)

امی جان نے اس روز کتنی حسرت سے کہا تھا۔

رملی میں تم سے کوئی ضروری باتیں کرنا چاہتی ہوں۔ بیٹی اگر تمہارے پاس وقت ہو تو رک جاؤ......

مگر اس کے پاس وقت نہیں تھا۔ اپنی ماں کی بات سننے کا وقت نہیں تھا۔ ماں کچھ کہنا چاہتی تھی۔ وہ ماں کی پیاری بیٹی تھی۔ ماں اس کے آگے دل کے ورق کھولنا چاہتی تھی۔ پتہ نہیں ماں جاتے ہوئے کیا کہنا چاہتی تھی...... مگر اس دن وہ خود طوفانوں سے گزر رہی تھی۔ اس نے ماں کی پرواہ نہیں کی تھی۔ غور سے اپنی ماں کا چہرہ نہیں دیکھا تھا۔ ماں کے ٹوٹے ہوئے لہجے پر غور نہیں کیا تھا۔ ماں کی بجھتی آنکھیں صاف کہہ رہی تھیں۔ ذرا کی ذرا رک کر مجھے غور سے دیکھ لو! پھر میں نہیں ہوں گی۔ ضعیف مائیں خزاں زدہ زرد پتے کی طرح ہوتی ہیں۔ شاخ کے ساتھ لگا رہے تب بھی کانپتا رہتا ہے...... نظریں اس پر جمائے رکھو تو بھی گرتے وقت پتہ نہیں لگنے دیتا...... ڈھیر سارے دکھ...... ڈھیر ساری محرومیاں...... ڈھیر سارے پچھتاوے رملی کی چیخوں سے نکلنے لگے۔

پتر...... بے جی نے اسے پیار سے تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ میں معاذ کو فون کر دوں۔ ہمیں جلدی پہنچنا چاہیے۔ رونے کو تو عمر پڑی ہے۔ اٹھ میری بچی تیار ہو جا......

رملی کو کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ مگر دھندلائی آنکھوں سے وہ کھڑی ہو گئی......

اور پھر اپنی آنکھوں سے وہ سب دیکھا جس کا کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔ پتہ نہیں پھوباجی کو دیکھ کر رملی کے ضبط کے بند کیوں ٹوٹ گئے۔ دونوں بہنیں گلے لگ کر کتنی دیر تک روتی رہیں۔

آج رملی کو سمجھ آئی کہ غم کیا ہوتا ہے۔ اور ہجوم غم میں کسی غمگسار کی ضرورت کیوں محسوس ہوتی ہے۔ اور پھر جب بھری دنیا میں ماں بھی اٹھ کے چل دیتی ہے۔ تو تنہائی کا احساس کس طرح گھائل کر کے رکھ دیتا ہے۔

پتہ نہیں کس طرح گھڑیاں جلدی جلدی بیت گئیں۔ اور پھر جب سب لوگ امی جان کو ان کے آخری منزل پہ چھوڑ کر آ گئے...... تو سارے گھر نے اداسیوں کی چادر اوڑھ لی۔ ایسے میں جب سارے گھر والے رو رو کر بے دم ہو رہے تھے، شان بھائی گھر کے اندر داخل ہوئے اور انہوں نے روتی ہوئی کسری باجی کو اشارے سے بلایا۔ رملی نے اپنی سوجی ہوئی آنکھیں شان بھائی کے چہرے پر گاڑ دیں۔ ان کے چہرے پر سفا کی اور تختی تھی۔ جیسے کوئی انتہائی ناخوشگوار فرض ادا کر کے آئے ہوں۔ کسری باجی ان کے اشارے پر یوں بھاگ کر گئیں جیسے ان کے اشارے کی غلام ہوں۔ شان بھائی نے انہیں کچھ کہا۔ اور کچھ باجی جو رو رو کر بے حال ہو رہی تھیں، آنکھیں صاف کر کے باورچی خانے کے اندر چلی گئیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ چائے کا ٹرے پکڑے باہر نکلیں۔ اور اس کمرے میں چلی گئیں جہاں شان بھائی بیٹھے تھے۔ رملی کو جانے کیوں اختلاج ہونے لگا۔ عورتوں کے ہجوم

For more visit (exponovels.com)

سے اٹھ کر وہ بھی اندر آ گئی اندر آ کر دیکھا شان بھائی بڑی شان سے نیم دراز تھے اور باقاعدہ سگریٹ پی رہے تھے۔ اور پھو باجی پیالی میں چائے بنا کر دے رہی تھیں۔ رملی نے انہیں غور سے دیکھا اور پھر مروت کے مارے سلام کر دیا۔ انہوں نے اشارے سے سلام کا جواب دیا۔ اور کچھ بھی نہیں کہا...... نہ امی جان کا افسوس کیا نہ تسلی کے دو بول کہے۔ بلکہ جلدی سے چائے کی پیالی پکڑ لی اور پینے لگے۔ رملی دل پکڑ کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔ اور بڑی حسرت سے پھو باجی کی مرجھائی ہوئی شکل دیکھنے لگی۔

چائے پینے کے بعد شان بھائی ایک دم سے کھڑے ہو گئے۔ اور بولے۔

کسری میرا سوٹ کیس بند کرو میں واپس جا رہا ہوں۔

ابھی سے......؟ پھو باجی نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

کیوں اب کیا رہ گیا ہے......؟ انہوں نے اس طرح پوچھا جیسے کہہ رہے ہوں۔ تمہاری ماں کو دفنانے کے بعد دنیا میں کون سا کام رہ گیا ہے۔ اور میرا یہی احسان کیا کم ہے؟

ابھی تو ساری برادری بیٹھی ہے۔ پھو باجی نے آہستہ سے کہا۔

تو میں کیا کروں......؟ انہوں نے رعونت سے کہا۔ تمہاری برادری کو تو ابھی پلاؤ کا انتظار ہوگا۔ مگر میں اب اس بک بک سے گھبرا گیا ہوں۔ کل رات سے جاگ رہا ہوں۔ گھر جا کر آرام کروں گا۔

بس آج کی رات ٹھہر جاؤ شان...... پھو باجی نے لجاجت سے کہا۔ کل صبح بے شک چلے جانا۔

آج رات ٹھہر کر میں کیا کر لوں گا۔ انہوں نے غصے سے کہا۔ میں الٹی سیدھی رسموں کا قائل نہیں ہوں۔

لیکن سوئم پر آپ کا ہونا بہت ضروری ہے۔

سوئم تو پرسوں ہے۔ پرسوں دیکھا جائے گا۔

شان بھائی کھڑے ہو گئے اور خود ہی اپنا سوٹ کیس اٹھا کے کپڑے درست کرنے لگے۔

پھو باجی نے اس کے ہاتھ سے سوٹ کیس لے لیا۔ اور کپڑے ٹھیک کر کے لگانے لگیں۔

رملی یہ منظر نہ دیکھ سکی۔ اٹھ کر ایک دم باہر آ گئی۔ اسی وقت معاذ گھر کے اندر داخل ہوا۔ اس نے ابا جی کو سہارا دے رکھا تھا۔ انہیں لا کر ان کے کمرے میں لٹا دیا۔ اور جس وقت ان کے کمرے سے باہر نکلا تو شان بھائی اپنا سوٹ کیس اٹھا کر جا رہے تھے معاذ نے آگے بڑھ کر پوچھا......

For more visit (exponovels.com)

یار اتنی جلدی جا رہے ہو......؟

مگر شان بھائی نے کوئی جواب نہ دیا۔ رعونت سے گردن اٹھائی اور چلے گئے۔ رملی کو شان بھائی کے اس انداز پر بے حد غصہ آیا...... پتہ نہیں اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہیں جیسا بھی ہے معاذ اس کا شوہر ہے اور انہیں اس کے ساتھ عزت سے پیش آنا چاہیے۔ پتہ نہیں کس بات کا غرور ہے انہیں......؟

شان بھائی کے جانے کے بعد پھوپا جی پھر آ کر عورتوں میں بیٹھ گئیں اور زار و قطار رونے لگیں۔

سب عورتوں آگے بڑھ کر انہیں تسلی دینے لگیں...... ان کی صورت دیکھ کر رملی نے بھی دوبارہ رونا شروع کر دیا...... اب پورے ہجوم میں صرف پھوپا جی اور رملی رہ رہی تھیں اور ساری رشتہ دار عورتیں بلائیں لے لے کر انہیں چپ کرا رہی تھیں۔ روتے روتے رملی کو خیال آیا۔ ماں کا دکھ تو اپنی جگہ ہے اور اس دکھ کو عذر دے کر وہ دونوں اپنے اپنے دکھوں کو رو رہی تھیں۔ ماں تو انہیں رونے کا بہانہ دے گئی تھی۔ اب کون جانے کہ کس کس زخم کے ٹانکے کھل گئے تھے۔ اک ذرا دردی ہوا چلتی ہے تو محرومیوں کے کئی دریچے وا ہوا جاتے ہیں۔ عورتیں اپنے دکھ اپنی جھولیوں میں بھر کے یونہی بوجھل بوجھل پھرتی رہتی ہیں۔ پھر اک دن......کوئی سا بہانہ بنا کے اپنے اپنے آنسو بہا دیتی ہیں۔ کون کسی کے لئے روتا ہے......؟ ہر کوئی اپنے لئے روتا ہے ہر کوئی رونے کا بہانہ ڈھونڈتا ہے۔ ہر کوئی آنکھوں میں ندیاں چھپائے پھرتا ہے۔

رملی روتی روتی تھک گئی اور غور سے معاذ کا چہرہ دیکھنے لگی۔ آج پہلی بار سے معاذ کا چہرہ بالکل بدصورت نہیں لگا تھا۔ وہ کتنا اچھا لگ رہا تھا اسے...... ہمدردی اور محبت کی تصویر بنا ہوا۔ ہر ایک سے جھک جھک کے انکساری سے مل رہا تھا...... ہر ایک کو تسلی دے رہا تھا۔ سارے گھر کو اپنے بازوؤں میں لے لینا چاہتا تھا۔ اور اسی طرح بے جی بھی محبت اور مروت کی تصویر بنی ہوئی سب بہنوں کو باری باری پیار کر رہی تھیں۔ رملی کے آنسو اس کے رخساروں پر ٹھٹک گئے۔ اور وہ سوچنے لگی۔ جینے کے لئے انسانی ہمدردی درکار ہے۔ یا حسن یوسف کی ضرورت ہے......؟

اس بات کی سمجھ اسے سوئم کے روز آئی کیونکہ وہ دیکھ رہی تھی کہ شان بھائی کے جانے کے بعد پھوپا جی کی حالت نیم بسمل سی ہو گئی تھی۔ ہر رشتے دار استفسار کر رہا تھا کہ تیرا شوہر اتنی جلدی کیوں چلا گیا......؟ اور ہر رشتے دار کے آگے وہ بیچاری کوئی عذر تراش کے رکھ دیتی۔ کسی کو کہتی ان کی طبیعت بہت خراب تھی۔ کسی سے کہتی کل سے انہیں شدید بخار تھا...... کسی سے کہتی اشد ضروری میٹنگ تھی۔ مگر وہ یہ بات کسی کو نہ بتا سکی کہ اس کا خوبصورت شوہر یہاں ایک پل ٹھہرنے کا روادار نہیں تھا۔ اور پتہ نہیں وہ اسے کس طرح منت سماجت کر کے ساتھ لائی تھی۔

وہ دن پھوپا جی شان بھائی کو چپکے چپکے فون کر کے اصرار کرتی رہیں کہ وہ سوئم کے روز ضرور آ جائیں۔ پھر آخر وقت تک راہ دیکھتی رہیں۔ مگر وہ نہیں آئے۔ باہر عورتوں کے درمیان بیٹھی بظاہر وہ گٹھلیوں پر کلمہ طیبہ پڑھ رہی تھیں مگر نظر بار بار دروازے پر لگی تھی۔ کسی موٹر کی آواز آتی تو

For more visit (exponovels.com)

منتظر ہو بیٹھتیں کہ جیسے ابھی کوئی آ کے بتائے گا شان بھائی آ گئے ...... مگر شان بھائی نہیں آئے۔ پھر ہتھیلیوں کے ساتھ ساتھ ان کے آنسو سفید چادر پر گرنے لگتے اور وہ سوچتیں۔ یہ کیسا رشتہ ہے خدایا کہ دنیا داری کی خاطر بھی شوہر بیوی کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ بعض عورتیں ایسے میں کچو کے لگانے سے باز نہیں آتیں۔ اور جو کوئی منہ پھیر کے پوچھ لیتی ......

اے تیرا شوہر آج بھی نہیں آیا......

تو وہ اپنی گیلی پلکیں جھکا کر پھر من گھڑت کہانیاں انہیں سنانے لگتیں۔ کہ چھٹی نہیں مل سکی۔ دفتر میں ایک ضروری میٹنگ تھی وغیرہ وغیرہ......

تب رملی نے سوچا ساری نیک عورتیں تمام عمر اپنے شوہروں پر پردے ڈالتی رہتی ہیں۔ پتہ نہیں کیوں......؟ میکے آ کر صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتیں کہ آپ نے جو شوہر مجھے ڈھونڈ کر دیا تھا وہ نہ میرے میکے آنا پسند کرتا ہے اور نہ میکے کے رشتہ داروں سے ملنا پسند کرتا ہے۔

مگر آپ کا دیا ہوا تحفہ ہے۔ اس لئے میں نے کلیجے سے لگا کر رکھا ہوا ہے۔

اسی رات شان بھائی کا فون آ گیا۔ انہوں نے کسری باجی کو حکم دیا کہ وہ علی الصبح پنڈی کے لئے روانہ ہو جائیں۔ کسری باجی نے بہت کہا۔ مگر انہوں نے ایک نہ مانی۔ پتہ نہیں انہوں نے فون پر اور کیا کہا کہ کسری باجی اپنا سامان سمیٹنے لگیں۔ دوسری صبح جاتے ہوئے وہ بلک بلک کر رو رہی تھیں۔ وہ یہاں سوا مہینہ رہنا چاہتی تھیں۔ ایک بڑا صندوق کپڑوں کا بھر کر لائی تھیں۔ مگر انہیں اب ماں کے گھر رہنے کی اجازت نہ تھی ...... انہیں رونے اور دل کی بھڑاس نکالنے کی اجازت نہ تھی۔ اس لئے وہ چلی گئیں اور جاتے جاتے رملی کی آنکھیں بھی کھول گئیں۔

تھوڑی دیر بعد بے جی اور معاذ نے گھر جانے کی اجازت چاہی تو رملی بے اختیار بولی۔

آج میں بھی گھر چلوں گی بے جی۔ کل پھر آ جاؤں گی۔

ابھی تم رہو وہیں ...... بے جی نے پیار سے کہا۔ تمہارے سارے رشتہ دار یہیں ہیں۔

نہیں بے جی میرا جی کچھ اچھا نہیں۔ یہاں تو رات کو ایک پل بھی نیند نہیں آتی۔ آج گھر جا کے اطمینان سے سو جاؤں گی۔ کل صبح آ جاؤں گی۔ اور پھر معوذ بھی آپ کو تنگ کرتا ہوگا۔

معاذ چپ چاپ کھڑا ساس اور بہو کا مکالمہ سنتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد رملی بھی آ کر موٹر میں بیٹھ گئی،

جس وقت رملی اپنے بیڈروم میں داخل ہوئی۔ اس کے ذہن پر پھوپھو باجی کا اداس مرجھایا ہوا اور رنجیدہ چہرہ تھا۔ لڑکیاں کتنی مجبور ہوتی ہیں وہ دل میں سوچ رہی تھی۔ اور اب اسے سمجھ آ رہی تھی کہ شوہر کا گھر اتنی جلد چھوڑ دینا کوئی آسان بات نہیں ہے اور اولاد کتنی بڑی مجبوری ہوتی ہے۔

exponovels

اور جب معاذ اس کے کمرے میں آیا۔ تو بے اختیار بولی۔

یہ جوشان بھائی ہیں نا؟ بڑے عجیب آدمی ہیں۔ معاذ نے حیران ہو کر رملی کی طرف دیکھا۔

تو جو کچھ شان بھائی نے ان دنوں کیا تھا۔ رملی نے سب کہہ سنایا۔ غالباً پہلی مرتبہ وہ معاذ سے بیویوں والے انداز میں کوئی ذاتی بات کہہ رہی تھی۔

اور معاذ برابر اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

ساری بات سنا کر آخر میں بولی۔

آخر اتنا غرور کیوں ہے شان بھائی کو اپنے آپ پر...... مرد کا خوبصورت ہونا ہی تو ایک خوبی نہیں......

معاذ ذرا مسکرایا۔

رملی اپنے ہی فقرے سے چونک گئی۔ کب...... کس وقت...... کس نے یہ فقرہ اس کے ذہن میں ڈالا تھا......؟ یہ فقرہ شاید اندر سے اگا تھا اور اس فقرے کو اندر اگانے کے لئے وہ کتنے مرحلوں سے گزری تھی۔ رملی نے خود ہی شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا۔

سر جھکایا تو معاذ کے رویے پر غور کرنے لگی......

معاذ تب سے خاموش تھا مگر اور ہی طرح خاموش تھا؟

کتنی باتوں کا احساس جاگا۔ وہ سر جھکا کے آنسو بہانے لگی۔ اسی وقت بے جی موجو کو تھامے ہوئے اندر آئیں۔

ہائے وہ بچی تو پھر رو رہی ہے۔ انہوں نے قریب آ کر اسے چمکارا۔ رات کے وقت نہیں روتے مرنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

(جو جیتے جی مر گئے ہوں بے جی...... وہ رات کے وقت کیا کریں...... کہ رات ہی تو دراک بن کر آتی ہے۔)

رملی سسکیاں لینے لگی۔ معاذ اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

بے جی اس کے پاس بیٹھ گئیں۔

میں جانتی ہوں ماں کی کمی کبھی پوری نہیں ہو سکتی۔ ماں کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔ مگر پتر اب ان کے بغیر جینا سیکھ۔ اللہ بخشے بہت نیک تھی تیری ماں...... پڑھ پڑھ کر اسے ثواب پہنچایا کرو۔ اولاد کی طرف سے یہی تحفہ وہاں کام آتا ہے۔ آنسو بہا کر اپنے آپ کو بیمار کر لو گی۔ اور انہیں تکلیف پہنچاؤ گی۔

روتے روتے رملی نے اپنا چہرہ اٹھایا۔ اور پھٹ پڑی۔

بے جی آپ میری ماں بن جایئے۔ بی جی آپ میری ماں بن جایئے۔
میں تیری ماں ہی ہوں پگلی۔ بے جی نے اسے سینے سے لگا لیا۔
نہیں بے جی آپ میری غلطیاں معاف کرنے والی ماں بن جایئے۔ میں نے آپ کو کبھی نہیں بتایا کہ میں کیا کیا غلطیاں کرتی ہوں۔ کیا کیا بے ہودگیاں کرتی ہوں۔ اب میری ماں نہیں رہی۔ اب کون مجھے معاف کرے گا۔ آپ...... آپ میری ماں بن کے میری ہر غلطی کو معاف کر دیا کریں۔
معافیاں بتا کر نہیں دی جاتیں بیٹی...... بزرگوں کا کام چھوٹوں کو معاف کرنا ہے۔
اور بزرگ چپ چاپ یہ سب کرتے رہتے ہیں۔ آج کے بعد تو میری بیٹی ہی ہے۔ یہ کہہ کر بے جی نے رملی کو گلے سے لگا لیا۔

❁❁❁

رملی نے دھیرے سے دروازہ کھولا اور آ کے سامنے کھڑی ہو گئی۔ معاذ بڑے انہماک سے اپنا کام کر رہا تھا اور دھیمی موسیقی کمرے میں زندگی کا احساس دلا رہی تھی۔
رملی کو دیکھا تو معاذ نے پنسل ہاتھ سے رکھ دی۔ دوسرا ہاتھ بڑھا کے موسیقی بند کر دی۔
رملی عام طور پر کام کے دوران معاذ کی سٹڈی میں نہیں آیا کرتی تھی۔ آج اس کو یوں آتے دیکھا تو معاذ فکرمند سا ہو گیا۔
رملی آ تو گئی...... مگر آ کر ٹھٹک گئی۔ اس کا ارادہ بھی اندر آنے کا نہیں تھا۔ پتہ نہیں کون سی طاقت اسے کھینچ کر اندر لے آئی تھی۔ کتنے دنوں سے یہ ہو رہا تھا۔ وہ رات گئے تک بستر پر لیٹی ہلکی ہلکی موسیقی کی آوازیں سنتی اور کروٹیں بدلتی رہتی...... زندگی کے ورق اتنی جلدی پلٹ رہے تھے کہ ایک پل بھی سوچنے کی مہلت نہیں ملی تھی۔ اب جب زندگی میں ایک بار پھر ٹھہراؤ آ گیا تھا تو اچانک اسے اندازہ ہوا۔ انجانے میں جیون کی راہیں بدل گئی تھیں۔ گو ساتھی نہیں بدلے تھے۔ جب رملی کو بے ہوشی کے دورے پڑنے شروع ہوئے تھے۔ معاذ نے اپنا بستر سٹڈی میں لگا لیا تھا۔ وہیں سے راتوں کو اٹھ اٹھ کر رملی کو دیکھا کرتا تھا۔ یوں تو وہ ہمیشہ سے رات گئے تک اپنی سٹڈی میں بیٹھ کر کام کرنے کا عادی تھا۔ مگر وہ اپنی راتیں بھی وہیں بسر کرنے لگے گا۔ رملی نے کبھی سوچا بھی نہ تھا......
جن دنوں امی جان فوت ہوئیں۔ وہ ماڈل ٹاؤن آتی جاتی رہی۔ ابا جی شدید بیمار سے

For more visit (exponovels.com)

عجیب طرح زندگی کے ورق بکھرے رہے......

چاروں طرف سوائے پریشانیوں کے کچھ نہ تھا۔ اس لئے اسے معاذ کے رویے پر غور کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔ مگر معاذ کے رویے میں کوئی غیر معمولی تبدیلی آتی تو وہ غور بھی کرتی۔ وہ ہمیشہ کی طرح مستعد مشفق اور نرم خو تھا۔ امی جان کی فوتگی پر اس نے اس کے میکے والوں کی جس طرح دلدہی کی تھی اور ابا جی کو جس طرح سہارا دیا تھا، سارا زمانہ عش عش کر رہا تھا۔ روز ایک ڈاکٹر لے کر جاتا۔ رات گئے تک وہاں بیٹھا رہتا۔ جب رملی میکے جانا چاہتی فوراً لے کر پہنچ جاتا۔ اس کی بہنوں کی بے حد عزت کرتا۔ اب تو رملی کی آنکھیں کھل چکی تھیں۔ اب وہ انسانوں کا فرق جان چکی تھی۔ اب وہ معاذ کی منفرد طبیعت کو سمجھ رہی تھی۔ اب اسے پتہ چل رہا تھا کہ مرد مرد میں بھی فرق ہوتا ہے...... مگر اس ادراک کی تہہ میں ایک خلش بھی تھی۔ آخر کچھ جاننے کے لئے کچھ لٹانا کیوں ضروری ہوتا ہے۔ دنیا میں ہر شے کی کوئی قیمت کیوں ہے......؟

لیکن آج جانے کس جذبے کے تحت اٹھی...... اور ایک دم دروازہ کھول کے اس کے سامنے کھڑی ہوگئی۔ معاذ نے جب موسیقی بند کر کے استفسارانہ انداز میں اس کی جانب دیکھا تو اس کے اوسان خطا ہوگئے۔ جو کچھ سوچ کر آئی تھی ذہن سے نکل گیا۔

تھوڑی دیر معاذ اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ جب وہ کچھ نہیں بولی تو پھر خود ہی پوچھا۔

خیریت......؟

جی...... رملی شرمندہ سی ہوگئی۔

بہت دیر ہوگئی آپ کو کام کرتے ہوئے۔ چائے یا کافی کی ضرورت ہو تو لا دوں؟

معاذ زور سے ہنس پڑا۔

بہت دن ہو گئے مجھے اس طرح کام کرتے ہوئے۔ تم نے پہلے کبھی چائے یا کافی کا نہیں پوچھا تھا؟

رملی اپنے ہونٹ کاٹنے لگی۔ معاذ نے بالکل سادگی سے یہ بات پوچھی تھی۔ مگر رملی کو نہ ہونے کیوں یہ سب طنز لگا۔

اسے چپ دیکھ کر معاذ خود ہی بولا۔

نہیں رملی تمہارا شکریہ...... میں کام کرتے وقت کچھ بھی کھانا پینا پسند نہیں کرتا۔

کس قدر کھردرا انداز تھا۔ شکریہ ادا کرنے کا۔ اس انداز میں نری غیریت تھی۔ رملی دکھ کے اندھیرے میں اترتی گئی۔ مگر نہ جانے کیوں وہیں کھڑی رہی......

وہاں کھڑے ہونے کا کوئی جواز نہ تھا۔ اور جو بات کہنے آئی تھی۔ اس کو کوشش کے کہہ نہ پا رہی تھی۔ معاذ پھر جھک کے کام کرنے لگا اور وہ کمرے کا

For more visit (exponovels.com)

جائزہ لینے لگی۔ اس کمرے میں ہمیشہ ایک دیوان پڑا رہتا تھا۔ جس پر لیٹ کر کبھی کبھار معاذ مطالعہ کرتا تھا۔ اب اسی دیوان پر معاذ نے اپنا بستر لگا رکھا تھا۔

رملی اپنے آپ کو ملامت کرنے لگی۔ اتنی ہمت کر کے آ تو گئی تھی۔ مگر آگے بات نہیں چلائی جا رہی تھی۔ اگر ان دو سالوں میں معاذ سے کھل کر بولنے اور لڑنے کی عادت پڑ جاتی تو کم از کم اس وقت لڑ کر ہی دل کی بھڑاس نکال لیتی۔ مگر اسے تو لڑنے کا ڈھنگ بھی نہیں آتا تھا۔ اور لڑتی بھی تو کیسے؟ معاذ تو لڑائی کا موقع ہی نہ دیتا تھا۔

کافی دیر بعد جب معاذ نے سر اٹھایا تو وہ وہیں دروازے پر جمی تھی۔ معاذ کے کچھ پوچھنے سے پہلے بولنا چاہا......

آپ......آپ......وہ ہکلائی......آپ اب اس کمرے میں سویا کریں گے؟

ہاں......معاذ نے سر جھکا لیا۔ آج کل کام بہت زیادہ ہوتا ہے۔

پہلے بھی جب کام زیادہ ہوتا تھا۔ آپ کام ختم کر کے ادھر آ جاتے تھے۔

معاذ نے اپنی تیز نظریں رملی کے چہرے پر گاڑ دیں اور یک ٹک اسے دیکھنے لگا وہ ہونٹ کاٹنے لگی۔

پہلے مجھے بہت سی باتوں کا پتہ نہیں تھا۔

رملی کا دل دھڑکنے لگا۔ معاذ سر جھکا کے پھر سے لکیریں کھینچنے لگا۔ رملی دلیز پکڑے کھڑی رہ گئی۔

آپ......تھوڑی دیر بعد وہ ہمت کر کے بولی آپ......مجھ سے ابھی تک خفا ہیں۔

نہیں......معاذ نے اپنا سر پھر اٹھایا۔ خفا نہیں ہوں رملی۔ تمہاری عمر کی لڑکیوں سے ایسی غلطیاں ہو ہی جاتی ہیں۔ ابھی تمہاری عمر کیا ہے......؟ رفتہ رفتہ زندگی کو سمجھ جاؤ گی۔

میں تمہیں زندگی کو سمجھنے کا وقت دینا چاہتا ہوں۔ میں جلد باز آدمی نہیں ہوں۔ مگر......وہ ذرا رکا۔ پھر گویا ہوا۔ یہ جان کر کہ تم مجھے پسند نہیں کرتی ہو، میں تمہارے قریب نہیں آنا چاہتا۔ خواہ مخواہ تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا۔ جتنا تنگ کیا وہ لاعلمی میں کیا......

رملی کے گلے میں پھر ایک گولا سا اٹک گیا۔ اس نے بے اختیار ہو کر کچھ کہنا چاہا۔ مگر کچھ بھی نہ کہہ سکی۔

اگر گلے میں گرداب بن جائے تو آنکھوں میں بے اختیار پانی امنڈ آتا ہے۔ یہ انسان کی بے بسی کی انتہا ہوتی ہے۔ وہ دروازہ پکڑے کھڑی رہی کہنا چاہتی تھی......

exponovels

مجھے عقل کی لاٹھی تھما کے خود انجان بننا چاہتے ہو۔ بے نیاز بننے کی کوشش کر رہے ہو۔

(بے نیاز اور انجان تو تو بھی بنی رہی رملی ......)

مگر اس کے ہاتھ لرزتے رہے۔ رنگ اڑتا رہا۔ دل دھڑکتا رہا۔ اور وہ دروازہ پکڑ کے کھڑی رہی......

دو صورتیں اس کے سامنے تھیں۔ آگے بڑھ کے میز کے اوپر بیٹھ جاتی۔ اس کے گھنے بالوں والا جھکا ہوا سر بالوں سے پکڑ کے اٹھا دیتی۔ اور بے اختیار اسے اپنے کلیجے سے لگا لیتی۔ اور کہتی...... محبت کرنے کے انداز مجھے نہیں آتے تھے۔

انسانوں کی شناخت مجھے نہیں تھی۔

اور بعض دفعہ بینائی درست کرنے کے لئے ایک آپریشن کی ضرورت ہوتی ہے۔

یا پھر آگے بڑھ کے...... اپنا سر اس کے قدموں پر رکھ دیتی۔ اور کہتی......

عورت کی زبان نہیں ہوتی......

عورت کسی زبان میں اظہار محبت نہیں کر سکتی......

عورت ساری زندگی جس مرد کے لئے مرتی جیتی رہتی ہے...... ٹوٹتی پھوٹتی رہتی ہے...... زمانے کے ستم سہتی ہے...... اس سے ساری زندگی یہ نہیں کہہ سکتی کہ وہ اس سے محبت کرتی ہے۔ عورت کے محبت کرنے کے انداز مبہم ہوتے ہیں......

آنسوؤں کی رم جھم میں مسکراتے رہنا اور بھری بہار میں اپنا دل چیر کے رکھ دینا عورت کی محبت کے ادنیٰ سے انداز ہیں۔

یہی تو اس کی ریت ہے۔

بہت دکھی ہو تو رو پڑتی ہے۔

بہت خوش ہو تو اپنا آپ پیش کرتی ہے۔

❁❁❁

تم تیار ہو وحشی......؟ بے جی نے آ کے رملی کے کمرے میں جھانکا

For more visit (exponovels.com)

exponovels

جی بے جی......

رملی موجو کے کپڑوں کی ٹوکری اٹھا کر باہر آ گئی۔ بے جی نے سارا سامان برآمدے میں رکھ چھوڑا تھا۔ اسی وقت موٹر پورچ میں کھڑی کر کے معاذ باہر نکل آیا اور نوکر کی مدد سے سامان ڈگی میں رکھنے لگا۔

آج رملی بے جی اور معاذ کے ساتھ پہلی بار ان کے گاؤں جا رہی تھیں۔ اس نے بے جی سے ان کے گاؤں کے بہت قصے سن رکھے تھے۔ ایک آدھ بار معاذ بھی بے جی کے ساتھ گاؤں گیا تھا، مگر رملی کو تو نہ ان کے ساتھ جانے کا شوق تھا اور نہ گاؤں دیکھنے کا......پچھلے ہفتے بے جی نے رملی کو بتایا کہ ان کا ایک ہی بھائی ہے اور اس کے بیٹے کی شادی پر انہوں نے گاؤں جانا ہے، تو رملی بھی تیار ہو گئی۔ کہنے لگی۔ بے جی مجھے آپ کے گاؤں جانے کا بہت شوق ہے۔ پلیز مجھے بھی ساتھ لے چلیں......

معاذ نے سنا تو اس سے آ کر کہنے لگا۔

رملی تم گاؤں میں رہ لوگی۔

رملی نے بڑی شفقت سے نظر اٹھائی اور مسکرا کر بولی۔ کیوں نہ رہ لوں گی۔

گاؤں میں کیا ہوتا ہے۔

گاؤں میں شہری سہولتیں نہیں ہوتیں۔

مگر وہاں بے جی اور آپ تو ہوں گے......؟

کہنے کو تو رملی نے کہہ دیا۔ مگر ایک دم اس کا منہ سرخ ہو گیا۔ پھر جلدی سے بولی۔ ہم کون سا ساری عمر رہنے کے لئے جا رہے ہیں۔ چند دنوں کی تو بات ہے۔ اس کے بعد معاذ نے کچھ نہیں کہا۔ باہر نکل گیا۔ رملی کا دل چاہ رہا تھا وہ پہلے کی طرح کوئی شوخ سا فقرہ کہے۔ پہلے معاذ کو رملی کے ساتھ سفر پر جانے کا بہت شوق تھا۔ سفر میں بہت خوش باش اور ہلکا پھلکا ہوتا تھا۔ جب کہ عام مرد سفر میں چڑچڑے اور تھکے تھکے سے لگتے ہیں۔ ایک سفر اس نے چنڈی کا معاذ کے ساتھ کیا تھا اور اس کی طبیعت کی جولانیاں دیکھی تھیں۔ اب وہ چاہتی تھی۔ اس کے ساتھ جانے کا سن کے معاذ پہلے کی طرح خوشی سے پھولا نہ سمائے کبھی ادھر سے آ کے اسے چھیڑے کبھی ادھر سے آ کے کوئی شوخ سا فقرہ کہے۔ اور نہیں تو اس سے اتنا ہی پوچھ لے کہ اب تم اتنی لگن سے میرے ساتھ کیوں جا رہی ہو۔ مگر معاذ نے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ جیسے وہ اس کی ہر خوشی کے آگے بس سر ہی جھکانا جانتا ہے۔

معاذ نے سارا سامان لگا دیا۔ بے جی موجو کو لے کر سیٹ پر بیٹھ گئیں۔ رملی معاذ کے ساتھ اگلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اور دن کے ٹھیک گیارہ بجے وہ لوگ گھر

exponovels

سے روانہ ہوئے۔

راستہ خاموشی سے کٹتا رہا۔ کسی وقت بے جی اپنی زمینوں کے بارے میں معاذ سے کوئی بات کر لیتیں یا موجو چیختے چلانے لگتا۔ کبھی اسے پکڑ کے رملی اپنی گود میں بٹھا لیتی۔ اور جب وہ سٹیئرنگ کو چھیڑ چھیڑ کے معاذ کو تنگ کرنے لگتا تو پھر اسے بے جی کو پکڑا دیتی......

تھوڑی دیر کے بعد موجو نے بری طرح چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ جب وہ بہت زیادہ مچلنے لگا تو رملی نے اسے گود میں بٹھا لیا۔ محسوس کیا تو اس کے کپڑے گیلے ہو رہے تھے۔ اس لئے معاذ کی طرف چہرہ کر کے بولی۔

کسی مناسب جگہ پر جہاں پانی بھی ہو روکیے گا۔ اس نے چھی کر دی ہے۔ اور جب تک اسے دھوؤں گی نہیں تو اسے چین نہیں آئے گا......

معاذ نے صرف سر ہلایا اور موٹر چلتی رہی۔

پھر ایک جگہ معاذ نے موٹر آہستہ کر دی اور سڑک کے کچے کنارے پر موٹر کھڑی کر کے بولا۔

وہ سامنے نلکا ہے۔ جاؤ معوذ کو لے جاؤ اور اس اسے صاف کراؤ......

رملی نے مچلتے ہوئے معوذ کو پکڑا اور موٹر کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ قدم بڑھائے پھر ایک دم جھجک گئی۔ موٹر کے کچھ فاصلے پر بہت سے لوگ کھڑے تھے۔ اور جو دور دور تھے وہ بھی موٹر میں سے ایک خوبصورت عورت کو نکلتے دیکھ کر قریب کھسک آئے تھے۔

دھوتیوں والے، شلواروں والے۔ صافے بندھے ہوئے، بے باک منہ پھٹ اور اجڈ قسم کے لوگ جن کی آنکھیں ہمہ وقت ان کے اندر کے جذبے اگلتی رہتی ہیں۔ پڑھے لکھے لوگوں کی طرح وہ اپنے باطن کا جانور چھپانے میں ماہر نہیں ہوتے۔ اس لئے سڑکوں پر کھڑے ہو کر مختلف انداز میں اظہار تمنا کرتے رہتے ہیں۔

ایک نے رملی کو اس طرف آتے دیکھا تو دونوں ہاتھوں سے...... دل کو تھام لیا۔

دوسرا بولا "یار ذرا سگریٹ تو دینا۔ بڑی طلب ہو رہی ہے۔"

تیسرے نے نگاہیں تو رملی کے چہرے پر رکھیں۔ مگر زور سے بولا۔

"رات والی فلم دیکھی ہے۔ بھئی بڑی ظالم شے ہے۔"

پھر سب ٹھٹھا لگا کے ہنسنے لگے۔

رملی قریب سے گزری۔ تو ایک آدمی خواہ مخواہ دوسرے سے بغلگیر ہو گیا اور ہنس کر بولا

exponovels

کلیجے میں ٹھنڈ ڈال دی ہے۔

رملی نے قدم بڑھائے......

پھر ایک بولا۔ ہٹ جا رستے سے......

دوسرے نے کہا......

میں صدقے جانواں سارا رستہ ہی تیرا ہے۔

رملی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے بڑی بے بسی سے مڑ کر اپنی موٹر کی جانب دیکھا۔

معاذ اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

ان بے ہودہ اور بدتمیز لوگوں کے ہجوم میں سے گزر کر ان تک جانا اس کے لئے مشکل ہو گیا تھا۔ ہر عورت کسی کی ماں کسی کی بہن کسی کی بیوی ہوتی ہے اور ہر مرد کے گھر کوئی ماں بہن کوئی بیٹی ہوتی ہے۔ پھر بھی جب ان کو سرراہ کوئی عورت نظر آ جاتی ہے تو اسے نظروں ہی نظروں میں کھا جانا چاہتے ہیں۔ جیسے وہ نہ کسی کی عزت ہے نہ کسی کی لاج...... رملی نے بڑے کرب سے سوچا...... اس کا ایک ایک قدم من من کا ہو رہا تھا۔ اس پر موجو سخت بے قرار تھا۔ اور بار بار اس کی گود سے پھسل رہا تھا۔

اسی وقت جیسے رملی کی بے بسی کو بھانپ کر معاذ بل کھا کر موٹر سے نکلا۔ اس کے ہاتھ میں تولیہ پکڑا ہوا تھا۔ جو بے جی نے اسے تھمایا تھا۔ لپک کر رملی کی طرف بڑھا۔ معاذ کو آتا دیکھ کر سب مرد جو کھڑے اسے نظروں سے دیکھ رہے تھے ادھر ادھر ہو گئے بلکہ دبک گئے۔ معاذ تیز تیز قدم اٹھاتا اس کے برابر آ گیا۔ رملی کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ چلچلاتی دھوپ میں ننگے سر جا رہی تھی اور اچانک ایک ٹھنڈا میٹھا سائباں اس کے سر پر آ گیا ہے۔ معاذ نے ابھی تک کالی عینک لگائی ہوئی تھی۔ گرمی کی وجہ سے اس کا چہرہ تمتمایا ہوا تھا۔ وہ کالا کلوٹا آدمی جسے اس نے کبھی قابل التفات نہ جانا تھا، اس کے ساتھ قدم ملا کے چلنے لگا تو زمانے کی ہوس ناک نگاہیں پیچھے ہٹ گئیں۔ معاذ کے چہرے پر سختی تھی۔ اس کے قدموں میں وزن تھا۔ وہ اس کے پہلو میں ایسے چل رہا تھا۔ جیسے کسی عورت کا مالک چلتا ہے۔ سارے مالکانہ غرور کے ساتھ کہ دیکھو یہ میری عزت ہے اور میں اس کی حفاظت کرنا خوب جانتا ہوں۔

رملی بے خوف ہو گئی۔

شوہر آسمان ہوتا ہے بیوی زمین ہوتی ہے۔ ہر زمین کا ایک آسمان ہوتا ہے۔ اور کوئی زمین آسمان کے بغیر نہیں ہے۔ زمین و آسمان کا جنم جنم کا ناتا ہے۔ زمین و آسمان کا نام ساتھ ساتھ آتا ہے۔ زمین جب نرم اور بھری بھری ہو جاتی ہے تو آسمان اس پر جھک آتا ہے۔ کیا آسمان کی حقیقت سے

For more visit (exponovels.com)

انکار کیا جا سکتا ہے......؟

رملی نے معوذ کے کپڑے اتار کرا سے کھڑا کر دیا تو معاذ دوسری طرف سے آ کر ہینڈ پمپ چلانے لگا۔اس وقت وہ صرف ایک باپ تھا۔ایک عورت کا شوہر تھا۔اس کے چہرے سے بالکل یہ ظاہر نہ ہو رہا تھا کہ وہ ایک ذہین وفطین بہت بڑا افسر ہے اور کئی لوگ دن میں اسے کئی بار سلام کرتے ہیں۔

رملی نے معوذ کی ٹانگیں اچھی طرح دھو کرا سے تولیے میں لپیٹا اور معاذ کی طرف بڑھا دیا۔

معاذ نے لپک کرا سے پکڑ لیا۔اور پھر اس کے گیلے گیلے منہ پر بے اختیار پیار کر لیا۔عجیب چیز ہے یہ بچہ بھی......

انسانوں کو انسان بنائے رکھنے کا ایک سبب......

معاذ موجو کو لے کر موٹر کی طرف چلا گیا۔اور رملی نے بہتر سمجھا کہ اس کا گندہ نیپکن دھو کر ہی جائے۔اس لئے وہ ایک ہاتھ سے نل چلاتی رہی اور دوسرے ہاتھ سے دھوتی رہی......

اور عجیب بات یہ ہوئی کہ کسی بھی واہیات مرد نے ادھر ادھر سے آ کر نہ اسے جھانکا نہ اس پر آوازہ کسا...... چند قدم اس کے ساتھ چل کر معاذ انہیں بتا گیا تھا کہ اس عورت کا میں کون ہوں......؟

ایک دم رملی کے دل میں پرانے درد جمع ہونے لگے۔

ٹھیک ہی تو ہوا تھا اس کے ساتھ...... اگر بیوی شوہر کو شوہر نہ جانے تو ہر بدنیت قریب آنے کی کوشش کرتا ہے۔کسی کی عزت کی حفاظت کوئی اور کیوں کرے......؟ اور عورت اتنی ہلکی کیوں ہو جائے کہ جو بھی چاہے ہاتھ بڑھا کر اٹھا لے......

رملی واپس آ کر موٹر میں بیٹھ گئی۔

اس کے دل پر انجانی اداسیوں کا مینہ برسنے لگا۔اداسیوں میں پچھتاوے بھی شامل تھے۔

چار گھنٹے کی مسلسل ڈرائیونگ کے بعد حبیب نگر کی حدود شروع ہو گئیں۔ہر طرف لہلہاتے کھیت اور کچی پگڈنڈیاں دیکھ کر رملی کی طبیعت ایک دم بشاش ہو گئی۔سامنے ایک بورڈ پر بڑے بڑے حروف میں لکھا تھا۔حبیب نگر۔

بے جی......رملی نے اک دم سر موڑ کر پوچھا۔

اس گاؤں کا نام بہت خوبصورت ہے۔کس نے رکھا تھا یہ نام......؟

بے جی صرف مسکرائیں۔مگر جواب معاذ نے دیا۔بڑی نرم آواز میں بولا۔

For more visit (exponovels.com)

یہ نام ہمارے والد بزرگوار نے رکھا تھا......

اس نے ایک کچا موڑ کاٹا تو ساری دھول اڑ کے موٹر کا طواف کرنے لگی۔ ذرا آگے موٹر نکال کے وہ پھر بولا۔ ہمارے والد صاحب بڑے رومانٹک آدمی تھے۔ یہ گاؤں انہوں نے خود آباد کیا تھا۔ ورنہ اس سے پہلے تو یہ نرا جنگل تھا۔ تمہیں معلوم ہے۔ بے جی کا نام حبیبہ ہے......؟

معاذ نے رملی کی طرف دیکھ کر کہا۔

اچھا اچھا......رملی کو جیسے ساری بات سمجھ میں آ گئی۔ بے جی نے شرما کر سر جھکا لیا۔

ہمارے ابا جی نے شادی کے بعد یہ گاؤں آباد کیا۔ اور اس کا نام حبیب نگر رکھ کر بے جی کو تحفے میں دے دیا تھا۔

رملی نے مڑ کر دیکھا۔ بے جی کا چہرہ ایک دم بجھ گیا تھا۔ ماضی کی یادوں نے شاید ان پر یلغار کر دی تھی۔ وہ بڑی حسرت سے موٹر سے باہر دیکھ رہی تھیں۔ ان کی بجھی آنکھوں میں ننھے ننھے ستارے ٹمٹما رہے تھے...... معوذ دودھ پی کے ان کی گود میں سو گیا تھا۔ پھر ایک بوجھل سی خاموشی چھا گئی جسے توڑنے کی کسی نے بھی کوشش نہیں کی۔

اسی وقت آسمان پر اچانک کالے کالے اور مٹیالے بادل نمودار ہوئے۔ سورج پردے میں آ گیا۔ اور سارا ماحول شرمیلا شرمیلا ہو گیا۔ عین دوپہر کے وقت سورج کے چھپ جانے سے سارا ماحول اچانک شرمیلا شرمیلا ہو جائے تو سرکش تمنائیں جاگ اٹھتی ہیں اندر کی آرزو بیدار ہوتی ہے۔

اب موٹر کھیتوں کے بیچوں بیچ کچی سڑک پر جا رہی تھیں۔ اس لئے دھچکے زیادہ لگ رہے تھے۔

رملی نے ماحول کو محسوس کر کے چہرہ گھما کے معاذ کی طرف دیکھا۔ وہ اسی طرح کالی عینک لگائے موٹر چلا رہا تھا۔ جیسے وہ کوئی فولادی آدمی ہے۔ اس کے دل میں جذبات نہیں بس ایک کمپیوٹر فٹ ہو چکا ہے۔

رملی پلکیں جھپکے بغیر معاذ کا چہرہ دیکھتی رہی۔ پہلے وہ جان بوجھ کر معاذ کے چہرے پر نظریں نہ ٹکاتی تھی۔ مگر اب...... جب اس نے یاور کا چہرہ غور سے دیکھ لیا تھا۔ اور شان بھائی کے اندر جھانک لیا تھا۔ دن میں کئی بار معاذ کے چہرے کو غور سے دیکھا کرتی تھی۔ غور سے دیکھتی اور سوچتی۔ آخر کیا تھا اس چہرے میں جو وہ ہمیشہ اس چہرے سے نفرت کرتی رہی۔ یہ ضرور ہے کہ معاذ کا رنگ کالا تھا۔ مگر اب صبح و شام اس کو دیکھ دیکھ کر وہ اتنی عادی ہو گئی تھی کہ معاذ کا رنگ اتنا کالا نہیں لگتا تھا۔ وہ سوچتی دنیا میں ایک حبشیوں کی قوم بھی ہے۔ کالا رنگ بھی تو خدا نے ہی بنایا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ معاذ کے چہرے پر چیچک داغ تھے۔ اب شادی شدہ زندگی گزارنے کے بعد۔ ذہنی اور جسمانی آسودگی نے اس کا چہرہ بھی دیا تھا۔ اب وہ کٹوریاں اتنی نمایاں محسوس بھی نہیں ہوتی تھیں۔ اس کی آنکھیں رملی کو ہمیشہ وحشت زدہ لگا کرتی تھیں۔ مگر اس نے ان آنکھوں کو کبھی غور سے دیکھا ہی نہ تھا۔ معاذ کے

For more visit (exponovels.com)

پورے چہرے پر اس کی آنکھیں ہی تو بہت خوبصورت تھیں۔

......اس کی آنکھوں میں بلا کی چمک تھی۔ وہ ان آنکھوں سے باتیں کرنے کا فن بھی جانتا تھا۔ بڑی متحرک، بڑی نوکدار...... دل میں چھید کر دینے والی آنکھیں تھیں۔ ہونٹ موٹے تھے۔ مگر دانت بہت خوبصورت تھے۔ اوپر والے ذرا سے ابھرے ہوئے۔ ہنستا تو ایک دم اپنا سا لگتا۔ مضبوط اور بھرا بھرا سا جسم تھا۔ اور اسے ایک دم یاور کی اس دن کی جسارت یاد آ گئی۔

اف جب یاور نے اسے پکڑا تھا تو کیسے لجلجے اور زنانے سے اس کے ہاتھ محسوس ہوئے تھے۔ ایک دم اسے ابکائی سی آ گئی۔ اور بے اختیار اس نے معاذ کے ہاتھوں کی طرف دیکھا جو اس وقت اسٹیئرنگ پر تھے۔

کیا برائی تھی ان ہاتھوں میں......بس ذرا کالے تھے نا؟ مگر محبت کی گرمی سے چور تھے۔

پھر اسے اچانک پنڈی کا وہ سفر یاد آ گیا۔ جب معاذ اسے کسری باجی کے ہاں چھوڑنے جا رہا تھا۔ جس وقت وہ لوگ جہلم کی حدود میں پہاڑیوں کے قریب سے گذر رہے تھے تو شام گہری ہو گئی تھی۔ سڑک خالی ہوئی تو معاذ نے آرام سے اپنا بازو رملی کے کندھے پر رکھ دیا۔ رملی کو بہت برا لگا۔ تڑپ کر بولی۔

یہ کیا کر رہے ہیں آپ......؟ کوئی دیکھ لے گا تو کیا کہے گا......؟

کون دیکھے گا اس سڑک پر......؟

دیکھیں نا کیسے خفیہ موڑ ہیں یہاں، اچانک کوئی موٹر یا ٹرک سامنے سے نکل کر آ سکتے ہیں۔

تو آ جائے ٹرک یا موٹر......لوگ یہی کہیں گے۔ کوئی پاگل آدمی ہے۔ ایک خوبصورت لڑکی کو بھگائے لے جا رہا ہے۔ اور سر راہ رنگ رلیاں منا رہا ہے۔

یہ سوچنا کوئی اچھی بات ہے۔ رملی نے برا مان کر کہا۔

میرے اوپر یہ الزام لگے۔ مجھے تو بہت اچھا لگتا ہے۔ پھر وہ والہانہ انداز میں بولا بھلا دنیا میں کوئی شخص اس بات پر یقین کر سکتا ہے کہ کوئی شوہر اپنی بیوی سے اس حد تک عشق کرتا ہے۔ مگر میں نے تو سارا عشق ہی اپنی بیوی کے لئے سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔

رملی نے بے دلی سے اس کا بازو پکڑا اور کندھے سے ہٹا دیا۔

وہ دیکھیں ایک ٹرک آ رہا ہے۔

معاذ زور سے ہنسنے لگا۔

For more visit (exponovels.com)

لڑکیاں واقعی اتنی ڈرپوک ہوتی ہیں؟

پھر مڑ کر دیوانوں کی طرح اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

سامنے دیکھ کر چلایئے۔ یہ بڑے خطرناک موڑ ہیں۔

میں بھی اس وقت بڑے خطرناک موڑ پر ہوں۔

معاذ نے پہاڑوں کا ایک نازک موڑ کاٹا۔ پھر اس کی ڈری سہمی صورت کو شام کی تاریکی میں غور سے دیکھ کر بولا۔

پتہ ہے میرا جی اس وقت کیا چاہ رہا ہے؟

تمہیں بازو سے پکڑ کر کمر پر مشک کی طرح لادوں اور دوڑ کر اس اونچے پہاڑ پر چڑھ جاؤں۔ پھر...... وہ تھوڑا سا رکا...... شرارت سے رملی کی طرف دیکھا اور مستی میں کہنے لگا۔ پھر تمہیں بوٹی بوٹی کر کے کھا جاؤں......

رملی سر سے لے کر پاؤں تک لرز گئی۔ اسے معاذ کی صورت اور بھی بھیانک نظر آنے لگی۔ نیم تاریک ماحول میں وہ کوئی آدم خور جانور لگا جو حسین لڑکیوں کی گردن پر منہ رکھ کر لہو پی جاتا ہے۔

وہ تھرا گئی۔

اور پھر بقیہ سارا راستہ اس سے بات ہی نہیں کی۔

آج اس پورے سفر میں معاذ نے رملی کی طرف دیکھا بھی نہیں تھا۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ آج ان کے ساتھ بے جی بھی تھیں مگر معاذ تو بہت ہی اظہار محبت کرنے والا شوہر تھا۔ کیسا کھر درا بنا بیٹھا تھا۔ نہ ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔ نہ بازو کندھے پر رکھا۔ نہ ساتھ جڑ کر بیٹھا...... آسمان پر سیاہ کالے بادل یوں لہرا رہے تھے جیسے سبز فصلوں نے اچانک کالی اوڑھنی اوڑھ لی ہے۔ ہوا سرد ہو گئی۔ اور نشے سے لڑکھڑانے لگی...... راستے کشادہ مگر کچے تھے...... حد نظر تک کھلا آسمان نظر آ رہا تھا۔ فضا پر اسرار ہو گئی تھی...... گاؤں کی فضا شہر کی فضا سے بالکل مختلف لگی۔ پتہ نہیں اس فضا میں کیسا طلسم تھا کہ رملی کو اپنا آپ ایک دم بدلا ہوا سا محسوس ہوا......

رملی کی آنکھوں میں بہت سا کڑوا پانی جمع ہو گیا۔

بدنصیب آنکھیں روتی رہی ہیں۔ وصل کے لمحوں میں بھی...... جدائی کی گھڑیوں میں بھی...... جس وقت گلی کے باہر جا کر موٹر رکی تو سارا گاؤں اکٹھا ہو گیا۔

سلام جی...... سلام جی......

exponovels

چھوٹے بڑے دوڑ دوڑ کر معاذ کو سلام کرنے لگے۔ کوئی سامان اتارنے کو دوڑا۔

کوئی گھر میں خبر کرنے کو لپکا......

اور بے جی کے قدم تو گاؤں کے لوگوں نے اس طرح چھوئے جیسے گاؤں میں کوئی پیر فقیر آ جاتا ہے۔

❁❁❁

رات تک سارے گاؤں کو بے جی کے آنے کی خبر مل گئی تھی۔ اس لئے گاؤں کی عورتیں کام کاج سے فارغ ہو کر بے جی کے پاس جمع ہونے لگیں۔ بہت سی عورتوں کو بے جی کی بہو اور پوتا دیکھنے کا شوق کھینچ لایا تھا اور واقعی وہ رملی کو دیکھ کر بہت خوش ہو رہی تھیں۔
آتے ہی بے جی نے رملی سے کہہ دیا تھا کہ وہ کوئی زرق برق جوڑا پہن کر سنگھار کر لے کیونکہ گاؤں کی عورتیں اسے دلہن کے روپ میں پہلی مرتبہ دیکھیں گی۔ رملی نے بھی جھٹ بے جی کا کہا مان کے ایک خوبصورت جوڑا پہن کے زیورات پہن لئے تھے۔ جو بھی رملی کو دیکھتا وہ بے جی کو مبارک باد دیتا کہ ان کی بہو تو چاند کا ٹکڑا ہے۔ آج رملی کو ان گاؤں کی سیدھی سادی عورتوں کی تعریف بہت اچھی لگ رہی تھی اور اس کا دل چاہ رہا تھا۔ اس سولہ سنگھار کے عالم میں معاذ بھی اسے دیکھے...... اسے دیکھے اور پھر اس پر دیوانگی چھا جائے اس کی آنکھوں میں مستی کے سارے رنگ لہرائیں۔ مگر معاذ تو سر شام ہی چار خانوں والا تہبند باندھ کے کھلے بازوؤں کا کرتا پہن کے کچھ مردوں کے ساتھ باہر مردانے میں نکل گیا تھا۔
بے جی بڑی محبت سے ہر عورت کا حال پوچھتیں۔ ہر ایک سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھیں۔
اتنے میں ایک نوجوان اور خوبصورت سی عورت آ گئی۔ اس نے ایک پیاری سی بچی اٹھا رکھی تھی۔
بے جی اسے دیکھ کر کھل اٹھیں۔
آؤ آؤ حفصہ آؤ...... میری بچی کیسی ہو تم......؟
حفصہ قریب آ گئی۔ اپنی بچی کو گود سے اتارا اور پھر بے جی کے سینے سے لگ گئی۔ بے جی نے اسے پیار کیا۔ اس کی بچی کو چوما۔ گھر بار کی خیریت دریافت کی۔ پھر وہ وہیں بے جی کے ساتھ جڑ کر بیٹھ گئی۔ رملی نے غور سے دیکھا۔ حفصہ ان گاؤں کی عورتوں میں بالکل مختلف اور تعلیم یافتہ نظر آ رہی تھیں۔ اس کے حسن میں ایک حزن تھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک ملال تھا۔ رملی کو محسوس ہوا کہ زمانے میں وہ بالکل اکیلی ہے.......... کیا کرتی تھی۔

For more visit (exponovels.com)

شاید اسے بھی کوئی دکھ ہے۔ رملی نے سوچا۔

پھر اس کا دل چاہا بڑھ کر اس سے دوستی کر لے۔

اسی وقت بے جی نے حفصہ کی طرف چہرہ کر کے پوچھا۔

اب تیرا جی ٹھیک ہے پتر۔ اب تو پڑھائی کا غم نہیں ستاتا۔

کیا کرنا تھا اتنا زیادہ پڑھ کے...... آخر عورت کو گھر داری کرنا ہوتی ہے۔ اور بچے پالنے ہوتے ہیں۔ یہی عورت کے اصلی کام ہیں۔

مگر بے جی...... اس عورت نے چہرہ اٹھایا۔ وہ رو رہی تھی۔

بس ڈاکٹر بننے میں میرے دو سال رہ گئے تھے۔ میں نے بہت محنت کی تھی۔ میری زندگی کی آرزو تھی کہ میں ڈاکٹر بنوں اور انسانیت کے کام آؤں......

پتر انسانی بھلائی کے لئے تو آدمی کئی کام کر سکتا ہے اور ہر عمر میں کر سکتا ہے۔

لیکن کیا حرج تھا بے جی اگر مجھے دو سال کی اور مہلت دے دی جاتی۔

بے جی ہنسنے لگیں۔

یہ بچپن کے نکاح بڑے واہیات ہوتے ہیں۔ حفصہ روتی ہوئی بولی مراد نے صاف کہہ دیا۔

اگر میں نے پڑھائی نہ چھوڑی تو وہ نکاح توڑ دے گا۔ یہ ظلم نہیں بے جی......؟

اب اس طرح نہ سوچا کر...... بے جی بولیں۔ اب تو ایک بچے والی ہو گئی ہے خوش رہا کر۔

انسان کی ہر خواہش انسان کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتی۔ تو ایسا کرنا اپنی لڑکی کو ڈاکٹر بنا لینا۔

ہاں...... وہ تڑپ کر بولی۔ اپنی بیٹی کے لئے تو مراد ابھی سے کہتے ہیں۔ اسے اعلیٰ تعلیم دلواؤں گا۔

بے جی کیا ہم کسی کی بیٹیاں نہیں ہوتیں......؟

سب ایسے ہی چلتا ہے۔ بے جی نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ کسی زمانے میں مجھے بھی بہت خواہش تھی۔ ڈاکٹری پاس کرنے کی مگر میں تو سکول کی شکل ہی نہ دیکھ سکی تھی۔ لیکن بعد میں میں نے اپنا یہ شوق اپنی بیٹی کی صورت میں پورا کر لیا۔ اب اپنی بیٹی کو ڈاکٹر کے روپ میں دیکھ کر اتنا ہی جی خوش ہوتا ہے۔ جب تیری بیٹی بڑی ہو گئی تو دیکھنا تیرے شوہر کے خیالات کتنے بدل چکے ہوں گے۔

ہاں میں جانتی ہوں...... یہ کہہ کر حفصہ پھر رونے لگی۔ میں کوئی تاریخ گانے کی ترجمانی تو نہیں لینا چاہتی تھی بے جی...... کوئی اکام تو نہیں کرنا چاہتی تھی۔

exponovels

صرف علم ہی حاصل کرنا چاہتی تھی۔نا؟ کیا علم کسی کو نقصان دیتا ہے؟

بتر حالات کے ساتھ سمجھوتہ کر لینے کا نام ہی علم ہے۔ایک ایسی خواہش جو پوری نہ ہو سکی اس کی خلش میں اپنی خوشیاں ختم کر دینا اور اپنے گھر کو جہنم بنائے رکھنا علم کی توہین ہے۔ایک علم وہ بھی ہے جو انسان روزمرہ کی زندگی میں ہر روز حاصل کرتا ہے۔دنیا میں اور بھی کروڑوں لوگ ہیں۔ جن کی دلی حسرتیں پوری نہ ہو سکیں مگر وہ بڑے کامیاب انسان بن کر ابھرے......

حفصہ دوپٹے سے اپنے بہتے ہوئے آنسو پونچھنے لگی۔بے جی نے اس کی بیٹی زبیدہ کو پکڑ کے اپنے گھٹنوں پر بٹھالیا۔اسے چمکارا اور بولیں۔

چپ کر جا۔دیکھو تمہاری بیٹی تمہیں دیکھ کر بسور رہی ہے۔اپنی ذہنی کیفیت اپنی بچی اور شوہر پر ظاہر کر کے تم انھیں خوش نہیں رکھ سکتیں۔خوش رہا کرو۔وہ لوگ بڑے بدنصیب ہوتے ہیں۔جو جوانی تو ذرا ذرا سی بات کے لئے روتے ہوئے گزار دیتے ہیں اور بڑھاپے میں جوانی کی تمنا کرتے ہیں۔

مریم تیرا کیا حال ہے؟ کیا تیری بیٹی کی سگائی ہوگئی؟

انہوں نے دور بیٹھی ہوئی عورت کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

جی آپ کی دعا سے ہوگئی بے جی......؟

جی اگلے ساون میں......

اچھا اللہ مبارک کرے۔شادی سے پہلے میرے پاس شہر آنا۔

زینب تیری ساس کو آرام ہے؟

کہاں جی......زینب بسور کر بولی۔اسی طرح دخت ڈالا ہوا ہے اس نے......؟

تجھے کہا نہیں تھا۔اسے لے کر شہر آ جاؤ۔میں ہسپتال میں داخل کرا دوں گی۔

اب جی یہ تو مردوں کے کام ہیں۔

صبح وحید سے بات کروں گی۔

بالی تو کیوں اتنی زرد ہو رہی ہے۔

انہوں نے ایک عورت سے پوچھا جو چادر میں اپنا آپ چھپائے بیٹھی تھی۔

عورت نے جواب نہیں دیا بس شرما کر سر گھٹنوں پر رکھ لیا۔

exponovels

کیا بات ہے......؟ بے جی نے ساتھ بیٹھی عورت کو اشارہ کیا۔

جی یہ پھر......دوسرے جی سے ہے......

ہائے بالی...... بے جی نے ہمدردی سے کہا۔ یہ ساتواں بچہ ہے۔

جی......وہی عورت بولی۔

بالی تیری صحت تباہ ہو گئی ہے۔ نہ رنگ روپ رہا اور نہ طاقت۔ پچھلی بار جب میں آئی تھی میں نے تجھے کہا تھا تا کہ شہر آنا میں تیرا آپریشن کرا دوں گی۔

جی سلطان مانتا ہی نہیں۔ بالی نے سر اٹھا کر بڑے کرب سے کہا۔

ہائے ایک تو ان مردوں کو ان کی انا مارے ڈالتی ہے۔ چھوٹے کی کیا عمر ہے......

جی دس مہینے کا ہے۔

بس تو اب تو میرے ساتھ چلے گی۔ دیکھتی ہوں سلطان کیا کر لے گا۔ تیرے اندر طاقت نہ رہی تو ان سات بچوں کو کیسے پالے گی؟

اسی طرح بے جی رفتہ رفتہ سب عورتوں سے ان کے نجی معاملات پوچھ پوچھ کر ان کو مشورے دیتی رہیں۔ اور ہمدردی کا اظہار کرتی رہیں۔

تھوڑی دیر بعد حفصہ نے جانے کی اجازت چاہی تو بے جی نے کہا۔

عورت کو اتنا زیادہ علم حاصل کرنے کی کیا ضرورت ہے پتر۔ عورت کے پاس عقل ہوتی ہے اسے عقل کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرنی چاہیے۔ زیادہ علم تکلیف دیتا ہے۔

جاری ہے...

For more visit (exponovels.com)

exponovels

میری بات یاد رکھو۔عورت عقل ہے اور مرد علم ہے۔مرد زندگی کے سارے فیصلے اپنے علم کے زور پر کرتا ہے اور عورت اپنی ساری زندگی عقل کے ساتھ گذارتی ہے۔

علم اور عقل مل کر ازدواجی زندگی کو خوشگوار بناتے ہیں۔جہاں علم کام نہیں کرتا وہاں عقل کام کرتی ہے۔اپنی عقل سے عورت بدترین اور بگڑے ہوئے مرد کو بھی راہ راست پر لے آتی ہے۔

مجھے تم پر فخر ہے کہ تم ایک عقل مند عورت ہو۔شاباش...... خوش خوش رہا کرو۔اور مستقبل کے بارے میں اچھی اچھی باتیں سوچا کرو......

خفضہ اٹھ کر چلی گئی تو کچھ اور عورتیں قریب آ گئیں۔باتیں کرتے کرتے بے جی نے ایک دم نظر اٹھا کر رملی کی طرف دیکھا۔وہ جمائیاں لے رہی تھی۔بولیں۔

وہٹی پتر تو اب جا...... سو جا جا کے...... لمبا سفر کر کے آئی ہے۔تھک گئی ہو گی۔

رملی نے ادھر ادھر دیکھا تو وہ کہنے لگیں۔

موجو تو میرے کمرے میں سو گیا ہے۔تو اوپر چلی جا...... شاید تمہارے بستر انہوں نے چھت پر لگا دیئے ہیں۔

درحقیقت رملی بہت تھک گئی تھی۔مگر بے جی کی دلچسپ باتیں سننے کے لئے بیٹھی ہوئی تھی۔

پھر اس کو یہ آس بھی تھی کہ معاذ ابھی اندر آئے گا اور اسے سولہ سنگھار میں دیکھ کر خوش ہو گا۔

لیکن وہ شاید باہر اس طرح مصروف ہو گیا تھا۔جس طرح بے جی اندر عورتوں میں گھری بیٹھی تھیں۔

رملی سب کو خدا حافظ کہہ کر آ گئی۔

سیڑھیاں چڑھتے ہوئے بے جی کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے......

عورت عقل ہے اور مرد علم ہے۔عورت کے پاس عقل ہوتی ہے اسے عقل کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرنی چاہئے......

بے جی کسی مکتب میں نہیں پڑھی تھیں۔پرانے وقتوں کی گھریلو پڑھی لکھی خاتون تھیں مگر بے جی کے پاس اتنا علم کہاں سے آیا تھا۔شاید علم کا دوسرا نام تجربہ ہے۔تجربہ ہمیشہ علم میں اضافہ کرتا ہے۔شاید تجربے کے بغیر زندگی اندھیرا کنواں ہے۔

❁❁❁

exponovels

رملی چھت پر آ گئی۔ اوپر موٹے رنگین پایوں والے دو پلنگ لگے ہوئے تھے۔ جن پر کھڈی کے بنے ہوئے خوبصورت کھیس بچھے ہوئے تھے اور یہ دیکھ کر رملی کو سخت حیرت ہوئی کہ معاذ نہ جانے کب آ کر گہری نیند سو گیا تھا۔

کسی گاؤں کی کچی منڈیروں والی چھت پر رملی کے سونے کا یہ پہلا موقع تھا اس نے چھت پر کھڑے ہو کر چاروں طرف دیکھا۔ آسمان پر تیرھویں کا چاند چمک رہا تھا۔ کھلا آسمان اس قدر خوبصورت ہوتا ہے اور کھلے آسمان پر چاند کی یہ شان ہوتی ہے، بڑے شہر میں رہنے والی رملی نے پہلی مرتبہ محسوس کیا۔ جگمگاتے چاند کی اوٹ سے آسمان کو دیکھا تو دور و نزدیک کالی کالی بدلیاں ڈھیر کی صورت پڑی تھیں۔ جن میں سے شریر ستارے داغوں کی مانند چمک رہے تھے۔ اس وقت اس نے سوئے ہوئے معاذ کو غور سے دیکھا۔ سفید وائل کے کڑکڑاتے کرتے اور چار خانے والے تہمند میں وہ بے سدھ سو رہا تھا۔ اس نے اوپر آ کر رملی کو بلایا نہیں تھا۔ کھلی ہوا اور چاندنی سے اسے گدگدایا نہیں تھا۔ وہ رات کو کبھی بیگانہ بن کے سونے کا عادی نہیں تھا۔ رملی کا دل چاہا وہ آرام سے جا کر معاذ کے بستر پر بیٹھ جائے اور ٹھنڈی ہوا کے ساتھ مل کے اس کے گھنے خوبصورت بالوں کو منتشر کر دے۔ مگر وہ جلدی سے اپنے پلنگ پر بیٹھ گئی اور تکیہ اٹھا کے اپنے گھٹنوں پر رکھ لیا۔ چاند کی روشنی اتنی واضح تھی کہ اس نے تکیے پر کڑھا ہوا شعر بھی صاف پڑھ لیا۔ لکھا تھا......

تجھ پہ اے تکیے میں کیا تکیہ کروں
مجھ کو تکیہ ہے خدا کی ذات پر

ارد گرد خوب چڑیاں طوطے بنے ہوئے تھے۔ تکیہ وزنی بھی کافی تھا۔ تھوڑی دیر وہ تکیے پر ہاتھ پھیرتی رہی پھر چت لیٹ گئی۔

چاند چلتا چلتا بادلوں میں آ گیا۔

نہیں یہ تو محض فریب نظر تھا۔ چاند اپنی جگہ پر ساکت تھا۔ سیاہ بدلیاں ادھر ادھر تیر رہی تھیں۔ اس کے ساتھ اٹھکیلیاں کر رہی تھیں۔ ایک بدلی مستی بھری ادا کے ساتھ آگے بڑھی اور چاند کو اپنی آغوش میں ڈھک لیا۔ کالی بدلی کی آغوش میں دبکا ہوا چاند بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔

جیسے کسی حسینہ نے کالے دوپٹے سے گھونگھٹ کاڑھ لیا ہو۔ برسات کے لئے سیاہ بدلی کی ضرورت ہوتی ہے۔ پتہ نہیں موتیا کی خوشبو کہاں سے آ کے اس کے پاس ٹھہر گئی تھی۔

گاؤں کی کچی منڈیریں سرگوشیاں سننے کی تمنا میں سانس روکے کھڑی تھیں۔ دور سے مینڈکوں کے ٹرانے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ کبھی کبھی کسی

For more visit (exponovels.com)

جانور کی آواز کے ساتھ مل کر ماحول کو بہت قدرتی اور بہت پر اسرار بنا رہی تھی۔

گاؤں کی ایک اپنی خوشبو ہوتی ہے۔ جو آدھی رات کو کچے اور خوابیدہ گھروں سے نکل کر سارے عالم میں پھیل جاتی ہے۔ یہ خوشبوں زندگی سے قریب ہوتی ہے۔اس لئے زندگی کو بھڑکا دیتی ہے۔اس خوشبو میں زندگی کے سارے اسرار پوشیدہ ہوتے ہیں۔ کھلے آسمان تلے لیٹی ہوئی رملی نے اپنے دل میں ایک عجیب سادرد محسوس کیا اور مڑ کر معاذ کی طرف دیکھا جو اس کی طرف پیٹھ موڑے بے سدھ سو رہا تھا۔اس کے گھنے بالوں کی گھنگھریالی ٹوکری اس کی گردن تک ڈھلک آئی تھی۔اور وہ اپنے بالوں کی گپھا میں گم ...... جانے کن بادلوں میں تیر رہا تھا۔ رملی کے دل میں اس کی گردن پر انگلیاں پھیرنے کی شدید تمنا جاگی ان بالوں میں اپنا تنفس گم کر دینے اور پھر زندگی بھر نہ ڈھونڈنے کو دل چاہا۔

رملی کا دل چاہا وہ اسے جھنجوڑ کر جگا دے اور پھر اس سے کہے میں نے چاند کو جی بھر کے دیکھ لیا ہے۔اس میں بھی داغ ہے۔اس میں کیا ہے کہ لوگ اس پر مرتے ہیں اور ان کو چاند کا داغ نظر نہیں آتا۔

میں نے تمہارے چہرے کے داغ بھی جی بھر کے دیکھے ہیں اور ان کے اندر جو روشنی ہے وہ بھی مجھے نظر آ گئی ہے۔ پھر کیوں مجھ سے منہ موڑے سو رہے ہو......؟

اس کی ہچکیاں سن کر معاذ ایک دم جاگ گیا۔ پھر پریشان ہو کر اٹھ کھڑا ہوا اٹھ کر اس طرف آیا اور بولا۔

رمو تمہیں کیا ہوا ہے جان ......

رملی بہت کچھ کہنا چاہتی تھی۔مگر اس کی آواز نہیں نکل رہی تھی۔

کچھ تو بتاؤ تمہیں کیا ہوا ہے رمو......؟ بے جی کو بلاؤں......؟

معاذ اور بھی گھبرا گیا۔

نہیں مجھے کچھ نہیں ہوا۔ رملی نے ہچکیوں کے درمیان کہا...... یونہی ......

پھر وہ بات بنا کر بولی۔امی جان یاد آ گئی تھیں ......

معاذ نے گلاس میں پانی بھر کے اسے پلایا۔اسے صبر کی تلقین کی اور پھر آ کر اپنے بستر پر لیٹ گیا۔

لیٹ کر بھی اس سے اچھی اچھی باتیں کرتا رہا اور پھر تھوڑی دیر بعد سو گیا۔ رملی نے سر اٹھا کر دیکھا۔وہ پھر گہری نیند میں اتر گیا تھا۔

رملی نے آنکھیں خشک کر کے اس کے پلنگ پر نظر ڈالی۔اس کی لمبی لمبی سانسیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ وہ واقعی دوبارہ سو گیا تھا......اب اس کا

For more visit (exponovels.com)

چہرہ رملی کی طرف تھا اور چاند کی شفاف روشنی میں اس کا چہرہ صاف نظر آ رہا تھا۔رملی اس کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی تب اس کی سمجھ میں آیا کہ چہرہ ایک عارضی پڑاؤ ہوتا ہے۔جب لوگ دل میں جانے کے راستے تلاش کر لیتے ہیں تو چہروں پر سے یوں گزر جاتے ہیں۔جس طرح کسی سڑک پر سڑک کے نام کا بورڈ پڑھ کے آدمی آگے نکل جائے۔ایک جہان چہرے سے آگے بھی ہے۔

اس کا دل چاہا......وہ معاذ کا گریبان پکڑ کے کہے......

ایک بار پھر اسی والہانہ پن سے میرے ساتھ محبت کرو۔

مجھے قتل کر دو۔

مجھے مار ڈالو۔

مگر بے اعتنائی کی چھری سے ذبح نہ کرو۔

بے اعتنائی عورت کو مار ڈالتی ہے۔

وہ جگ ہنسائی سے نہیں ڈرتی۔بے اعتنائی سے ڈرتی ہے۔

اس نے اپنی شادی کی پہلے سال کی اک اک رات کو قریب بلایا اور پھر یادداشت کی خوردبین لگا کے اس کا ایک ایک پل دیکھا۔اسے مرد کی محبت کی ادا سمجھ میں آئی۔پھر اس کے تیر چبھنے لگے۔

مگر اس مرتبہ اس نے اپنے دوپٹے کا پلو اپنے منہ میں رکھ لیا کہ آواز باہر نہ جا سکے۔

اس کا ایک ایک آنسو کہہ رہا تھا۔

او کالے بدصورت آدمی......

تو میری پہچان بن گیا ہے......

میری جان بن گیا ہے......

اور تبھی انجان بن گیا ہے......

جب سے میں نے تیرے اندر کا حسن دیکھا ہے۔تجھے میرے نفس کی بدصورتی نظر آ گئی ہے۔

ایک بار آ...... مجھے توڑ پھوڑ دے......

exponovels

میری راتیں مجھے لوٹا دے......میری باتیں مجھے سونپ دے......

میرے لمحے مجھے دے دے......

لمحوں کی بغیر میں گونگی ہوگئی ہوں۔کچھ بھی نہیں کہہ سکتی۔محبت میں اظہار کے لئے گویائی کی نہیں لمحوں کی ضرورت ہوتی ہے۔جن لمحوں کو میں نے اپنی ناقدری تلے روندا......ان لمحوں کا ایک سرا مجھے پکڑا دے۔

اب مجھے پتہ چلا ہے کہ محبوب کو آنکھیں بند کر کے محسوس کرنا چاہیے۔محبوب کی سانسیں روک کر سونگھنا چاہیے۔نفس نفس میں اتارنا چاہیے۔محبت میں شناخت کی گھڑیاں زیادہ دیر نہیں ٹھہرتیں۔

محبت ہمیشہ آنکھیں بند کر کے کرنی چاہئے......

کھلی آنکھیں دھوکا کھا جاتی ہیں۔بند آنکھوں سے روشنی کے جھرنے پھوٹتے ہیں۔

اور میں کیا جانتی تھی۔محبت کا چہرہ سب سے حسین چہرہ ہے......

میں چہروں میں محبت تلاش کرتی رہی......

لیکن محبت کا چہرہ نہ پہچانا......

افوہ......

محبت کا ذرا سا لفظ ادا کرنا کتنا مشکل لگ رہا تھا۔یہ تولہ بھر زبان جو زندگی بھر لایعنی بکواس کرتی ہے۔ایک ننھے سے لفظ کا بوجھ نہیں اٹھا سکتی۔اس سے ایک ذرا سا لفظ محبت نہ ادا ہو رہا تھا......جس کی ادائیگی رواں رواں کر رہا تھا۔

❁❁❁

معاذ صرف تین دن کی چھٹی لے کر آیا تھا اور ان تین دنوں میں اس نے گاؤں کے بہت سے بکھیڑے نمٹائے تھے۔صبح ان لوگوں نے واپس جانا تھا۔مگر بے جی نے آ کر کہا......

میں ابھی تم لوگوں کے ساتھ نہ جا سکوں گی۔

exponovels

کیوں بے جی......؟ رملی پریشان سی ہوگئی۔

بیٹا یہاں میری عدم موجودگی میں بہت سے کام خراب ہوگئے ہیں۔ پہلے میں ہر چھ ماہ کے بعد آ کر یہاں کچھ دن رہا کرتی تھی۔ پچھلے دو تین سالوں سے میں شہر میں ہی مصروف ہوگئی ہوں۔

اب کچھ دن یہاں رہ کر سب کام ٹھیک کرنا چاہتی ہوں۔

بے جی آپ کتنے دن بعد آ جائیں گی......؟

بیٹا آ جاؤں گی جب کام ختم ہو جائیں گے۔ تم معاذ کے ساتھ اپنے گھر جاؤ......

مگر ہم وہاں اکیلے کیسے رہیں گے......؟

بے جی ہنسنے لگیں۔

ماشاء اللہ تم تین افراد ہو۔ اکیلے کیسے ہو......!

بے جی......میں تو......آپ کے بغیر رہنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔

پگلی! بے جی نے اسے سینے سے لگا لیا۔ بڈھوں کے ساتھ اتنا دل نہیں لگاتے۔ وہ تیرا گھر ہے۔ اللہ اسے آباد رکھے۔ میں بھی آ جاؤں گی۔

لیکن معوذ کیسے رہے گا۔ آپ کے بغیر بے جی......رملی نے آخری پتہ پھینکا۔

اسے میں یہاں رکھ تو لوں۔ مگر مجھے شاید زیادہ دن لگ جائیں۔ پھر یہ اپنے باپ کے لئے اداس ہو جائے گا۔ اس لئے اسے ساتھ ہی لے جاؤ۔

رملی نے بہت زور لگایا مگر بے جی وہیں گاؤں میں رک گئیں۔ رملی جانتی تھی کہ گاؤں میں کچھ کام ضروری ہیں۔ مگر اپنے گھر میں بے جی کے بغیر رہنے کے خیال سے ہی رملی کو ہول اٹھ رہے تھے۔ بے جی اس کی زندگی میں اس طرح داخل ہوگئیں تھیں کہ وہ ایک دن بھی اس کے بغیر رہنے کا نہ سوچ سکتی تھی۔ لیکن جب گھر آئی اور آ کے گھر کو سنبھالا تو سارے کس بل نکل گئے۔

پورا ایک مہینہ ہوگیا تھا۔ اسے گھرداری کرتے ہوئے۔ اس ایک مہینے میں اسے احساس ہوا۔ ذمہ داری کیا ہوتی ہے۔ صبح اٹھ کر پہلے معاذ کے لئے ناشتہ بناتی اور اسے دفتر روانہ کر دیتی۔

اتنے میں معوذ اٹھ کر آ جاتا۔ اس کے ننھے ننھے کام کرتے ہوئے وہ سوچتی دوپہر کو کیا پکے گا۔ رات کے کھانے میں کیا ہونا چاہئے۔

یوں تو وہ پچھلے کئی ماہ سے دیکھتی آ رہی تھی کہ بے جی کیا کچھ پکاتی ہیں اور کس طرح سے......لیکن جب سے کچھ کرنا پڑا تو اسے بہت مشکل لگا۔ مثلاً یہی کہ آج

کیا پکے گا۔ وہی گوشت سبزی وہی دال بھاجی...... جو انسان روزمرہ کھانے کے عادی ہیں مگر اس میں بھی ہر روز تنوع پیدا کرنا۔ بے جی اکثر کہا کرتیں......

اچھی گرہستن وہ ہوتی ہے۔ جو اسی گوشت سبزی کو ہر روز نئے سلیقے سے پیش کرے ایک ہی چیز ہر روز کھا کر گھر کے مرد اکتا جاتے ہیں......

رملی کو ہر روز سوچنا پڑتا کون سی چیز کس طرح پکائے۔ اس گھر میں ایک نوکرانی بھی تھی جو صبح شام آتی تھی۔ برتن مانجھ دیتی یا آٹا گوندھ کے پھلکے بنا دیتی۔ باقی سارا کام بے جی خود کرتی تھیں۔ یہ کام رملی کو کرنا پڑا تو اسے احساس ہوا بڑھاپے میں بے جی اتنا کام کیسے کر لیتی تھیں اور تو اور صبح اٹھ کر دودھ بھی بلو لیتی تھیں۔ کیونکہ انہوں نے شہر میں ایک بھینس رکھ چھوڑی تھی رملی نے بہت کوشش کی مگر اسے دودھ بلونا نہ آیا۔ اس کام کے لئے وہ نوکرانی کا انتظار کیا کرتی۔ دوپہر کا کھانا معاذ کے دفتر جایا کرتا تھا۔ اس کے لئے خاص اہتمام کرنا پڑتا تھا۔ شام کو چائے وہ گھر آ کر پیتا تھا اور رات کے کھانے پر کبھی کبھی دوست کو بھی بٹھا لیتا تھا۔ ایک صرف کھانا پکانا ہی تو کام نہیں ہوتا۔ رملی کو احساس ہوئے لگا کہ ایک جیتے جاگتے گھر کے پیچھے ایک مکمل عورت ہوتی ہے۔ مرد تو گھروں میں مہمان خصوصی کی مانند رہتے ہیں۔ دن چڑھے نکل گئے اور ایک خاص وقت پر واپس آ گئے۔ گھر کو صاف ستھرا رکھنا۔ چادریں اور تکیے کے غلاف بدلنا۔ باقاعدگی سے ہر ہفتے دھوبی کو کپڑے دینا۔ سودا سلف منگوانا۔ آنے جانے والوں کی تواضع کرنا۔ تقریبات میں جانا بچوں کے ساتھ راتوں کو جاگنا۔ دن کو انہیں اسکول چھوڑنے جانا۔ ہر وقت گھر کا دھیان رکھنا۔ ہر وقت یہ سوچنا گھر میں کوئی چیز ختم نہ ہو جائے۔ ہر وقت خدمت کے لئے تیار رہنا کتنے جان جوکھم کام تھے۔ معاذ بہت دوست نواز آدمی تھا۔ گھر میں بہت لوگ آتے تھے۔ بے جی سارا دن تواضع کرتی نہ تھکتیں۔ جتنے مہمان آتے رہتے۔ چائے کے ساتھ نئی نئی چیزیں بھیجتی رہتیں۔ شروع شروع میں رملی کو بہت سی مشکلات پیش آئیں۔ دوسری بار ڈرائنگ روم میں چائے بھیجنا پڑتی تو وہ گھبرا جاتی۔ بار بار برتن دھونے پڑتے۔ بار بار ٹرالی لگانی پڑتی۔ بیچ میں موجو آ کے تنگ کیا کرتا اور وہ جھلائے ہوئے انداز میں اس کو تھپڑ مار دیتی۔ پہلا ایک ہفتہ کٹھن تھا۔ اسے یوں لگتا وہ کسی امتحان میں پھنس گئی ہے۔ بے جی پتہ نہیں کس طرح ہر وقت سارے گھر کو صاف ستھرا رکھا کرتی تھیں۔ کئی بار بے جی نے اسے کہا تھا۔

وہٹی! غسل خانے میں میلے کپڑوں کا ڈھیر مت لگایا کرو۔ بہت برے لگتے ہیں۔ ان کو سمیٹ کے ایک تھیلے میں ڈال کے رکھا کرو......

تب اسے بہت عجیب لگتا تھا کہ اگر میلے کپڑے غسل خانے میں ڈھیر نہ ہوں گے تو کہاں ہوں گے۔

لیکن اب اسے اپنے آپ سمجھ آ گئی تھی کہ گھر میں ہر چیز کی ایک جگہ ہوتی ہے۔ ہر وقت یہ خیال بھی رہتا کہ بے جی کے نہ ہونے سے معاذ کو کوئی واضح فرق نہ محسوس ہو۔ پہلے ہفتے تو اسے یہ سب کچھ بہت مصیبت لگا۔ کئی بار وہ اوندھے منہ بستر پر گر گئی اور رونے لگی۔ رفتہ رفتہ وہ ہر کام سے مانوس ہوتی گئی۔ رات اس طرح تھک ٹوٹ کر سوتی کہ بس صبح سویرے ہی آنکھ کھلتی۔ کبھی کبھی وہ سوچتی کہ شادی کے فوراً بعد اس نے بڑی عیش کی زندگی بسر کی ہے۔ اگر ابتدا میں ہی اس پر اتنی ذمہ داریاں پڑ جاتیں تو کس قدر گھبرا جاتی۔ اس وقت جب معاذ کو دیکھتے ہی اس پر نفرت کے دورے پڑا کرتے تھے۔ اگر اسے گھر کے سارے کام کرنے پڑتے تو اس

exponovels

کا کیا حال ہوتا......؟

بے جی نے اسے بے شمار ذمہ داریوں سے بچا لیا تھا۔ گھر میں شہزادیوں کی طرح رکھا تھا اور تو اور بچے کی بہت ساری ذمہ داریاں بھی انہوں نے بانٹ لی تھیں۔ حتیٰ کہ وہ رات بھر آرام سے سوئی رہتی۔ اب احساس ہوتا کہ وہ تو ایک جنت میں رہتی تھی۔ اس قدر آرام میں اسے فضول قسم کی باتیں سوچنے کا موقع ملتا رہا اور وہ ایک خیالی جنت آباد کرتی رہی۔ ظاہر ہے اگر کسی کے پاس اتنا فالتو وقت ہوگا تو وہ فضول باتیں سوچے گا۔ اگر شروع دن سے ہی اس پر اتنی ذمہ داریاں پڑ جاتیں تو اسے معاذ کے بارے میں اتنا زیادہ سوچنے کا موقع نہ ملتا۔

اب وہ اتنی مصروف رہتی کہ معاذ کی کوئی بات قابل اعتراض نہ لگتی۔ وہ گھر میں بھی ہوتا تو وہ کبھی اس کی شکل و صورت کے بارے میں نہ سوچتی۔ زندگی تو ہر قسم کے معمول کی عادی ہو جاتی اور زندگی کو بہلانا کون سا مشکل ہے۔؟

اندر ہی اندر سے وہ تمنا کرتی کہ بے جی جلدی سے آ جائیں اور سارے گھر کو سنبھال لیں۔

وہ پہلے کی طرح ہلکی پھلکی ہو جائے اب اسے اندازہ ہوتا کہ لوگ بزرگوں کو گھر کی برکت کیوں کہتے ہیں اور گھر میں کسی بزرگ ہستی کے ہونے کے کیا فائدے ہیں......؟ اور لوگ بے جی سے مل کر اسے خوش قسمت کیوں کہتے تھے......؟

ایک دن اس نے باتوں باتوں میں معاذ سے کہا بھی کہ وہ بے جی کو بلا لے۔ تو وہ بڑے سکون سے بولا۔

میں نے بے جی کو ان کی مرضی کے خلاف کبھی مجبور نہیں کیا۔ وہ جب جانا چاہیں انہیں بھیج دیتا ہوں اور جب تک خود بخود آنے پر آمادہ نہ ہوں میں بلاتا نہیں۔ جب ان کا دل چاہے گا وہ خود ہی آ جائیں گی......

پھر رملی کو اپنے رویے پر خود ہی شرم بھی آ گئی تھی۔ وہ گھر کے کام کرنے کے لئے بے جی کو بلا رہی تھی۔ حالانکہ یہ ذمہ داریاں اس کی اپنی تھیں۔ اور جو سہولتیں اسے بے جی نے دے رکھی تھیں اور جتنا آرام اسے بے جی نے پہنچایا تھا۔ وہ کتنی عورتوں کے مقدر میں ہوتا ہے......؟

اسے اپنے ماضی پر شرم آنے لگی۔ اللہ نے اسے بے شمار نعمتیں دے رکھی تھیں سسرال میں پہنچ کر اسے کسی تکلیف کا سامنا نہ کرنا پڑا تھا۔ اسے ایک ذرا شوہر کی صورت اس کی پسندیدہ نہ تھی تو اس نے کتنے غلط قدم اٹھائے......؟

کیا اس دنیا میں سب کچھ مل جاتا ہے......؟

نہیں......

جو لوگ یہ سوچتے ہیں وہ احمق ہیں۔ دنیا میں ہر خوشی اور ہر تمنا پوری نہیں ہوتی جو نصیبوں سے مل جاتا ہے اس کے ساتھ سمجھوتہ کر لینے کا نام ہی دنیا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا

For more visit (exponovels.com)

منصف ہے وہ اپنی نوازشیں برابر بانٹ دیتا ہے۔کسی کو کچھ دیتا ہے کسی کو کچھ.......
مگر افسوس انسان کو دوسروں کی نعمت تو نظر آتی ہے۔مگر اپنی صرف محرومی ہی نظر آتی ہے۔

رملی پر جب احساس ندامت حملہ کرتا تو وہ پھر تندہی سے گھر کے کاموں میں جت جاتی اپنے آپ کو اتنا زیادہ مصروف کر لیتی کہ ضمیر کے کچوکے اسے تنگ نہ کر سکیں۔

اس رات معاذ نے اپنے بہت سے دوستوں کو کھانے پر بلا لیا تھا۔رملی نے جلدی سے دو چار چیزیں اور بنالیں۔جب لوگ کھانا کھا کر چلے گئے تو وہ برتن سمیٹنے لگی اس کے چہرے پر تھکن کے آثار تھے جنہیں معاذ نے پڑھ لیا تھا۔

اس کا چہرہ دیکھ کر بولا۔

آج کل بے جی یہاں نہیں تمہارا کام تو بڑھ گیا ہوگا.......؟

نہیں نہیں.......رملی جلدی سے بولی۔کام کا کیا ہے۔یہ تو میرے گھر کا کام ہے۔

معاذ نے اس کا چہرہ غور سے دیکھا۔

تم تھکی ہوئی لگ رہی ہو۔تمہارا چہرہ اتر گیا ہے۔آرام کیا کرو۔

رملی اداسی سے مسکرائی تو وہ بولا۔

کل رات کا کھانا باہر کھائیں گے اور کوئی پکچر بھی دیکھتے چلیں گے۔کیا خیال ہے.......؟

تم تھوڑی سی تفریح بھی کیا کرو.......

رملی برتن سمیٹنے لگی۔

اور برتنوں کے ساتھ ساتھ اپنی آنکھوں میں بھر بھر آنے والے نیر بھی سمیٹتی رہی۔معاذ کا رویہ اس کے ساتھ ہمیشہ سے مشفقانہ تھا۔ہمیشہ اس کا خیال رکھتا۔بڑی نرمی سے بات کرتا۔بڑی محبت سے اس کا حال پوچھتا۔یاور والے واقعے کے بعد اس نے ایک دن بھی تو اسے طعنہ نہیں دیا تھا۔بہانے بہانے اس کی عیب جوئی نہیں کی تھی۔

کاش وہ اسے طعنے دے لیتا۔برا بھلا کہہ لیتا۔اٹھتے بیٹھتے اس کی انا کو مجروح کرتا۔اس کے کیریکٹر پر بار بار حملے کرتا۔تو رملی کے ضمیر کا بوجھ کچھ تو اتر جاتا۔

مگر وہ کتنے آرام سے کہہ رہا تھا۔

اس چہرے کا کیا ہے.......؟رات اپنے بستر پر لیٹ کر رملی نے سوچا؟

یہ تو اترتا ہی رہا......

پہلے نفرت کی سطح پر اترا۔ پھر جھوٹی محبتوں کے سمندر میں غرق ہوا...... پھر تمہارے دل سے اترا...... آج کل پچھتاووں کی خندق میں اترا ہوا ہے۔

اس چہرے کا کیا پوچھتے ہو......؟

اس نے کبھی دل کا ساتھ نہیں دیا۔ اس لئے یہ نہ سمجھو کہ یہ روزمرہ کام کی تھکاوٹ ہے۔

یہ تو روح کی تھکاوٹ ہے......

چہرہ ایک چراغ کی مانند ہوتا ہے۔

اس میں خوشی کا تیل نہ ڈالو تو بجھ جاتا ہے۔

❁❁❁

اس روز موجو صحن میں اپنی ٹرائی سائیکل چلا رہا تھا۔ اچھل کر گرا اور اس کا ایک اوپر والا دانت ٹوٹ گیا۔ رملی نے دوڑ کر اسے پکڑا اور جب اس کا لہولہان چہرہ دیکھا تو چلا چلا کر رونے لگی۔ گھبرا کر اندر سے معاذ نکل آیا اس نے روتے ہوئے بچے کو بازوؤں میں لے لیا اور اندر لے گیا۔ رملی کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہو رہے تھے۔ دل بیٹھا جا رہا تھا۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا رہا تھا۔ اپنے بچے کے منہ پر لگا ہوا لہو دیکھتی تو کلیجہ مسوس کر رہ جاتی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس وقت کیا کرے اسے شدت سے بے جی یاد آئیں۔ موجو بہت شیطان اور طرار بچہ تھا۔ جب سے اس نے چلنا سیکھا تھا۔ آئے دن اسی طرح چوٹیں لگوا لیا کرتا تھا۔ مگر بے جی جھٹ اسے سنبھال لیتی تھیں۔ پتہ نہیں کس طرح وہ اسے دوائی بھی لگا دیتیں اور چپ بھی کرا لیتی تھیں۔ رملی کو تو عام طور پر بعد میں پتہ لگا کرتا تھا۔ وہ تو ہمیشہ اپنے خیالوں کی جنت میں ہی سرگردان رہتی تھی اس نے بچے کے پالنے کے دکھ نہیں اٹھائے تھے پہلے اسے پتہ ہی نہیں چل سکا تھا۔ جنم دینے کی تکلیف تو بس ایک ہی بار ہوتی ہے مگر بچے کو پالنا ایک کرب مسلسل ہے۔ جس سے عورت بار بار گذرتی ہے اور اس کرب سے بار بار گذر کے ہی وہ جلدی بوڑھی ہو جاتی ہے۔ ایک بچے کی پیدائش کے بعد ہی...... اس پر سے روپ کا خمار اتر جاتا ہے۔ راتوں کو جاگ جاگ کر وہ اپنی خوبصورت آنکھوں کا کیف بچے پر لٹا دیتی ہے۔ نہ اسے اپنے رنگ روپ کا خیال رہتا ہے۔ نہ خوبصورت جسم کا...... شادی کیا ہوتی ہے۔ عورت کے نچھاور ہونے کا موسم شروع ہو جاتا ہے۔ پہلے اپنے شوہر کی پسند میں ڈھلتی ہے اور جو بچ جاتا ہے اس کو بچوں پر وار دیتی ہے۔ بے جی نے رملی کو اپنا آپ وارنے کا موقع نہیں دیا تھا۔ بے جی ایک سخت گیر اور خود پسند ساس کے ہاتھوں سے نکلی

For more visit (exponovels.com)

تھیں۔اس لئے وہ اپنی بہو کو اس آنچ سے دوری رکھنا چاہتی تھیں۔

اب گھر کا کام کرنے کے ساتھ ساتھ دن رات رملی کو موجو کا خیال رکھنا پڑتا۔اس کے پیچھے پیچھے بھاگنا پڑتا کہ کہیں باہر نہ نکل جائے۔بجلی کے کسی سوئچ میں انگلی نہ ڈال دے......چاقو اسے اپنے ہاتھ نہ زخمی کر لے......اس عمر میں بچہ اس بگولے کی طرح ہوتا ہے جو کسی کے ہاتھ میں نہیں آتا اور ان چند مہینوں میں ہی رملی کے ہوش اڑ گئے تھے۔

اور بھی موجو کو لہولہان دیکھ کر وہ بے اختیار رونے لگی۔معاذ نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

تم تو چپ کرو رملی۔میں موجو کو سنبھالوں یا تمہیں......جاؤ تھوڑا سا گرم پانی لاؤ اور روئی سے اس کا چہرہ صاف کرو۔دیکھیں کہاں کہاں چوٹ لگی ہے۔

رملی دوڑ کر نیم گرم پانی اور روئی لے آئی۔مگر قریب آ کر رک گئی۔اس کے ہاتھ لرزنے لگے۔کہنے لگی۔

میں اپنے بچے کا خون صاف نہیں کر سکتی۔مجھ سے یہ سب نہیں ہوتا۔خدا کے لئے اسے ڈاکٹر کے پاس لے چلیں۔

لے چلتے ہیں۔معاذ نے بہت آہستہ سے کہا اور روئی گیلی کر کے اس کا چہرہ صاف کرنے لگا۔

کھڑے کھڑے رملی کو یوں محسوس ہوا کوئی اس کے دل پر نشتر چلا رہا ہے۔ہر بار جب معاذ روئی سے اس کا چہرہ صاف کرتا۔رملی کے دل میں سوئی چبھ جاتی۔

موجو کے چہرے سے بہت خون نکل رہا تھا۔معاذ نے روئی سے صاف کر کے دیکھا تو اس کا ایک اوپر والا دانت ٹوٹ گیا تھا۔ابھی چند ہفتے ہی تو ہوئے تھے۔موجو کے اوپر والے سارے دانت نکل آئے تھے اور وہ ہنستا ہوا بہت پیارا لگتا تھا۔شاید میری نظر لگ گئی۔رملی نے دل میں سوچا۔

اور ساتھ ہی اوپر والا ہونٹ بھی پھٹ گیا تھا۔معاذ نے احتیاط سے اس کو اٹھایا اور بولا۔

اسے ڈاکٹر کے پاس لے جانا پڑے گا۔

رملی بھی دوڑ کر اس کے پیچھے گئی۔اور اگلی سیٹ پر بیٹھ کے موجو کو گود میں لے لیا اور معاذ بڑے سکون سے موٹر چلانے لگا۔

معاذ نے عام شوہروں کی طرح غصے میں پھنکارتے ہوئے رملی کی بے پروائیوں کو بالکل نہیں کوسا۔بلکہ رملی خود ہی لرزتی ہوئی شرمندہ سی آواز میں کہنے لگی۔

سارا دن اس کا خیال رکھتی ہوں۔بھاگ بھاگ کر پیچھے جاتی ہوں۔پتہ نہیں کس وقت باہر نکل جاتا ہے۔

کوئی بات نہیں۔معاذ نے بڑی ملائم آواز میں کہا۔بچوں کو چوٹ لگ ہی جاتی ہے۔اس عمر میں بچے ایک پل چین سے نہیں بیٹھتے۔

مگر یہ تو کچھ ضرورت سے زیادہ ہی شوخ ہے۔

سب بچے ایسے ہوتے ہیں۔معاذ پھر آہستہ سے بولا۔

exponovels

For more visit (exponovels.com)

بس اسے تو بے جی ہی قابو کر سکتی ہیں۔

رملی نے جان بوجھ کر بے جی کا ذکر چھیڑ دیا تاکہ ان کو بلانے کی بات شروع کر سکے۔

معاذ تھوڑی دیر چپ رہا۔ پھر بولا۔

تمہیں بے جی نے نہیں بتایا۔ میں بچپن میں بہت شریر ہوا کرتا تھا۔ ہر وقت مجھے چوٹیں لگتی تھیں۔

ایک بار کنوئیں میں بھی گر گیا تھا۔ ہر روز بے جی کے لئے کوئی نہ کوئی مصیبت کھڑی کر دیتا تھا۔

رملی نے اثبات میں سر ہلایا۔

بے جی مجھے سب کچھ بتاتی رہتی ہیں۔

اس لحاظ سے تو ہمارا موجو بڑا شریف بچہ ہے۔ دو سال میں یہ پہلی بڑی شرارت کی ہے اس نے......

رملی چپ رہی۔ کیوں کہ اسے تو موجو نے چند مہینوں میں ہی بیدم کر دیا تھا۔

پھر معاذ شرارت سے ہنس کر بولا۔

طبیعت کا یہ سکون اور یہ تھوڑی سی شرافت غالباً اس نے تم سے لے لی ہے......

رملی کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ جانتی تھی۔ معاذ یہ سب کچھ خوش نیتی سے کہہ رہا ہے۔ مگر اپنے آپ پر اسے شرم آئی۔ وہ طبعی شرافت کی وجہ سے لئے دیے میں نہ رہتی تھی۔ وہ تو اپنی نفرت کو چھپانے کی خاطر چپ چاپ رہتی تھی۔

ڈاکٹر کے کلینک میں پہنچے تو ڈاکٹر نے بتایا کہ اس کا اوپر والا ہونٹ پھٹ گیا ہے اور ایک ٹانکا لگانا پڑے گا۔

ابھی ڈاکٹر کے منہ سے یہ الفاظ ادا ہوئے تھے کہ رملی کو یوں محسوس ہوا ڈاکٹر نے سوئی اٹھا کے اس کے دل میں کھبو دی ہے۔

رملی کا رنگ ہلدی کی طرح زرد ہو گیا۔

معاذ نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ رمو تم باہر جاؤ اور جا کر موٹر میں بیٹھ جاؤ میں موجو کی پٹی کروا کے آتا ہوں۔

رملی کی پلکوں پر دو التجائی آنسو لرز رہے تھے۔ کانپتی آواز میں ڈاکٹر سے پوچھنے لگی۔

ڈاکٹر صاحب ٹانکا لگانے سے میرے بچے کو تکلیف تو نہیں ہو گی؟

نہیں ہو گی بی بی...... ڈاکٹر ہنس کر بولا ہم جانتے ہیں بچے کو کس طرح ٹانکا لگایا جائے

For more visit (exponovels.com)

پھر جاتے جاتے مڑی اور اچانک بولی۔

اس کا ہونٹ پہلے کی طرح ٹھیک ہو جائے گا نا؟ کہیں میرا بچہ بدصورت تو نہیں ہو جائے گا۔

ڈاکٹر ہنسنے لگا۔

محترمہ آپ تسلی رکھیں۔ کچھ دنوں تک اس چوٹ کا نشان بھی نہیں رہے گا۔

رملی باہر نکل آئی اور موٹر میں بیٹھ گئی۔ موٹر میں بیٹھتے ہی اسے خیال آیا کہ اس نے ڈاکٹر سے کیسا بےہودہ سوال پوچھ لیا تھا۔ کہیں میرا بچہ بدصورت تو نہیں ہو جائے گا۔

اسے معاذ کے سامنے یہ سوال نہیں پوچھنا چاہیے تھا۔ آخر یہ بدصورتی کا احساس اس کے اندر سے ختم کیوں نہیں ہو جاتا۔ اور کیا دیکھنا باقی ہے......؟

بس منہ سے بےخیالی میں ایسے جملے نکل جاتے ہیں۔ اس نے بے اختیار موٹر کے آگے لگے ہوئے ننھے سے شیشے میں اپنا چہرہ دیکھا؟

کیا تو پہلے جیسی ہے......؟

پھر اس نے اردگرد بازار میں آتے جاتے ہوئے لوگوں کو دیکھا۔

اس کی زندگی کا فلسفہ ہی بدل گیا تھا۔

کچھ دن پہلے وہ معاذ کے ساتھ اسی بازار میں آئی تھی اس روز انہیں موجو کے لئے نئے جوتوں کی ضرورت تھی۔

معاذ تھکا ہارا گھر آیا۔ تو رملی نے آہستہ سے بتا دیا کہ موجو کے سب جوتے ٹوٹ گئے ہیں۔

تو معاذ نے فوراً کہا۔

چلو بازار چل کر لے آتے ہیں۔

پہلے آپ چائے پی لیں۔ منہ ہاتھ دھو لیں۔ رملی نے جلدی سے کہا۔

کہیں دوکانیں تو بند نہیں ہو جائیں گی۔

نہیں۔ رملی بولی۔ دوکانیں تو آٹھ بجے تک کھلی رہتی ہیں۔

ٹھیک ہے۔ معاذ نے کہا۔ پھر ہاتھ منہ دھو کر کپڑے بدلے۔ چائے پی اور ان دونوں کو لے کر بازار آ گیا۔

جوتوں کی دوکان کے اندر داخل ہوتے ہی سامنے قدآدم آئینے پر رملی کی نظر ٹھہر گئی۔ اس نے اپنا سراپا دیکھا۔ اور اپنے آپ کو معاذ کے ساتھ اندر آتے ہوئے بھی دیکھا۔

وہ اپنا آپ دیکھ کر حیران رہ گئی۔ وہ بالکل ایک عام سی عورت لگ رہی تھی۔ آنکھوں کے گرد حلقے تھے رنگ میلا ہو رہا تھا چہرہ مرجھایا ہوا تھا۔ بالوں میں وہ پہلے

For more visit (exponovels.com)

جیسی چمک نہ تھی۔

اس میں پہلے جیسا بانکپن نہ تھا۔ جس طرح ایک پھول شاخ سے لگا رہے تو خوب تروتازہ نظر آتا ہے۔ شاخ سے توڑ کے گلدان میں لگا دیں تو اس کی رعنائی ماند پڑ جاتی ہے......

کہاں گیا وہ روپ کا خزانہ......؟

اس نے خاص طور پر غور کیا کہ وہ معاذ کے ساتھ چلتی ہوئی عجیب نہیں لگ رہی تھی اور معاذ بھی اب کچھ زیادہ برا نہیں لگتا تھا۔ پھر اس نے اردگرد کا جائزہ لیا۔ تو بہت سی عورتیں اپنے بچوں کو لے کر اپنے شوہروں کے ہمراہ آئی ہوئی تھیں۔ سب میاں بیوی بس ایسے ہی تھے۔ شاید جب بچے ہو جاتے ہیں۔ تو میاں بیوی ایک دوسرے کو نہیں دیکھتے۔ صرف بچوں کو دیکھتے ہیں۔ اور بچوں کو دیکھتے دیکھتے آرزوؤں اور خوابوں کی عمر گزر جاتی ہے۔

رملی کو اچانک محسوس ہوا کہ پچھلے صوفے پر بیٹھی ہوئی ایک ماڈرن سی عورت کو معاذ بار بار دیکھ رہا تھا۔

رملی نے بھی بطور خاص اسے دیکھا۔ کوئی خاص بات تو نہ تھی اس میں......

مگر وہ اپنے شوہر سے باتیں کرنے میں اتنی مگن تھی کہ اسے اردگرد کا ہوش نہ تھا۔ دونوں میاں بیوی ایک دوسرے میں گم تھے۔ غالباً وہ بھی پہلے بچے کے لئے جوتے لینے آئے تھے۔ بچہ پاس ہی جوتوں سے کھیل رہا تھا۔ اس کا شوہر بھی بہت کالا تھا۔ مگر وہ دونوں ایک دوسرے میں مگن تھے شاید معاذ یہی سب دیکھ رہا تھا۔ پھر رملی نے محسوس کیا۔ سب شوہر بیوی بات بات میں ایک دوسرے سے مشورے لے رہے تھے۔ جب کہ وہ بالکل خاموش تھی اور رملی کو یہ محسوس کر کے تعجب ہوا کہ اسے معاذ کا اتنی محویت سے اردگرد کی عورتوں کو دیکھنا بہت برا لگا۔ کچھ حسد کی سی کیفیت پیدا ہوئی۔ اسی وقت اس نے سوچا...... جب عورت اپنے شوہر کے علاوہ کسی دوسرے مرد کو دلچسپی سے دیکھتی ہے...... تو شوہر کی کیا کیفیت ہوتی ہوگی۔

مرد تو اس قسم کے اقدام کو ایک لمحے کے لئے بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ مرد عورت سے زیادہ اس عورت سے زیادہ غصہ دار اور عورت سے زیادہ تنگ دل ہوتا ہے۔ بعض اوقات تو صرف شک کی بناء پر ہی عورت کو قتل کر دیتا ہے۔ یہ سوچ کر رملی کو جھرجھری آ گئی۔ اور ساتھ ہی شرم بھی......

پتہ نہیں معاذ نے یہ سب کیسے برداشت کیا ہوگا......؟

کیا معاذ فرشتہ ہے یا دیوانہ......؟

اگر اس کی محبت بھری باتیں یاد کرتی تو وہ محض ایک دیوانہ سا لگتا...... اور اگر اس کے موجودہ رویے پر غور کرتی تو وہ ایک فرشتے کی مانند نظر آتا......

مگر...... مگر...... راہ میں کہیں شیشے کی ایک دیوار اچانک آ گئی تھی۔

exponovels

بالکل ایسے جیسے کام کرتے کرتے اس کی خوبصورت آنکھوں کے آگے پانی کی ایک دیوار آجاتی تھی۔اور دور و نزدیک کی ہر شے دھندلا جاتی تھی۔

وہ سیٹ پر سر رکھے۔منہ اوندھائے بیٹھی تھی کہ معاذ موجو کو کندھے سے لگائے آگیا۔معاذ نے موٹر کا دروازہ کھولا تو رملی نے چونک کر سر اٹھایا۔اور پھر ہاتھ بڑھا کر موجو کو پکڑ لیا۔موجو پر اس وقت غنودگی سی طاری تھی۔رملی نے گھبرا کر پوچھا۔

اسے کیا ہوا ہے......؟

معاذ نے اسٹیرنگ تھامنے سے پہلے رملی کے چہرے کو غور سے دیکھا۔اس کی پلکوں کے آس پاس آنسوؤں کے نشیبے لگ تھے۔شاید وہ بے خیالی میں روتی رہی تھی۔

اور معاذ نے سمجھا کہ اپنے بچے کے لئے روتی رہی ہے۔

ڈاکٹر نے اسے ٹیکہ لگا دیا ہے۔یہ تھوڑی دیر میں سکون سے سو رہے گا۔اب فکر کی کوئی بات نہیں......معاذ نے جواب دیا۔

موٹر چلی تو رملی نے موجو کو اپنے ساتھ بھینچ لیا۔

رمو......تھوڑی دیر آگے چل کے معاذ نے کہا۔فرض کرو کہ تمہارا بیٹا بدصورت ہو جائے۔تو پھر تم کیا کرو گی......؟

پھر اس نے ہنس کر گردن موڑی اور رملی کے زرد ہوتے ہوئے چہرے کو دیکھا۔

رملی نے ہونٹوں پر زبان پھیری اور شرمندہ سی آواز میں بولی۔

کچھ بھی نہیں......

کیا مائیں اپنے بدصورت بچوں سے محبت کرنا چھوڑ دیتی ہیں؟معاذ نے پھر پوچھا۔

رملی جان بوجھ کر خاموش رہی۔اسے افسوس ہونے لگا کہ اس نے معاذ کے سامنے ڈاکٹر صاحب سے ایسا بودا سوال کیوں پوچھا۔

ایک ماں ہی تو ہے۔جس کی محبت اس دنیا کی ایک بڑی سچائی ہے اور ماں ہی ہے۔جو عیبوں سے بھرے کر وہ صورت بچے سے بھی ٹوٹ کر پیار کرتی ہے۔

رملی نے ڈرتے ڈرتے معاذ کا چہرہ دیکھا۔اس کے چہرے پر بڑی سنجیدگی تھی۔اس سنجیدگی سے رملی کو ڈر آنے لگا۔اسے معاذ ہنستا کھیلتا ہی اچھا لگتا تھا۔سنجیدہ ہو کر جانے کیوں خوفناک لگنے لگتا تھا۔

ماں کے علاوہ......رملی نے ڈرتے جھجکتے رک رک کر کہنا شروع کیا۔اور رشتے بھی ہیں جو سچی محبت کے مظہر ہوتے ہیں۔

اب معاذ بالکل خاموش رہا۔غالباً اسے کسی روایتی سوال کی ضرورت نہ تھی۔

اس لئے رملی پھر اسی انداز میں اٹک اٹک کر بولنے لگی۔

For more visit (exponovels.com)

exponovels

جب کوئی انسان کسی انسان کے اندر کا حسن یا نیکی دیکھ لیتا ہے۔تو......تو......

پھر اس نے ہونٹوں پر زبان پھیری......

اصل میں محبت کرنے کے لئے پہلے محبت کو سمجھنا بہت ضروری ہے ہم بادی النظر میں جسے محبت کہہ لیتے ہیں۔وہ محبت نہیں ہوتی......

درحقیقت محبت کے لئے کوئی پیمانہ مقرر نہیں کیا جاسکتا۔یہ تو......یہ تو......

اپنے ہی انداز سے بوکھلا کر رملی خاموش ہوگئی۔جانے کیا کہنا چاہتی تھی۔اور منہ سے کیا کچھ نکل رہا تھا۔سیدھی سی بات تھی۔وہ اگر کہہ سکتی تو کہہ دیتی کہ سچی محبت شکل وصورت سے ماوری ہوتی ہے۔اور تم ٹھیک کہتے ہو۔دنیا میں ماں ہی سچی محبت کی عظیم علامت ہے۔

مگر وہ اس کے علاوہ بھی کچھ کہنا چاہتی تھی۔یہ کہنا چاہتی تھی کہ سچی محبت نیکی کی طرح دھیرے دھیرے قریب آتی ہے۔مذہبی کتاب کی طرح اپنے ورق آہستہ آہستہ الٹتی ہے۔

جس طرح منہ اندھیرے دبے پاؤں چلنے والی ہوا۔کلیوں پر شبنم گراجاتی ہے۔اور طلوع ہوتے سورج کے ساتھ ساتھ کلیاں غنچوں اور پھولوں میں بدلتی جاتی ہیں۔اور جب محبت ادراک کے دروازوں پر دستک دیتی ہے۔تو شکل وصورت کے ساتھ عیب دب جاتے ہیں محبت اور کچھ نہیں ایک احساس ہے۔نیکی کی طرح دل میں کسی لمحے اچانک پھوٹتا ہے......

لیکن پھر اسے کچھ بھی کہنا نہیں آیا......

اور گھر آ گیا۔

❁❁❁

رات موجو کو اپنے پاس پلنگ پر سلانے کے بعد رملی اٹھ کر بیٹھ گئی۔اپنی ہی سوچوں میں ڈوبی ہتھیلی رخسار پر رکھے بیٹھی تھی کہ معاذ کپڑے بدل کر اس کے قریب سے گزر گیا۔وہ اپنی اسٹڈی میں چلا گیا اور اس نے حسب عادت بیچ والا دروازہ بند کر دیا۔رملی بڑی دیر تک اس دروازے کو دیکھتی رہی۔اور پھر سوچنے لگی......کہ انسانی محسوسات حیرت انگیز طور پر بدل جاتے ہیں۔کچھ عرصہ پہلے جب معاذ اس کے قریب آیا کرتا تھا۔تو اس کے جذبات نفرت کے مارے سکڑ جاتے تھے۔اور وہ چاہتی تھی کسی طرح یہ آدمی دور چلا جائے۔جا کر کسی دوسرے کمرے میں سوجائے۔اس سے بات تک نہ کرے۔مگر آج جب وہ دوسرا آدمی بیگانگی سے اس

For more visit (exponovels.com)

کے قریب سے گزر کر دوسرے کمرے میں سونے کے لئے چلا گیا تھا تو اسے کتنا قلق ہوا تھا ایک چھری سی سینے میں اتر گئی تھی......

وہ اپنے آپ موازنہ کرنے لگی......ایک بدصورت مرد کو برداشت کرنا مشکل تھا یا اس کی سرد مہری کا مقابلہ کرنا مشکل ہے۔

یقیناً یہ مشکل ترین صورت حال ہے۔ اس نے اپنے آپ سے کہا۔ پتہ نہیں جو مشکل گذر جاتی ہے۔ وہ چھوٹی کیوں ہو جاتی ہے۔...... ہر نئی مشکل پہلے سے بڑی کیوں لگتی ہے......؟

ایک ہی گھر میں رہنا۔ ایک ہی کمرے میں رہنا...... مگر اتنے فاصلوں میں رہنا......؟ یہ فاصلے کس نے پیدا کئے رملی......؟

رملی بے اختیار رونے لگی۔ جب اس کے آنسو اجلے بستر کی سفید چادر پر بارش کی بوندوں کی طرح گرنے لگے۔ تو اسے اپنے آنسوؤں پر بھی غصہ آنے لگا۔ اس نے سوچا......اس پورے عرصے میں ایک ہی کام ہے۔ جو اس نے تواتر کے ساتھ کیا ہے۔ اور وہ ہے رونا......!

اف......

رونے کے سوا اس نے کیا کیا ہے......؟

اور یہ ساری رونے کی ہی نحوست ہے۔

اے کاش وہ بات بات میں نہ رویا کرتی۔ تو زندگی اس منحوس دوراہے پر نہ آ کر کھڑی ہو جاتی۔

جلدی سے وہ اپنی ہتھیلیوں سے اپنی آنکھیں صاف کرنے لگی۔ اسی وقت نہ جانے کیسے معاذ دروازہ کھول کر اس کے کمرے میں آ گیا اور اس کے قریب کھڑا ہو کر اسے غور سے دیکھنے لگا۔

موجو تو ٹھیک ہے نا؟ معاذ نے بڑے ملائم لہجے میں پوچھا۔

جی بالکل ٹھیک ہے......

پھر معاذ نے بے اختیار آگے بڑھ کر موجو کے ماتھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ وہ اس وقت بھی گہری نیند سو رہا تھا۔ جس وقت معاذ نے آگے بڑھ کر موجو کو چھوا اس کے اندر سے اک گرم مگر جان لیوا مہک نکلی جو سیدھی رملی کے نتھنوں میں گئی......

وہ بالکل اس کے قریب......اس کے سانسوں کے آس پاس موجو پر جھکا ہوا تھا۔

اس کے نفیس اور بے شکن کپڑے اس کی آنکھوں کے بالکل آگے تھے۔ اس کی مخصوص خوشبو رملی کا گھیراؤ کر رہی تھی۔ اس وقت اچانک رملی کو یوں جان پڑا، جیسے خوشبو کی بھی زبان ہوتی ہے۔

exponovels

خوشبو باتیں کرتی ہے۔خوشبو ہنستی ہے۔اور خوشبو ان کہی کہانیاں کہتی ہے۔

کبھی کبھی خوشبو کہتی ہے مجھ سے لپٹ جاؤ......!

رملی کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

اسی وقت معاذ سیدھا ہو کر کھڑا ہو گیا۔اور بولا۔

موجو تو اب بالکل ٹھیک ہے۔یہ ساری رات سکون سے سویا رہے گا۔اس کے اس طرح سونے سے ڈرنا نہیں اسے ڈاکٹر نے سونے کی دوائی دی ہے۔

جی اچھا......رملی نے آہستہ سے کہا۔

تم بہت پریشان لگ رہی ہو۔کیا بات ہے......

کچھ نہیں......کچھ نہیں کہتے کہتے۔رملی کی آواز بھرا گئی۔

تمہیں معوذ کو ساتھ سلانے کی عادت نہیں ہے۔اگر تم رات کو بے آرام ہوتی ہو تو اسے میں اپنے پاس سلا لیتا ہوں......

رملی نے آنسو بھری آنکھیں اٹھا کر معاذ کی طرف دیکھا جیسے کہہ رہی ہو......

اسے بھی......اسے بھی......اپنے پاس سلا لینا چاہتے ہو۔میری راتیں بالکل ویران کرنا چاہتے ہو۔ہر چیز مجھ سے لینا چاہتے ہو۔

مگر وہ رندھے ہوئے گلے کے ساتھ بولی۔

بھلا اپنے بچے کو اپنے ساتھ سلانے میں ماں کو کیا تکلیف ہو سکتی ہے۔وہ کوئی بد نصیب ماں ہو گی۔جو ایسا سوچے گی......

اصل میں یہ تو شروع دن سے بے جی کے پاس سو رہا ہے نا؟......معاذ جانے کے لئے مڑا۔

ہاں......رملی کھڑی ہو گئی اور بولی۔بے جی کب آئیں گی کب بلوائیں گے آپ انہیں......؟

معاذ نے پلٹ کر اسے دیکھا اور پوچھا......کیوں......؟

ویسے ہی میرا دل بے جی کے لئے بہت اداس ہو گیا ہے اور یہ کہتے ہی رملی کے آنسو پھر نکلنے لگے۔

میں نے تم سے کہا تھا نا رملی......معاذ جاتے جاتے واپس آ گیا۔بے جی کسی کے کہنے سے نہیں آیا کرتیں۔اپنی مرضی سے جاتی ہیں اور اپنی مرضی سے آ جاتی ہیں۔

رملی نے جلدی سے اپنے آنسو صاف کئے اور بولی۔

آپ ایک بار مجھے جانے کی اجازت دے دیں۔میں خود ان کو لے آؤں گی۔

For more visit (exponovels.com)

اس طرح بے جی سمجھیں گی شاید میں نے تمہیں کوئی تکلیف دے رکھی ہے......؟

تکلیف......؟ رملی نے اپنی زخمی آنکھیں اٹھائیں اور اس کی آنکھوں میں گاڑ دیں......نہیں...... بے جی جانتی ہیں آپ ایسے نہیں ہیں میں انہیں صاف بتا دوں گی کہ جس دن سے میری شادی ہوئی ہے۔میں ان کے ساتھ رہ رہی ہوں۔میں ان سے مانوس ہو گئی ہوں۔ان کے بغیر نہیں رہ سکتی......؟

معاذ مسکرایا......

اس کا مطلب ہے بے جی بڑی خوش نصیب ہیں۔اس سے تم بے جی سے ایسی باتیں نہ کہنا۔اس دنیا میں ایک میری ماں ہی تو میری اپنی ہے۔ایسی باتیں کر کے تم اسے بھی مجھ سے چھین لینا چاہتی ہو۔

معاذ......رملی کے ہونٹ پھڑک کر رہ گئے۔اس نے ایک بڑا سا گھونٹ بھرا۔

(اذیت دینا تمہاری عادت نہ تھی۔نہ جانے یہ ادا تم نے کہاں سے سیکھی)

میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں......

کہو۔

معاذ واپس آ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

میں نے اس روز آپ سے کہا تھا کہ آپ مجھے جو بھی سزا دینا چاہیں دے لیں مگر طلاق نہ دیں۔یہ سب غلط تھا۔

کیا غلط تھا......؟ معاذ کا رنگ ایک دم اڑ گیا۔

میں نے بڑے دعوے سے کہا تھا نا کہ جو سزا چاہیں دے لیں......ہے نا؟

ہاں......!

مگر یہ غلط تھا۔آپ کی طرف سے میں کسی بھی سزا کی متحمل نہیں ہو سکتی۔جو سزا آپ مجھے دے رہے ہیں۔وہ برداشت سے باہر ہے۔آپ مجھے معاف نہیں کر سکتے؟

رملی......معاذ نے آہستہ سے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا۔معاف کرنے اور بھول جانے میں بڑا فرق ہے۔میں تمہیں وثوق سے کہہ رہا ہوں کہ میں نے اسے تمہاری ایک نادانی سمجھ کر اسی روز معاف کر دیا تھا۔جس روز میں دوپٹہ لے کر آیا تھا......

اور آپ نے مجھے بتایا تک نہیں......وہ گلے بھرے انداز میں بولی۔

کیا بتاتا......؟ کہ میں نے یہ کارنامہ سر انجام دیا ہے۔اب تم زندگی بھر میری احسان مند رہنا۔نہیں رملی......مجھے احسان مندی کے جذبات پسند نہیں۔میں تمہیں اپنا

شکرگذار کر کے اپنا مطیع نہیں کرنا چاہتا۔ رملی تم جانتی ہو احسان مندی اور محبت میں بہت فرق ہوتا ہے۔ اور میں یہ بھی جانتا ہوں طبعًا تم معصوم اور نیک لڑکی ہو جو کچھ بھی تم سے ہوا۔ وہ نادانستہ طور پر ہوا۔ اسی لئے تو جوانی کو ایک بھول کہا گیا ہے۔...... میں نے اپنے آپ کو اس قابل بنایا کہ میں تمہیں معاف کر دوں۔ میں ایک روایتی شوہر بن کر نہ دکھاؤں۔ شاید ان ساری باتوں میں بے جی کی تربیت اور ان کے حکم کا بھی دخل ہے......؟

جی......؟

رملی اس بری طرح چونکی جیسے اس نے کوئی دیو دیکھ لیا ہو۔

کیا کہہ رہے ہیں آپ......؟

شاید مجھے یہ بات نہیں بتانا چاہیے تھی۔ مگر اب میرے منہ سے نکل گئی ہے۔ تو صاف صاف بتا دیتا ہوں۔ جو کچھ میں نے کیا بے جی کے حکم سے کیا ہے......

رملی کا پورا جسم لرزنے لگا۔

تو......تو......اس کا مطلب ہے اس پوری بات کا بے جی کو علم تھا؟

ہاں انہیں علم تھا......

انہیں کیسے پتہ چلا......؟

میں اس کی تفصیل نہیں بتانا چاہوں گا۔ لیکن نجات کا ایک راستہ مجھے بے جی نے سمجھایا تھا۔ وہ ایک زمانہ بیں خاتون ہیں۔ تمہاری اچانک بیماری اور بار بار غشی کا بھید ان سے چھپا نہیں رہ سکتا تھا۔ اپنے طور پر بے جی بہت ہی باخبر خاتون ہیں۔ شاید تمہیں اس بات کا پتہ نہیں ہے۔ بے جی نے ٹھیک کہا تھا۔ صرف ایک انسان کے معاف کر دینے سے ایک پورا خاندان بچ سکتا ہے۔ بے جی نے ٹھیک کہا تھا۔ صرف ایک انسان کے معاف کر دینے سے ایک پورا خاندان بچ سکتا ہے۔ اور ایک فرد کی عقلمندی سے ایک غلطی بروقت درست کی جاسکتی ہے۔ تم جانتی ہو۔ میرے لئے بے جی کا حکم قرآن کا ورق ہے۔ ورنہ میں بھی دوسرے مردوں سے کچھ مختلف نہیں ہوں۔

جاری ہے...

For more visit (exponovels.com)

رملی کو ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔ ایک عجیب سے خوف کی لہر اس کے پورے جسم میں دوڑ گئی۔ اس نے بہت سہم کر بہت ڈر کر معاذ کی جانب دیکھا۔

معاذ نے رملی کے چہرے کے بدلتے رنگوں کو خوب اچھی طرح محسوس کیا پھر ایسے مسکرانے لگا جیسے کسی بچے کو پر چانے کے لئے مسکراتے ہیں۔

رملی میں تم سے نفرت نہیں کر سکتا۔ نفرت کے جراثیم میرے اندر نہیں ہیں۔ میں تم سے انتقام نہیں لے سکتا کیونکہ میں بے جی کا بیٹا ہوں اور بے جی نے میری فطرت میں سے ایسے سارے کانٹے چن چن کے نکالے ہیں۔ لیکن...... لیکن...... ان سب باتوں کے باوجود میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں فرشتہ نہیں ہوں۔ میں انسان ہوں اور انسان ہی رہنا چاہتا ہوں اور پھر انسان ہونے کے ساتھ میں ایک شوہر بھی ہوں۔ تم جانتی ہو نا؟ شوہر اونٹ کی طرح اپنا کینہ اپنے اندر رکھتا ہے۔ مگر مجھ میں اور روایتی شوہروں میں بس اتنا فرق ہے کہ میں اپنی کمزوریوں اور خامیوں کا اعتراف بھی کر لیتا ہوں۔ اعتراف کر لینے سے ضمیر کی کسک نہیں رہتی...... شاید میرے اندر تھوڑا سا کینہ ہے یا غصہ ہے...... یا رنج ہے کچھ ہے جسے میں باہر نکالنا چاہتا ہوں۔ تم مجھے تھوڑا سا وقت دو رملی......

مرد کو محض ایک جانور نہیں سمجھنا چاہیے...... یا میں محض ایک جانور نہیں ہوں۔ محبتوں کے عمل محبتوں سے ہی زیب دیتے ہیں اور پھر میں صاف دلی سے تمہارے قریب آنا چاہتا ہوں۔

اب جب کہ مجھے پتہ چل گیا ہے کہ میں تمہارے خوابوں کا شہزادہ نہیں ہوں۔ میں تمہیں موقع دینا چاہتا ہوں کسی نئے فیصلے کا...... کسی نئے جذبے کا......

آج تم محض میری شکر گذار ہو۔ لیکن قربتیں جذبوں کی تمنائی ہوتی ہیں۔ شاید میں جذباتی آدمی ہوں۔ بھوک کے بغیر کھانا نہیں کھاتا اور بے وقت پانی بھی نہیں پیتا۔ میں تمہیں مناسب وقت دینا چاہتا ہوں۔ ایسی صورت میں جب کہ ہم دونوں ہی ذہنی انتشار کا شکار ہیں۔ خلق خدا میں اضافہ کرنے سے کیا فائدہ......؟

رملی نے سر جھکا لیا۔ ایک ٹھنڈی سانس لی اور سر کو ہاتھوں سے تھام لیا۔ اب وہ کیا کچھ سمجھنے کے قابل ہو گئی تھی۔ مگر کہنے کے قابل نہ ہوئی تھی اور کہتی بھی تو کس منہ سے؟

معاذ کھڑا ہو گیا...... پھر اس کے قریب آیا۔ اس کے پاس بیٹھ گیا۔ جھک کر اس کا ٹھنڈا یخ ہاتھ اپنے دونوں گرم ہاتھوں میں تھام لیا۔

اسی وقت رملی کو یوں لگا جیسے فیوز تاروں میں بجلی کی لہر دوڑ گئی ہو پہلے بھی بار ہا اس نے رملی کا ہاتھ پکڑا تھا۔ مگر اس کے ہاتھ میں آتے ہی رملی کا ہاتھ مردہ ہو جاتا تھا۔ آج رواں رواں سوالی بن گیا۔

رمو! میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ وہ بڑے پیار سے بولا اور یہ محض ایک عارضی دور ہے۔ یہ بھی گذر جائے گا۔ تم خوش خوش رہا کرو......

اور ہاں...... اسی طرح اس کا ہاتھ پکڑے پکڑے بولا۔ کتنے دن ہو گئے تم ابا جی کی خیر لینے نہیں گئیں......؟

For more visit (exponovels.com)

ایک ہفتہ ہی تو ہوا ہے......؟ رملی بسور کر بولی۔

نہیں ہمیں ہر دوسرے تیسرے روز جانا چاہیے۔ پہلا سال تنہائی کا ان کے لئے بہت اذیت ناک ہوگا۔ تم مجھے یاد دلا دیا کرو۔ میں بعض اوقات کام کی زیادتی کی وجہ سے بھول جاتا ہوں۔ اچھا کل شام کو چلیں گے اور کھانا ان کے ساتھ کھائیں گے۔

رملی نے صرف سر ہلایا۔

معاذ نے رملی کا ہاتھ چھوڑ دیا اور کھڑا ہو گیا۔

اچھا رمو......شب بخیر......اس نے ایک جمائی لی اور چلا گیا۔

وہ تو رملی کا ہاتھ چھوڑ کر جا چکا تھا۔ مگر رملی کے ہاتھ پر اس کی ہتھیلی کی گرفت رہ گئی تھی۔

ابھی تک ایک گرم حلقہ تھا جس نے اس کے ہاتھ کو گھیرے میں لیا ہوا تھا۔ ابھی تک ایک مجروح سی تمنا اس ہاتھ پر بیٹھی تھی۔

پھر ایک اجنبی سی خواہش نے دل کو گدگدایا......پھر کسی شناسا درد نے دل میں چٹکی لی۔

عجیب ہے یہ عورت ذات بھی۔ سارا دن ذرہ ذرہ چن کر اپنے آپ کو جوڑتی رہتی ہے اور رات کو ریت کی طرح بکھر جانا چاہتی ہے۔

اپنی اس تبدیلی پر رملی کو بہت تعجب ہوا۔

معاذ کے چلے جانے سے اس کا دل اداس ہو گیا تھا۔

آج اس کا دل بے اختیار چاہ رہا تھا۔ وہ معاذ کو روک لے......مگر جو کچھ معاذ نے کہا تھا۔ اسے سننے کے بعد وہ پتھر کی طرح بوجھل بن کر بیٹھی رہ گئی اور اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکی......مڑ کر دائیں جانب دیکھا......تو ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں اپنی ہی صورت نظر آ گئی......وہ اپنے آپ کو یوں دیکھنے لگی جیسے پہلی مرتبہ دیکھ رہی ہو۔ اپنے چہرے کا اک اک نقش اجنبی لگ رہا تھا۔ پتہ نہیں اپنا آپ کہاں رکھ کر بھول گئی تھی۔

کیا اس حسن پر تجھے ناز تھا......؟ جسے وہ نظر انداز کر کے چلا گیا ہے؟

اس نے اپنے آپ سے پوچھا۔

حسن تو اک سوز مسلسل ہے۔ حسن تو ایک کرب ہے......حسن تو ایک ناسور ہے۔

حسن تو ایک سزا ہے۔

پتہ نہیں لوگ حسن کی تمنا کیوں کرتے ہیں۔

For more visit (exponovels.com)

شمع کتنی روشن ہوتی ہے۔مگر اس کا جگر ہمیشہ جلتا رہتا ہے۔لوگ اس کے جلنے کو زندگی کی علامت کہتے ہیں......خود جل کے دوسروں کو روشنی دینا کس

قدر مشکل کام ہے۔

حسن کے نصیب میں عام طور پر آنسو آتے ہیں۔

حسن کو اپنا خراج ہمیشہ آنسوؤں سے ادا کرنا پڑتا ہے۔

حسن کو اپنی قیمت اپنی کسی محرومی کی صورت میں ادا کرنی پڑتی ہے۔

وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

اپنا سارا سراپا آئینے میں دیکھا اور سوچا۔

باری تعالی......مجھے اتنا حسن نہ دیتا۔مگر اچھے نصیب دے دیتا۔

کتنی خوش رہتی ہیں یہ عام سی شکلوں کی لڑکیاں۔

اچھی صورت کا سب سے بڑا عیب ہی یہ ہے کہ دیکھنے والے اسے منزل سے بھٹکا دیتے ہیں۔

اس نے بتی بجھائی اور آ کر بستر پر لیٹ گئی۔

لیٹتے ہی اسے معاذ کا خیال آیا۔کل تک جس کے خیال سے اسے گھن آتی تھی۔آج اس کا خیال دربان بنا احساس کے ہر دروازے پر کھڑا تھا۔تب

اس نے سوچا......!

مرد کی خوبصورتی کیا ہوتی ہے۔بھلا......؟

اس کے پورے وجود پر جیسے آوازوں کی بارش ہونے لگی۔

خوبصورت مرد وہ ہوتا ہے۔جو عورت کی بڑی سے بڑی خطا معاف کر دیتا ہے۔

خوبصورت مرد وہ ہوتا ہے۔جو عورت کو روٹی کپڑا اور پناہ دیتا ہے۔

خوبصورت مرد وہ ہوتا ہے جو روٹی کپڑا اور پناہ دے کر احسان نہیں کرتا۔بلکہ خود شکر گزار نظر آتا ہے۔

خوبصورت مرد وہ ہوتا ہے۔جو وحشت کے گھوڑے پر سوار ہو کر عورت کی انا کی دھجیاں نہیں اڑا دیتا......

خوبصورت مرد وہ ہوتا ہے۔جو مانگے بنا عورت کو محبت دیتا ہے۔

For more visit (exponovels.com)

خوبصورت مرد ہوتا ہے۔ جو عورت کو نفسانی خواہش کا محض آلہ نہیں سمجھتا۔

خوبصورت مرد وہ ہوتا ہے جو عورت کی نیند کو اپنے نفس پر ترجیح دیتا ہے۔

خوبصورت مرد وہ ہوتا ہے جو عورت کو موتیا کا پھول سمجھتا ہے۔ موتیا کا پھول گرم سانس کی گرمی نہیں سہہ سکتا۔ وہ عورت کو اپنے مزاج کی تپش سے جلا کر راکھ نہیں کر دیتا۔

خوبصورت مرد......؟

افوہ! رملی نے سر کو تکیے پر ادھر ادھر دے مارا۔

❁❁❁

ایک شام کام ختم کر کے رملی نے معوذ کو کھانا کھلایا پھر اسے کمرے میں سلا کے ٹی وی دیکھنے بیٹھ گئی۔ کوئی بہت ہی دلچسپ پروگرام ہو رہا تھا پروگرام دیکھتے دیکھتے اسے یوں محسوس ہوا خوشبوؤں کے معطر جھونکے کسی خاص سمت سے آ رہے ہیں۔ کافی دیر بعد وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں آئی تو دیکھا۔ معاذ آئینے کے آگے کھڑا تیار ہو رہا تھا۔ اس وقت اس نے ایسی خوشبو لگا رکھی تھی جو رات کی تنہائی میں آواز بن کر ہر جذبے کو جگا دیتی ہے۔ رملی حیران سی جا کر اس کے پاس کھڑی ہو گئی۔

اور اسے دیکھنے لگی۔ معاذ نے کتھئی رنگ کا سوٹ پہنا ہوا تھا۔ اندر سفید سلک کی قمیض تھی اور اسی رنگ کی پرنٹڈ ٹائی باندھی ہوئی تھی۔ معاذ بہت اسمارٹ لگ رہا تھا۔ اگر اس کے پورے سراپے پر نظر ڈالو تو وہ ایک دم خوش لباس مرد نظر آتا تھا۔ تب رملی کی سمجھ میں آیا کہ مرد کی وجاہت اس کے پورے سراپے میں ہوتی ہے۔ صورت اس کے لئے ثانوی شے ہے مگر اس کی صورت پر ایک گرم گرم آنچ تھی۔ جسے رملی محسوس کیے بغیر نہ رہ سکی۔

کہاں جا رہے ہیں آپ......؟ رملی ضبط نہ کر سکی اور ایک دم پوچھ لیا۔

معاذ نے قرینے سے اپنے گھنے بال جمائے۔ پھر اسپرے کیا۔ ایک کریم لے کر اپنے چہرے پر لگائی۔ مڑ کر رملی کو دیکھا اور اپنے صحت مند ہاتھ ایک دوسرے کے ساتھ ملتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گیا...... اور بولا۔

میں جھوٹا آدمی نہیں ہوں اور جھوٹ کو چھپانے کے لئے رنگ برنگے بہانے بھی نہیں تراشتا...... وہاں تم بچوں کے ہوتے کے ... کھول کر دوبارہ پھول

For more visit (exponovels.com)

بتانے لگا۔

اور نہ میں نے کبھی دعویٰ کیا ہے کہ میں فرشتہ ہوں۔

بدنصیبی یا خوش نصیبی سے میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میں ایک بدصورت آدمی ہوں۔

رملی لرز گئی اور اس نے اپنی شرمندہ سی نگاہ جھکالی۔

ایسا تو کسی الہامی کتاب میں نہیں لکھا کہ بدصورت مرد جذبات واحساسات سے عاری ہوتے ہیں۔ ممکن ہے ایک عام مرد سے زیادہ آگ ہے میرے اندر......!

کبھی کبھی مجھے باہر جانا پڑے گا......اس کی اجازت میں تم سے ضرور لوں گا۔

اور تم جانتی ہو۔ تم اس کی اجازت مجھے ضرور دو گی۔

پہلے تو میں تمہارے جذبات سے آگاہ نہیں تھا۔ اس لئے انجانے میں تمہیں تنگ کرتا رہا۔

خیر اس کا ایک فائدہ بھی ہوا۔ ماشاءاللہ ہمارا ایک بچہ ہے۔ اب دنیا کی نظر میں ہم دونوں کامیاب میاں بیوی ہیں۔ میں اور تم بہت سے الزامات سے بری ہو گئے ہیں۔

میں جان گیا تھا تمہیں میرا قرب ناپسند ہے۔ پہلے بھی تم اپنی چیخیں اپنے گلے میں دبا کر میرے ساتھ بستر کرتی رہی ہو۔ میں تمہیں آزاد کر دیتا۔ مگر تم نے طلاق کو ناپسند کیا ہے۔ تمہارے اس جذبے کی میں قدر کرتا ہوں۔ ایک اور مجبوری بھی ہے۔ میری ماں تم سے بہت پیار کرتی ہے۔

تمہارا باپ آج کل بہت دکھی ہے۔ تم منتشر اور کھوئی کھوئی رہتی ہو تم سے ابھی تک فیصلہ نہیں ہو سکا......تم بہت معصوم ہو......میں چاہتا ہوں میں ہی بدترین آدمی بن جاؤں تاکہ تمہارے پاس میرے ساتھ نفرت کرنے کا جواز ہو۔

اس نے ایک بار پھر شیشہ دیکھا۔ سر سے پاؤں تک......

پھر رملی کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ اور بولا۔

تمہیں حیرت ہو گی کہ مجھ جیسا بدصورت انسان بھی بار بار شیشہ دیکھتا ہے۔ یہ کہتے وقت وہ ذرا بھی احساس کمتری میں مبتلا نظر نہیں آ رہا تھا۔ بلکہ عجیب سا وقار تھا اس کے چہرے پر......

بات یہ ہے کہ باہر کی عورت مرد کے ہر قسم کے وقار کو بحال کر دیتی ہے۔ اس کی انا کو ساتویں آسمان پر پہنچا دیتی ہے۔ اسے جھوٹی تعریف کے اتنے بار

For more visit (exponovels.com)

پہنا دیتی ہے کہ اسے اپنا اصل چہرہ نظر ہی نہیں آتا ...... جھوٹ بول بول کر ایک رات میں اسے اتنا سیراب کرتی ہے کہ صبح تک وہ ایک نیا مرد بن جاتا ہے۔ دنیا میں زندہ رہنے کے لئے ہر انسان کو خوش فہمیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے مجھ جیسے مرد بھی دکھاوے کا بناؤ سنگھار کر لیتے ہیں۔

اچھا خدا حافظ۔

اس نے چلتے چلتے کہا۔

ممکن ہے میں صبح آؤں ...... یا ذرا لیٹ آؤں ...... کچھ کہہ نہیں سکتا تم اطمینان سے سو جانا۔ گیٹ پر چوکیدار موجود ہے۔

اور وہ باہر نکل گیا۔

رملی کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ پتھر کی طرح راہ گزر میں پڑی رہ گئی ہے اور وہ اسے ٹھوکر لگا کے چلا بھی گیا ہے۔

تو گویا آج رات معاذ ایک دوسری عورت کے ساتھ گذارے گا۔ کون ہو گی یہ دوسری عورت ...... کیا اس سے زیادہ خوبصورت ہو گی ......؟

چھی چھی ...... ہو گی کوئی پیشہ ور طوائف ...... گندی عورت ...... ذلیل!

اور اس گندی عورت کے ساتھ ساری رات وہ اچھی اچھی باتیں کرے گا اور وہ سب کہے گا جو رملی سے کہتا رہا ہے ......

چھی ...... کتنا واہیات ہوتا ہے یہ مرد ...... جھوٹا اور کمینہ!

مگر مجھے پروا کیوں ہو ......؟

میں کیا جانتی ہوں اس کو ...... مجھے اپنا کارنامہ سنا کر چلا گیا ہے ...... جیسے میں جل ہی تو جاؤں گی۔ جلتی ہے میری جوتی ......؟

اور وہ کون سی حسن پریاں ہوتی ہیں۔ کمینی اور گھٹیا عورتیں ......

وہ اٹھ کر بے ارادہ باہر چلی گئی ...... ادھر ادھر گھوم پھر کر پھر اندر آ گئی۔ بے اختیار آئینے کے آگے کھڑی ہو گئی ...... بڑی حسرت سے اپنی صورت دیکھنے لگی۔ یوں لگا آج یہ صورت اجڑ گئی ہے۔

روپ کا پنچھی اڑ گیا ہے ......!

اونہہ ......

اس نے زور سے پاؤں فرش پر مارا ......

آخر مجھے اس کی پروا کیوں ہو۔ کیوں کروں میں اس کی پروا ...... مجھے بتاتا جاتا ہے کہ دنیا میں مجھ سے بھی زیادہ حسین عورتیں ہیں اور اسے میری

For more visit (exponovels.com)

ذرا بھی پروا نہیں ہے......؟

وہ...... وہ قابل ہی نہیں تھا۔خواہ مخواہ میں نے اسے سر پر چڑھانے کی کوشش کی...... منتیں کیں۔معافیاں مانگیں۔بھلا ایسے بدنیت انسان سے معافی مانگنے کی کیا ضرورت تھی۔

جو معاف کر دیتے ہیں۔وہ کوئی بدلے لیتے ہیں۔بدلہ لینا کیا اچھے انسانوں کا کام ہے۔

اونہہ......۔

میں اسے فرشتہ سمجھ بیٹھی تھی۔کیا فرشتے ایسے ہوتے ہیں۔سب مرد ہرجائی ہوتے ہیں اور تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے رملی......؟

آئینے نے پوچھا......

تم نے کیا کیا...... تمہیں کچھ یاد ہے؟

ایک کراہ کے ساتھ رملی شیشے کے آگے سے ہٹ گئی اور پھر معاذ کی اسٹڈی روم میں چلی گئی۔یونہی ایک ایک کاغذ کو اٹھا کر دیکھتی رہی۔ان پرزوں کو دیکھنے کا کیا فائدہ ہے رملی اصل بات تو وہ تجھے بتا گیا ہے۔ہاں اس بات کا تو غصہ ہے۔بھلا اصل بات بتانے کی کیا ضرورت تھی اور بھی مرد بددیانتیاں کرتے ہوں گے تو کیا اپنی بیویوں کو بتا کر جاتے ہوں گے......؟ بتا کر جانے کا مطلب تو یہ ہے کہ بیوی اس آگ میں مسلسل جلتی رہے اچھا اب وہ مجھے جلا جلا کر مارنا چاہتا ہے...... مگر میں کیوں جلوں......؟ میں ہرگز نہیں جلوں گی۔جلتی تو وہ بیویاں ہیں جو اپنے شوہر پر مرتی ہیں۔میں کیوں مروں گی ایسے خبیث انسان پر...... اچھا ہے میں نے تو اسے کبھی پسند ہی نہیں کیا......

غصے سے بل کھا کر وہ اسٹڈی روم سے باہر نکل آئی۔

بھلا مجھے پروا کیوں ہو......؟ جو مرضی ہو جائے...... میں نے پہلے کبھی اس کے دن رات کا حساب رکھا ہے جو آج پروا کروں۔پتہ نہیں پہلے کہاں کہاں جاتا ہوگا...... کیا بھروسہ ایسے مردوں کا بیویوں کے سامنے اپنی پارسائی کے قصے سناتے ہیں اور کرتوت یہ ہیں...... اونہہ......

آ کر اپنے بستر پر بیٹھ گئی۔

تھوڑی دیر بستر پر بیٹھی رہی...... پھر لیٹ گئی...... سیدھی چت...... چھت پر نظریں جمائیں تو تکیے میں سے معاذ کی خوشبو نکل آئی اور آ کر احساس سے لپٹ گئی......

کیا فائدہ ایسے گھٹیا آدمی کے بارے میں سوچنے سے......

For more visit (exponovels.com)

اب وہ کسی گندی عورت کی خوشامد کر رہا ہوگا۔ اس کی جھوٹی تعریف کر رہا ہوگا۔

وہ کم بختیں تو پیسے کی پیر ہوتی ہیں۔ پیسے جتھیانے کے لئے کوئی کتیا اس کی جھوٹی خوشامد کر رہی ہوگی۔ ہر روز سینکڑوں بے وقوف آتے ہیں ان کے پاس...... کتوں کو بھگتاتی ہیں۔

وہ چڑیلیں...... اور مرد تو روزِ اول سے بے وقوف بننا چاہتا ہے۔

بیوی کے ہاتھوں نہیں دوسری عورتوں کے ہاتھوں...... میں طوائف نہیں ہوں۔

پھر اس نے جھلا کر کروٹ بدل لی......!

تو تکیے میں سے دوسرا جھونکا نکل آ ای۔ پتہ نہیں معاذ کی خوشبو تکیوں میں کیوں بس گئی تھی۔

جب وہ اس کے دل میں نہیں بس سکا تھا تو تکیوں میں کیوں بس گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اسے اپنی شادی کی کچھ ابتدائی راتیں بھی یاد آ گئیں۔ معاذ قریب آ کر بیٹھتا تو یوں لگتا آگ کا ایک الاؤ قریب آ گیا ہے۔ پتہ نہیں اس میں اتنی تپش کیوں تھی؟ یہ تپش عشق کی علامت تھی بے خودی کی یا اس کے گرم جذبوں کی......

اس کے ہاتھ بہت گرم اور بہت بے تاب ہوتے تھے۔ ہاں کئی بار اس نے سوچا تھا۔ معاذ کی ابتدائی پرورش چونکہ گاؤں میں ہوئی تھی۔ اس لئے وہ شہری مردوں کی نسبت بہت توانا اور مضبوط تھا۔ اس کے ہاتھ تو لوہے کے ہاتھ لگتے تھے۔ معاذ کی سانسوں میں سے ہمیشہ ایک ہیجان انگیز مہک نکلا کرتی تھی۔ اس مہک کو کسی بچے کی سانس کی مہک سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی۔ مگر نہ جانے اس کی سانسوں میں سچائی کیوں بولتی تھی۔

وہ جب سو رہا ہوتا تب بھی اس کی خوشبودار سچ بولتی ہوئی سانسوں کی پھوار رملی کو بے چین کر دیتی...... وہ گھبرا کر آنکھیں کھول دیتی مگر آنکھیں کھولتے ہی اس کی نظر اس کے بدصورت چہرے پر جا پڑتی اور وہ ٹوٹ پھوٹ جانے کی کیفیت ایک دم زائل ہو جاتی۔ پھر وہ دل مسوس کر ایک دم کروٹ بدل لیتی۔ اٹھتے بیٹھتے ہوئے...... چلتے پھرتے ہوئے۔

معاذ ایک فولادی آدمی لگتا تھا۔ چھا جانے والا......!

ابھی ابھی...... تو اسے ان سب باتوں کی سمجھ آئی تھی...... ابھی...... ابھی...... تو اسے پتہ چلا تھا کہ مرد کی اصل کیا ہے۔

اچھا ہے وہ اور زیادہ نہیں جھکی تھی۔ اس کے آگے سر نہیں پٹکا تھا۔ وہ اس قابل تھا ہی نہیں۔

اُفوہ......!

For more visit (exponovels.com)

اس نے سر کو ادھر ادھر جھٹکا۔ وہ مسلسل معاذ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

اگر مجھے اس کی پروا نہیں ...... مجھے اس کے اس طرح چلے جانے کا قلق نہیں ...... میں اسے ذرا بھی پسند نہیں کرتی تو مسلسل اس کے بارے میں کیوں سوچے جا رہی ہوں۔؟......

مجھے واقعی اس کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔

بلا سے وہ جہاں بھی جائے۔ گندگی میں منہ مارے یا غلاظت سونگھتا پھرے۔

لعنت بھیجو اس کے ہر خیال پر......!

مگر اس نے کیا جرم کیا ہے......؟ رملی کے ضمیر نے کچوکا لگایا۔

تمہی نے ہر طریقے سے اسے بتایا ہے کہ تم اسے ناپسند کرتی ہو۔ کوئی مرد اپنی باہر کی کارروائیاں اپنی بیوی کو نہیں بتاتا۔ دیکھو...... معاذ کتنا مختلف مرد ہے......؟ وہ یہ سب ضرورت سے مجبور ہو کر کر رہا ہے...... اگر طبعاً عیاش ہوتا تو کیا تمہیں بتا کر جاتا......!

نہیں بتایا تو اس نے اس لئے ہے کہ میں اذیت میں مبتلا رہوں......

تو تم کیوں ہوتی ہو اذیت میں مبتلا...... لعنت بھیجو اس کے ہر خیال پر اور سکون سے سو جاؤ......!

سو جاؤں......!

ہاں ہاں سو جاؤ اور یوں سمجھو جیسے کچھ ہوا ہی نہیں......!

مگر نیند بھی تو آئے......!

نیند کہاں چلی گئی آج......!

پتہ نہیں وہ کہاں بیٹھا ہوگا......؟ کیسی عورت ہوگی وہ کمینی ...... اونہہ...... اسے ایک دم ہسپتال کا زمانہ یاد آ گیا۔ جب نرس آ کر اسے معاذ کی دیوانگی کے بارے میں بتایا کرتی تھی۔ اور وہ چاہتی تھی نرس سے کہہ دے۔ تم لے لو میرے شوہر کو......!

نہیں رملی۔ اپنا شوہر کسی کو سونپا نہیں جا سکتا۔ اپنا شوہر تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔

یہ بڑی دکھن کا کام ہے......

حالانکہ تجھے اس کی پروا نہیں...... تو اس سے ہمیشہ نفرت کرتی رہی ہے۔

For more visit (exponovels.com)

exponovels

مگر یہ جو شوہر بیوی کا رشتہ ہے نا؟ بس ...... ہے بڑا ذلیل رشتہ...... اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آتی۔ دور رہ کر قریب ہوتے ہیں...... قریب ہوں تو دوریاں ہی دوریاں ہوتی ہیں۔

اف میں کیا کروں......؟

کیا تو نے کبھی اسے اپنا شوہر سمجھا......؟

اب تو سمجھنے لگی تھی......؟

تو اس کے لئے کیا کیا تو نے...... اپنی انا تک تو بھینٹ نہیں چڑھائی اسے منانے کے لئے کیا کیا......؟

کیا کرتی میں...... میں ایک عورت ہوں۔ اور اس سے زیادہ کیا کر سکتی ہوں......؟

ہاں تو سب کر سکتی ہے...... وہ سب جو اس وقت ایک عورت معاذ کے ساتھ کر رہی ہوگی۔

تو نے سنا نہیں شاعر کہتا ہے۔

میتوں تجری بنا عیب نکیں

میتوں نچ کے ڈھول مناؤن دے

اپنے ساجن کو پرچانا عیب نہیں......

نہیں میں یہ سب نہیں کر سکتی...... اس نے دوسری طرف کروٹ بدل لی۔

گھڑی پر نظر چلی گئی۔ دو بج رہے تھے اور وہ ابھی تک جاگ رہی تھی اور مسلسل اس کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ جس کی اسے پروا نہیں تھی۔

اب نہیں سوچوں گی اس کے بارے میں...... اس نے ہاتھ بڑھا کے بتی گل کر دی۔

اور آنکھیں موند لیں۔

وہ تو کہیں صبح اپنا مکروہ چہرہ لے کر آئے گا......

پھر میں کس کے بارے میں سوچوں......

اندھیرا ہوتے ہی اچانک اسے شان بھائی یاد آ گئے۔ شان بھائی دیکھنے میں کتنے شاندار مرد تھے۔ مگر ان کا باطن کتنا بدصورت تھا۔ اف پھو باجی بیچاری...... ایسے بدطینت آدمی کے ساتھ گذارہ کر رہی ہیں۔

For more visit (exponovels.com)

خوبصورت تو......!

وہ لرز گئی......!

یاور بھی۔ مگر اندر سے کتنا گھناؤنا......؟

تھو...... یاور گندہ آدمی تھا۔ جس طرح طوائف گندی ہوتی ہے۔

اور رملی دنیا میں اچھا کون ہے......؟

کون ہے اچھا......؟

اپنے خیالی تخت سے نیچے اتر آؤ۔ اتنی ٹھوکریں کھائیں اور زندگی کا قرینہ نہ سیکھا۔

اچھا یا برا اپنا دل ہوتا ہے رملی......

اور جو دل کے قریب بیٹھے ہوں ان کو دل کی گلیوں میں تلاش کر لیتے ہیں۔ اچھائیاں تلاش کرنے سے ملتی ہیں...... انسانوں کو کھوجنا پڑتا ہے۔ دفینے بڑی محنت سے تلاش کیے جاتے ہیں۔

اور اچھائی کا بیج پہلے اپنے من میں پھوٹتا ہے......

محبت وہ سورج ہے جس کی شعاع پہلے اپنے تن سے نکلتی ہے...... اور معاذ تم تو اتنے اچھے تھے۔

بے جی کے پیارے بیٹے تھے۔

تمہاری سانسوں میں آسمانی خوشبو آتی تھی۔

اور معاذ اب تو میں ہر رات اس خوشبو میں جھولا جھولتی سو جاتی تھی۔

اچھا معاذ تم نے اتنی گندی حرکت کیوں کی......؟

رملی تکیے کو سینے سے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

❁❁❁

exponovels

ابھی پلک لگی تھی۔ ابھی موجو کے رونے سے آنکھ کھل گئی۔ ایک دم اٹھ بیٹھی۔ باورچی خانے میں گئی۔ بوتل بنا کے اس کے منہ کے ساتھ لگا دی۔ جسے موجو نے دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔ اور دروازہ کھول کر باہر نکلی تو ساتھ والے کمرے میں معاذ سو رہا تھا۔ یہ کب آیا......؟ اس نے فوراً دیوار گیر کلاک کی طرف دیکھا۔ صبح کے ساڑھے پانچ بج رہے تھے۔ شاید صبح ہونے سے پہلے آ گیا۔ اس نے غور سے سوئے ہوئے معاذ کو دیکھا۔ اب اس نے کپڑے بھی بدلے ہوئے تھے۔ رات کا کرتا اور پاجامہ پہن رکھا تھا۔

یہ کپڑے کس وقت بدل لئے......؟ رملی کو حیرت ہونے لگی۔ صبح تین بجے تک تو وہ کروٹیں بدلتی رہی تھی اور کراہتی رہی تھی۔ ذرا کی ذرا ایسا سوئی کہ کسی کے آنے جانے کی سدھ نہ رہی۔

کیسا بے سدھ سو رہا ہے۔

رملی کو غصہ آنے لگا۔ جیسے بے دم ہو کر آیا ہو۔ اس کا دل چاہا کہ معاذ کو بالوں سے پکڑ کر جگا دے۔ اس کا گریبان پھاڑ ڈالے...... اور اس کے منہ پر خوب تھپڑ لگائے۔

گھبرا کر وہ صحن میں نکل گئی۔

تو مولودی صبح طلوع ہو رہی تھی...... دن کا آغاز ہو رہا تھا۔ ہر نظارہ کروٹ لے کر جوان ہو رہا تھا۔

باہر بالکل نیا موسم تھا۔

جس طرح اس کے اندر ایک بالکل نیا موسم جنم لے چکا تھا۔

وہ تمام شب جلتی کڑھتی رہی تھی۔ مگر اب تھکی تھکی بے دم نہیں تھی۔ بلکہ اس کے اندر عجیب سا ولولہ اور جذبہ جنم لے رہا تھا۔

اب معاذ پر ایک عجیب سا غصہ آ رہا تھا۔

مگر یہ سب کیوں...... یہ سب کیوں......

دور دور چہچہاتے ہوئے پرندے اس سے سوال کر رہے تھے۔

مجھے تو اس کی پرواہ ہی نہیں۔ ایسے بدصورت اور بدکردار آدمی سے میرا کیا ناتا؟ میں اس سے کوئی واسطہ ہی نہیں رکھوں گی۔ نظر اٹھا کے اس کی طرف دیکھوں گی بھی نہیں...... بات بھی نہیں کروں گی۔ اسے بتا دوں گی۔ اگر وہ میری سیج پر انگارے بچھا سکتا ہے تو میں بھی اس کے بغیر رہ سکتی ہوں۔

بھلا مجھے کیوں پرواہ ہو......

For more visit (exponovels.com)

جلتی کڑھتی وہ پھر اندر آ گئی۔

معاذ اوندھا لیٹا ہوا تھا۔ اس کا دل چاہا۔ وہ پکڑ کے اسے سیدھا کر دے۔ شاید اس طرح سویا سویا تھک گیا ہوگا۔

(مگر میں کیوں اس کی اتنی پروا کر رہی ہوں)

رملی کا دل چاہا اس کے قریب بیٹھ جائے۔ اس کا چہرہ اپنی طرف موڑ لے اور پھر اس کا سر پکڑ کے اپنے زانو پر رکھ لے اور کہے اب دیکھتی ہوں میرا حلقہ توڑ کے تم کہاں جا سکتے ہو......

(افوہ! اسے پھر غصہ آیا ایسے گندے آدمی کے لئے وہ کیسی اچھی اچھی باتیں سوچ رہی تھی)

اسی وقت اچانک اسے بے جی کی باتیں یاد آ گئیں۔

ایک روز ایک خاتون بے جی کے پاس رونا رونے آئی تھی کہ اس کا شوہر رات کو بہت دیر سے آتا ہے۔

تو بے جی نے کہا تھا۔

دیر سے آنے کی وجہ اس سے دریافت نہ کیا کرو۔ اپنے آپ سے پوچھو......

عورت وہی اچھی ہوتی ہے جو رات کو اپنے شوہر کو پرچا لے۔ یہ ٹھیک ہے کہ تم نے گھر کو بہت سجا بنا کر رکھا ہے۔ بچوں کا بھی دھیان رکھتی ہو۔ گھر میں اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ مرد جتنا زیادہ کما کر لاتا ہے۔ اتنے زیادہ اس کے ناز اٹھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ زیادہ کمانے والے مرد اور بے تحاشا آسائشیں مہیا کرنے والے شوہر اپنی بیویوں سے بے پناہ توقعات رکھتے ہیں۔ زمانے کے مطابق رہنا ہی ضروری نہیں اپنے شوہر کی توقعات اور مطالبات کو سمجھنا بھی بہت ضروری ہے۔

بے جی میں سارے دن کی تھکی ہاری ہوتی ہوں اس عورت نے بسور کر کہا۔ میرا دل چاہتا ہے۔

شام کو جب شوہر گھر آئے تو میرے ناز اٹھائے مجھے کہیں لے کر جائے۔ سینما دکھائے دوستوں کے ہاں گپ شپ کرنے جائیں۔ مگر وہ تو باہر سے ہی اپنا موڈ خراب کر کے گھر آتا ہے پھر ذرا سی بات پر آگ بگولہ ہو کر باہر نکل جاتا ہے اور کہیں رات گئے آتا ہے......

اپنی رات اپنے شوہر کو دو...... بے جی نے آہستہ سے کہا۔

دن کے کام کم کر دو۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ صاف ستھرا خوبصورت گھر مرد کو آسودگی دیتا ہے۔ مگر مرد کو زندگی میں ایک تھکی ہوئی عورت کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ خود بہت تھکا ہوا ہوتا ہے۔ اس لئے باہر کی عورتوں کی طرف دوڑتا ہے تم رات کو ایک تازہ دم خوش مزاج اور خوش لباس عورت

exponovels

For more visit (exponovels.com)

کی طرح ملا کرو۔ زندگی کے معمول سے ہٹ کر باتیں کیا کرو ایک رات میں اسے تازہ دم اور ہلکا پھلکا کر دیا کرو۔ پھر وہ اپنی جنت اپنے بیڈ روم میں آباد کرنے لگ جائے گا۔

عورتیں زندگی کی دوڑ میں مردوں سے پہلے تھک جاتی ہیں اس لئے مرد باہر کا رخ کرتے ہیں......

تو ایک بیزار عورت ہے اور بے زار عورت کے قرب سے مرد بھاگ جاتا ہے۔

رملی پھر باہر نکل گئی۔ اور جا کر باورچی خانے کا کام کرنے لگی۔ پتہ نہیں بے جی یہاں ہوتیں تو اس صورت حال کا کیا اثر لیتیں۔ آج اس نے شکر کیا کہ بے جی یہاں نہیں تھیں۔ کیونکہ ان کی موجودگی میں تو معاذ کبھی رات کو باہر رہنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ تب اسے احساس ہوا کہ گھر میں ایک بزرگ کا ہونا کتنا ضروری ہے۔ ایسا بزرگ جس کا احترام شوہر کرتا ہے۔

بزرگ گھر کا حجاب ہوتے ہیں۔

گھر کا پردہ رکھ لیتے ہیں۔

ہمارے لوگ کتنے بھی کمینے ہو جائیں۔ بزرگ کے سامنے نگاہ جھکا لیتے ہیں۔

اگر بے جی یہاں ہوتیں تو معاذ کو کبھی کہیں جانے کی جرات نہ ہوتی۔ رات کو سونے سے پہلے معاذ بے جی کے پاس ضرور بیٹھتا تھا۔ کبھی ان کی ٹانگیں دبا دیتا۔ سر دبا دیتا وہ خواہ منع کرتی رہیں۔ مگر معاذ سونے سے پہلے اپنی ماں کے کمرے میں ضرور جایا کرتا تھا۔ عام بیویوں کی طرح رملی کو اس بات سے غصہ نہیں آتا تھا۔ نہ ہی حسد محسوس ہوتا تھا۔ ہاں اسے یہ بات عجیب ضرور لگتی تھی۔ اس لئے اس کے بھائی ایسا نہیں کرتے تھے۔ بلکہ امی جان تو ان کی صورت دیکھنے کو ترستی بلکتی چلی گئیں۔

رملی کو ہر قدم پر احساس ہو رہا تھا کہ معاذ عام مردوں سے مختلف ہے۔ اس میں خاص آدمیوں والی باتیں تھیں۔ جن باتوں کی اس نے قدر نہ کی۔ بلکہ اپنے سلوک کی وجہ سے وہ اسے بھی عام آدمیوں کی صف میں دھکیل رہی تھی۔

یوں تو رملی باورچی خانے میں کام کر رہی تھی۔ مگر ذہن برابر معاذ کی جانب لگا ہوا تھا......

کھڑے کھڑے اسے اپنے آپ پر غصہ آیا کہ یہ میاں بیوی کا رشتہ بھی کیسا ذلیل رشتہ ہے۔

توڑنا چاہو تو ٹوٹتا نہیں......قریب آنا چاہو تو فاصلے کٹتے نہیں......ایسے فاصلے جو نظر نہیں آتے مگر جو زندگی کو گھٹا کر رکھ دیتے ہیں۔

خفگی بھی ہے اور خفگی کے اندر اندر ایک آس کا دیا بھی جل رہا ہے۔

exponovels

آس یکجا ہو جانے کی...... پھر قریب ہو جانے کی...... ایک دوسرے کا ہو جانے کی...... عارضی نفرتوں میں...... غصے کی سرخ آندھیوں میں...... برابر یہ خیال ذہن میں چپکا رہتا ہے۔

اب کیا ہو گیا ہے......!

وہ اپنے آپ سے پوچھتی...... کہ اب کیا ہو گیا ہے......!

اس نے ایک بار باہر آ کر جھانکا...... معاذ اٹھ کر غسل خانے میں چلا گیا تھا۔ وہ بھی آ کر اس کا ناشتہ بنانے لگی۔ ناشتہ بناتے ہوئے اس نے سوچا......

وہ بھلا ایسے آدمی کا ناشتہ کیوں بنا رہی ہے جو ایک غیر عورت کے ساتھ رات گذار کر آیا ہے۔ صاف صاف کہہ دے کہ آج سے میں تمہارا کوئی کام نہیں کروں گی۔ جاؤ اسی عورت کے پاس چلے جاؤ......

یہ سوچتے ہی اس کے کلیجے میں برچھی سی لگی۔ ہائے اپنا شوہر کسی کے حوالے کر دینا کتنا مشکل کام ہے۔ اس وقت اس نے شوہر اور بچے میں موازنہ کیا۔ بچہ زیادہ عزیز ہوتا ہے یا شوہر......

پتہ نہیں...... اس کا دل ایک دم گھبرانے لگا۔ بچے میں تو جان اٹکی رہتی ہے مگر شوہر کیوں اپنی ذات سے اس قدر قریب لگتا ہے۔ بیٹا ہو تو لاشعور میں ہوتا ہے کہ شادی کے بعد الگ ہو جائے گا۔ بیٹی ہو تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بھی چھوڑ کر چلی جائے گی...... مگر شوہر......!

شوہر کے بارے میں تو دن بدن یہی جی میں آتا ہے اور قریب ہو گا اور قریب ہو گا۔

بس ایک دن ہم دونوں رہ جائیں گے......

بھلا شوہر کسی کے حوالے کیا جا سکتا ہے......؟

ناشتہ بنا کے اس نے میز پر رکھا تو معاذ حسب معمول تیار ہو کر آ گیا۔ اسی طرح ایک خوش لباس خوشبودار آدمی بن کے وہ میز پر آ بیٹھا۔ رملی نے نظر اٹھا کے دیکھا مگر سلام بالکل نہیں کیا۔ اس کے اندر سے مخصوص خوشبو کی لپٹیں نکل رہی تھیں۔ وہ کیسا صحت مند اور مطمئن لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آسودگی کے لال ڈورے تھے۔ رملی کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کی راجدھانی میں سے ایک علاقہ آج دشمن کی تحویل میں چلا گیا ہے۔ اس کا یہ تاثر اس کے چہرے پر ابھرا......

پیشانی پر بے شمار شکنیں لے کر سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

معاذ نے جب نیپکن بچھایا تو رملی نے معمول کے مطابق ڈبل روٹی اور انڈہ اس کی آگے بڑھایا......

For more visit (exponovels.com)

اور پھر اسے خود معلوم ہوا پلیٹ میز پر رکھنے کی بجائے جیسے اس نے پٹک دی تھی۔ اس ادا پر معاذ نے نظریں اٹھا کر باقاعدہ اسے دیکھا۔

پھر مسکرا کر بولا......

آج چائے نہیں بناؤ گی......؟

روز تو رملی خود چائے بنا کر دیتی تھی۔ جلدی سے چائے بنانے لگی۔ پھر وہی ہوا پیالی اسے پکڑاتے وقت غصے سے چھلکا دی۔ معاذ زیر لب مسکرایا۔ مگر اس نے کچھ نہیں کہا۔ رملی تنی تنی سی بیٹھی رہی۔ وہ پوچھتا ہی نہ تھا کہ بھئی تمہیں کیا ہوا ہے۔ تو وہ بھلا کس طرح اپنے غصے کا اظہار کرتی۔

بڑے سکون سے ناشتہ کر کے معاذ کھڑا ہو گیا۔

مگر آج اس نے کوئی بات نہیں کی۔ یہ نہیں کہ اس کا موڈ خراب تھا۔ بلکہ اس کا موڈ تو بڑا شگفتہ نظر آ رہا تھا۔ بس ایسے...... جیسے وہ رملی کو نظر انداز کر رہا ہو۔ اس نے رملی سے بہتر کوئی صورت دیکھ لی ہو......اور وہ صورت دل میں اتر گئی ہو......

اس نے خدا حافظ کہا اور باہر نکل گیا۔

آج رملی نے جواب میں خدا حافظ بالکل نہیں کہا۔ منہ پھلائے کھڑی رہی اور آہستہ آہستہ میز پر سے برتن سمیٹنے لگی۔

کار اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی اور پھر کار گھر سے نکل گئی۔ اس وقت رملی کو چپ جوں رونا آیا......

جیسے آج اس نے پہلی بار معاذ کو کھو دیا ہو......؟

پگلی تو نے اسے پایا ہی کب تھا وہ تیرا فریب نظر تھا......

کیا اپنانے کے ڈھنگ ایسے ہوتے ہیں......؟

اور آج جو تو نے اس کے ساتھ سلوک کیا ہے۔ اس کے بعد وہ تیری کیا پروا کرے گا؟

شوہر کے ساتھ بے اعتنائی برتی جائے تو وہ اور بھی دور چلا جاتا ہے۔ اس کے سامنے بہت سے راستے ہوتے ہیں۔ ایک نہ سہی دوسرا سہی......شوہر صبر نہیں کرتا۔ انتظار نہیں کرتا۔

وقت ضائع نہیں کرتا......اس کی زندگی روزمرہ کی زندگی ہوتی ہے۔ اس کی زندگی میں کل نہیں ہوتا......وہ آج......بھرپور انداز میں اپنی مسرتوں کے ساتھ جینا چاہتا ہے۔ ہر آج اس کا اپنا آج ہوتا ہے......

تو کس کل کے انتظار میں ہے......؟

exponovels

تیرا کل نہ آیا تو کیا ہوگا......؟

شوہر کے ساتھ رہنے کے لئے تھوڑی سی بے غیرتی کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

بہت سی باتوں کو نظر انداز کرنا پڑتا ہے......بار بار اپنے آپ کو زمین سے اٹھانا پڑتا ہے۔

اور تیرا شوہر تو اتنا اچھا تھا۔اس نے ایک بار بھی تمہیں زمین پر نہیں گرایا تھا۔آج تیری زندگی میں پہلی بار آیا ہے......اس آج کا فیصلہ آج ہی کر لے......یوں تن کر رہے گی تو وہ تجھے کبھی نہیں منائے گا اور تو کس مان پر اکڑتی ہے......تو تو خود عیبوں بھری ہے......لدی ہوئی شاخ کی طرح پیا کے آگے جھک جا......

آج تجھے اس کو منا لینا چاہیے تھا......

کل کی رات کے بعد ایسی رات نہ آنی چاہیے تھی......

آنکھیں کھول......اب اور کیا گنوانا چاہتی ہے......؟

کئی دنوں تک رملی کا موڈ معاذ کے ساتھ بگڑا رہا۔نہ اس کے ساتھ سیدھے منہ بات کرتی نہ ڈھنگ سے اس کی کسی بات کا جواب دیتی۔اس کا ہر کام منہ بچکا کے کرتی جیسے احسان کر رہی ہو......کئی بار اس کے سامنے اس نے موجو کو تھپڑ بھی مارا۔مگر معاذ پر کسی بات کا اثر نہیں ہو رہا تھا وہ ہمیشہ کی طرح پر سکون اور مطمئن تھا۔جھٹ موجو کو پکڑ کے سینے سے لگا لیتا۔اور سہلانے لگتا کبھی پلٹ کر یہ نہ کہتا رملی تم نے بے قصور کیوں مار دیا کس کے بدلے لے رہی ہو۔

گھر کا ہر کام معمول کے مطابق جاری تھا مگر رملی کبھی کبھی گڑبڑ کر دیتی اس کا دل چاہتا معاذ کو کوئی بات بری لگے وہ رملی کے ساتھ الجھ پڑے پھر رملی کو بھی اپنے دل کا غصہ نکالنے کا موقع مل جائے رملی کے اندر بہت گھٹن رہی۔وہ اس گھٹن کو کسی بہانے نکالنا چاہتی تھی وہ معاذ کے ساتھ لڑنا چاہتی تھی بالکل بیویوں والے انداز میں......

ایک بار معاذ نے کہا تھا نا کہ تم لو جھگڑ کے اپنی بات منوایا کرو جب بیویاں چیختی چلاتی ہیں اور شوہروں کو برا بھلا کہتی ہیں تو دراصل وہ اپنے استحقاق کو

For more visit (exponovels.com)

اور مضبوط کرتی ہیں لڑنا جھگڑنا بیویوں کا اظہار محبت ہوتا ہے......

اچھا میں لڑ جھگڑ کر اظہار محبت کروں......؟

خود ہی اپنے دل سے پوچھتی ایسے گندے آدمی کے ساتھ جواب با ہر رہنے لگا ہے۔

اس کو گندہ آدمی کس نے بنایا......؟

کس نے اس کے اعتماد کو مجروح کیا......؟

کس نے اسے بدصورتی کا احساس دلایا......؟

کون اس سے کھینچا کھینچا رہتا ہے۔

اب میں عورت ذات ہو کر اس کے آگے جھکوں اور اپنے منہ سے کہوں۔

اور لڑ جھگڑ کے اس کو بتاؤں کہ میں اس کی پروا کرتی ہوں۔

اور لڑنے جھگڑنے پر تم تلی بیٹھی ہو......!

رملی کا دل چاہتا وہ معاذ کا گریبان پھاڑ ڈالے ایک زوردار لڑائی کرے یہ جو مطلع ابر آلود سا تھا۔کئی دنوں سے زمین کے آسمان پر کالی کالی گھٹائیں تلی کھڑی تھیں۔ان سے رملی بوجھل ہو گئی تھی۔وہ چاہتی تھی یہ گھٹائیں کھل کے برس جائیں مطلع پھر صاف ہو جائے۔ساری کدورت اپنے آپ نکل جائے۔

تب اسے احساس ہوتا۔ازدواجی زندگی میں کبھی کبھار لڑنا کتنا صحت مند عمل ہے۔بلکہ نفرت کا غصہ آخر نکال لینا چاہیے۔دل میں زہر لے کر پھرنا اور لوگوں کو ہنس ہنس کر دکھانا اچھا فعل نہیں اور اگر میاں بیوی اپنا زہر نہ نکالتے رہیں تو یہ رشتہ کتنا زہریلا ہو جائے۔

رملی اپنا زہر نہ نکالنا چاہتی تھی۔بیویوں والے انداز میں معاذ سے لڑنا چاہتی تھی اونچی اونچی بول کے چیخ چلا کے اپنی تقدیر کو کوس کے اپنے آپ کو ٹھنڈا کرنا چاہتی تھی۔دل کے اندر آگ سی لگی ہوئی تھی۔

اور یہ ظالم موقع ہی نہ دے رہا تھا۔

کیسا مطمئن تھا۔جیسے اسے اب رملی سے کوئی شکوہ نہیں؟

کیوں شکوہ نہیں......؟

رملی کا دل گھبرا اٹھتا۔ جب گلے شکوے کی حاجت نہیں رہتی۔ تب دلوں سے محبت اٹھ جاتی ہے۔

کیا واقعی اب معاذ کو رملی کی پروا نہیں ہے۔ اسی پروا کو جاننے کے لئے وہ ایک بھرپور انداز میں اس سے لڑنا چاہتی تھی اور وہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی بے حسی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

لڑائی کر کے اسے اپنی طرف کھینچنا چاہتی تھی۔

اب وہ معاذ کی ہر بات پر شک کرنے لگی تھی۔ پہلے بھی کئی بار اسے دفتر میں دیر ہو جاتی تھی۔

تب وہ اس تاخیر پر بہت خوش ہوتی تھی۔ معاذ تھکا ہارا گھر کے اندر داخل ہوتا تو رملی سے کسی روایتی جملے کی تمنا کرتا۔

یعنی......

اتنی دیر کہاں لگا دی......؟

کہاں رہ گئے تھے...... میں انتظار کر کے تھک گئی تھی۔ آپ کو معلوم نہیں تھا آج میں نے اپنی امی جان کے ہاں جانا تھا۔

مگر رملی تو کچھ بھی نہیں کہتی تھی۔ بس ایک سرد سی نگاہ اس پر ڈال کے منہ بند کر لیتی تب وہ خود ہی کہنے لگتا۔

آج دفتر میں ایک غیر ملکی ٹیم آ گئی تھی......

یا مہینے کے اختتام پر کام ذرا بڑھ جاتا ہے......

یا آج اتنا زیادہ کام کرنا پڑا کہ میں تھک گیا ہوں۔

وہ کہتا رہتا اور رملی سنتی رہتی۔ لیکن اب جب معاذ کو دفتر میں دیر ہو جاتی رملی کا دل گھبرانے لگتا۔ سو طرح کے وسوسے ستاتے۔ بار بار گھڑی کو دیکھتی...... بار بار دروازے کی طرف دیکھتی۔ کوئی موٹر سڑک سے گذر جاتی تو اس کا دل دھڑک اٹھتا۔ شام ہوتی تو اسے ہیبکی کی بیماری لگ جاتی۔ اس کا دل چاہتا کہ معاذ جلدی سے گھر آ جائے اور جس روز جلدی سے گھر نہیں آتا تھا اس روز وہ کھولتی رہتی۔

اب تو کبھی کبھی معاذ راتوں کو بھی دیر سے آنے لگا تھا۔ وہ کھانا سامنے رکھے انتظار میں بیٹھی رہتی...... موجو سو جاتا۔ سارے گھر پر سناٹا چھا جاتا۔ نوکر چاکر سب اپنے کوارٹروں میں چلے جاتے...... سارے گھر سے اسے وحشت ہونے لگتی۔ بے جی یہاں تھیں۔ تو وہ سارا دن ان کے ساتھ باتیں کرتی رہتی تھی۔ اسے کبھی معاذ کے ساتھ بے شمار باتیں کرنے کا خیال نہیں آتا تھا۔

اب بے جی بھی نہیں تھیں۔ تو رات کو اس کا دل گھبرانے لگتا کسی سے بے شمار باتیں کرنے کی تمنا دل میں جاگ اٹھتی۔ معاذ بھی تو اب زیادہ باتیں نہیں

exponovels

کرتا تھا۔ اگر وقت پر گھر آ جاتا تو تھوڑی دیر موجو کے ساتھ کھیلتا رہتا۔ پھر کھانا کھا کے اسٹیڈی میں چلا جاتا۔ یا بس کوئی ادھر ادھر کی بات اس سے کر لیتا۔ مگر گھر میں ہوتا تو گھر بھرا بھرا لگتا۔ اسے بھی تسلی سی رہتی ......!

لیکن جس روز وہ رات کو دیر سے آتا رملی کی جان پر بن جاتی۔ سوچتی پتہ نہیں کہاں چلا گیا ہوگا......!

پتہ نہیں کس کے پاس چلا گیا ہوگا......؟

پتہ نہیں کیا کر رہا ہوگا......؟

پھر اپنے آپ سے کہتی...... تجھے اس کا اتنا فکر کیوں ہے......؟ جہاں بھی جائے...... اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔

ایسے بدصورت آدمی کے لئے تو اتنی پریشان کیوں ہوتی ہے۔

مگر وہ میرا خاوند ہے۔

اور یہی تعلق کیا کم ہے......؟

تو اس کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ خاوند خاوند ہی ہوتا ہے۔ بدصورت ہو یا خوبصورت اس کے ساتھ ایک ظالم سا تعلق ہوتا ہے۔

جس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

اس کی عدم موجودگی میں بڑے بڑے منصوبے بناتی کہ اب وہ آئے گا تو خوب لڑے گی یہ کہے گی...... وہ کہے گی......!

کھولتی رہتی۔ فقرے ترتیب دیتی رہتی۔

لیکن جب وہ آ جاتا اور مسکرا کر اس کی طرف دیکھتا۔ پھر بڑی شفقت سے پاس بیٹھ جاتا اور ہنس کر کہتا۔

آئی ایم ساری جان...... آج واقعی دیر ہوگئی تھی۔ کچھ پرانے دوست مل گئے تھے۔ وہ زبردستی ہوٹل میں لے گئے۔

پھر وہاں باتوں باتوں میں اتنی دیر ہوگئی کہ......؟

جاری ہے...

For more visit (exponovels.com)

تو وہ بس اسے دیکھتی رہ جاتی۔

ٹھنڈی آہ بھر کر چپ کر جاتی۔

وہ پوچھتا......

تم نے کھانا کھا لیا ہے۔

نہیں......وہ آہستہ سے کہتی۔

او ہو رمو جان! تم میرے انتظار میں بھوکی نہ رہا کرو۔ پلیز کھانا کھا لیا کرو افوہ......

اٹھو جلدی سے کھانا کھاؤ۔ لاؤ میں سالن گرم کر کے لا دوں۔

وہ جلدی سے کھڑا ہو جاتا۔

تب رملی کو غصہ آنے لگتا۔ پتہ نہیں وہ اس کے سامنے اتنی بودی کیوں ثابت ہوتی تھی۔

صاف صاف کہہ دیتی کہ اس طرح باتیں نہ بناؤ سیدھے سیدھے بتاؤ اتنی دیر کہاں لگا کے آئے ہو......؟

مگر اسے لڑنے کا سلیقہ نہیں آتا تھا۔ معاذ دو چار ادھر ادھر کی باتیں کر کے اٹھ کر چلا جاتا۔ اور وہ جلتی کڑھتی وہیں بیٹھی رہ جاتی۔

کئی دنوں سے اس کا موڈ بگڑا ہوا تھا۔ اس نے منہ پھلا رکھا تھا۔ مگر معاذ کو نظر ہی نہیں آتا تھا۔

کسی روز پوچھ ہی لیتا کہ بھئی تمہیں کیا ہوا ہے......؟ پوچھنے کی بجائے اس نے زیادہ تر باہر رہنا شروع کر دیا تھا۔

زندگی میں کتنے دکھ ہیں۔ رملی سوچا کرتی۔ جب اس کی شادی ہوئی تھی تو وہ اپنے آپ کو دنیا کی بدقسمت ترین عورت سمجھنے لگی تھی۔ کیونکہ اس کا شوہر بدصورت تھا۔ اور اسے ساری دنیا ہی بدصورت نظر آ رہی تھی۔ مگر اب جب اس کی آنکھیں کھل گئی تھیں تو وہ سوچ رہی تھی۔ زندگی صرف ایک مسئلے کا نام نہیں...... کتنی عجیب بات ہے......؟ کہ شوہر بدصورت بھی ہو اور پروا بھی نہ کرتا ہو۔ اپنا زیادہ وقت باہر کے لوگوں میں گذارنا شروع کر دے اور کتنی بڑی بدقسمتی ہے۔

ایک دن آرام سے اپنی بیوی کی نفی کر دے......؟

کیا کہیں ایسا ہوا ہے......؟

بیوی بھی ایسی جو چاندی کے تاروں سے گندھی ہوئی ہو......؟

تب رملی کو اس محاورے کا مطلب سمجھ میں آتا......وہ جو کہتے ہیں سہاگن وہی جسے پیا چاہے۔ عورت کا حسن صورت خاک میں مل جاتا ہے۔ اگر شوہر اسے نہ

چاہے وہ معاذ کے دل میں اپنی پرانی چاہت جگانا چاہتی تھی۔ مگر اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا تھا۔ کہاں پر تیر خطا ہو گیا...... کہاں پر نشانہ چوک گیا......

گذرے وقت کو ہاتھ جوڑ کے بلاتی تھی اور وہ وقت پاس نہیں آتا تھا۔ پھر وہ اپنے ہی دل کو تکتی...... اور کہتی تو پہلے جیسا ہو جا...... تو دل صاف انکار کر دیتا۔

شاید اس دل کو بدصورت آدمی بھا گیا تھا اور کیسی بدنصیبی تھی کہ اب اس بدصورت آدمی کو وہ نظر ہی نہ آتی تھی۔ گھر میں پڑی ایک فالتو چیز کی طرح وہ اسے دیکھ کر اور کبھی جھاڑ پونچھ کر گذر جاتا تھا۔

پچھلے دو چار ہفتوں سے کبھی کبھی ایک عورت معاذ کو فون کر دیتی تھی۔ معاذ کو پہلے بھی کئی عورتوں کے فون آئے تھے۔ کبھی بے جی اٹھا لیتیں اور کبھی رملی۔ کاروبار کے سلسلے میں...... یا دفتری معلومات کے لئے کئی عورتیں فون کر لیتی تھیں۔ مگر رملی کو کبھی برا محسوس نہیں ہوتا تھا۔ اب اگر کسی عورت کا فون آتا تو وہ کرید کرید کر اس کا نام اور اتہ پتہ پوچھتی۔ اور یہ بھی پوچھتی کہ اسے معاذ سے کیا کام ہے۔ رملی چھپ چھپ کے معاذ کے فون بھی سنا کرتی وہ کسی کو فون کرتا ہے اور کس کے ساتھ کیا بات کرتا ہے...... وہ اس کے کپڑے لٹکاتے ہوئے اس کی جیبیں ٹٹولا کرتی۔ اس کی عدم موجودگی میں اس کی دفتر کی میز پر جا کر تمام کاغذات الٹ پلٹ کر کے دیکھا کرتی۔ اسے کبھی کہیں سے معاذ کی کسی رومانوی کاروائی کا سراغ نہیں ملتا تھا۔ اس کے باوجود وہ ہر وقت سلگتی رہتی۔ تڑپتی رہتی......

اسے یوں محسوس ہوتا جیسے اس نے اپنی مٹھی میں ایک جگنو پکڑا ہوا تھا۔ ایک دن غلطی سے مٹھی کھول بیٹھی اور جگنو اڑ گیا...... اب اس ننھی سی روشنی کو وہ دیوانہ وار ڈھونڈتی پھرتی تھی۔

ایک دن معاذ کو دوپہر کا کھانا کھلاتے ہوئے بڑے لاچار سے انداز میں رملی ایک دم بولی۔

یہ رخسانہ کون ہے......؟

پوچھنے کے بعد رملی کو حیرت ہوئی۔ اس کا انداز بالکل بیویوں والا تھا۔ وہ لب ولہجہ...... وہی کاٹ......

معاذ نے نوالہ منہ میں ڈالا۔ اور نظر اٹھا کے دیکھا......

تو جلدی سے بولی۔

اکثر آپ کو فون کرتی ہے اور آپ کے معمولات کے بارے میں پوچھتی رہتی ہے۔

ہے ایک عورت......!

معاذ نے دوسرا نوالہ توڑتے ہوئے جواب میں کہا۔

For more visit (exponovels.com)

کیسی عورت ہے......؟

یہ پوچھتے ہوئے رملی کا لہجہ غصے سے کچھ اور تن گیا۔

معاذ نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا اور جواب دیئے بغیر نوالہ منہ میں ڈال لیا۔

اس عورت کو آپ کب سے جانتے ہیں؟

اب رملی باقاعدہ لڑنے پر آمادہ نظر آتی تھی۔

کیسے لایعنی سوال کر رہی ہو۔ معاذ بولا...... کاروباری دنیا میں ہزاروں عورتوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ اگر کوئی فون کرتا ہے تو ظاہر ہے اپنے کام کے لئے کرتا ہے......؟

وہ آپ کو بہت پوچھتی ہے۔

معاذ مسکرانے لگا۔ تم اتنا فکر کیوں کرتی ہو۔ تمہارا شوہر ایک بدصورت آدمی ہے۔ اس میں بھلا کون دلچسپی لے سکتا ہے۔ معاذ کے لہجے میں طنز تھا۔ مگر رملی کے اندر اپنی ہی آگ لگی ہوئی تھی۔ اس لئے اس کی بات سمجھے بغیر بولی۔

کیا یہ بہت خوبصورت عورت ہے......؟

معاذ نے نظریں جھکا لیں اور منہ ہی منہ میں مسکرانے لگا۔ مسکراتا جاتا اور کھانا کھاتا جاتا۔

اس کے اس طرح بے نیازی کے ساتھ کھانا کھانے پر رملی کو بے تحاشا غصہ آ رہا تھا۔ معاذ کا لب ولہجہ ترش نہیں ہو رہا تھا اس لئے وہ اپنے لب ولہجہ کی تلخی اس پر ظاہر نہ کر سکتی تھی۔

معاذ نے اطمینان سے کھانا کھایا۔ نیپکن سے ہاتھ صاف کیے۔ پھر پلیٹیں ایک طرف سرکا دیں۔ اور کہنیاں میز پر ٹکا کر رملی کی آنکھوں کی سیدھ میں دیکھتا ہوا بولا۔

کیا عورت کی صرف یہی خوبی ہے کہ وہ خوبصورت ہو......؟

رملی نے اس کی آنکھوں کی تاب نہ لا کر نظریں جھکا لیں...... اس کا رنگ زرد ہو گیا۔ شرمندگی کی ایک لہر دل سے اٹھی اور دماغ تک گئی۔ اسے یوں لگا جیسے معاذ نے اس کے منہ پر تھپڑ مار دیا ہو۔

رملی اپنے لمبے ناخنوں سے میز کا کونا کریدنے لگی۔ معاذ نے ایک کینو اٹھایا اور اسے چھیل کر کھانے لگا۔

exponovels

تم عورتوں کا خیال ہے کہ مرد صرف خوبصورت عورت پر مرتا ہے تم لوگ سوچتی ہو کہ صرف چہرے مرد کی کمزوری ہوتے ہیں......؟ اور بس......

اس نے آرام سے سارا کینو کھایا۔ ہاتھ صاف کیے پھر کھڑا ہو گیا اور اپنے کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر اور بڑے انداز سے مسکرا کر بولا......

رمو جان! خوبصورت وہ عورت ہوتی ہے جسے اپنانے کا ڈھنگ آتا ہے......اور پھر باہر نکل گیا۔

❁❁❁

exponovels

بہت دنوں کے بعد آج پھر معاذ آئینے کے آگے کھڑا تیار ہو رہا تھا۔

مرد کی تیاری اس کے ارادے کی مظہر ہوتی ہے۔ رملی اپنا دل پکڑ کے باہر نکل گئی۔ اور جا کر بے جی کے کمرے میں ان کے بستر پر سیدھی چت لیٹ گئی۔ دکھ کی اس بھٹی سے وہ ایک بار پہلے بھی نکل چکی تھی۔ پھر رفتہ رفتہ اس نے اپنا دل ٹھنڈا کر لیا تھا اور سوچ لیا تھا کہ اب اس کے اندر حسد اور محرومی کی آندھیاں نہیں اٹھیں گی۔ مگر ایسا نہیں تھا......

اس کا دل کوئی چٹکیوں سے مسل رہا تھا اور وہ مسلسل سوچے جا رہی تھی کہ زندگی کے معاملے بھی عجیب ہیں اور پھر زندگی کے پلو میں افسوس کی کوئی نہ کوئی گرہ تو لگی رہتی ہے......

پچھلے کتنے دنوں سے زندگی کتنی ویران اور بیکل رہی۔

اور اپنی بیکلی کسی سے کہہ بھی نہ سکی۔

بس دلوں کی اداسیاں دلوں کی محرم ہوتی ہیں۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کا دل مسلسل اداسیوں کی تہہ میں کیوں دبا جا رہا تھا۔

اس نے شروع میں اپنے شوہر کی پرواہ نہیں کی تھی...... اب وہ بھی اس کی پرواہ نہیں کر رہا...... جس طرح اس نے چور دروازے بنا لئے تھے...... اسی طرح آج وہ بھی خارجی دروازہ بنا بیٹھا تھا۔ چڑھی ہے یہ آندھی اتر جائے گی...... نہ بھی اتری تو زندگی گذر ہی جائے گی......

مگر نہیں......

اس نے لیٹے لیٹے سوچا یوں زندگی نہیں گذرے گی۔ اپنے سامنے اپنے شوہر کو جاتا ہوا دیکھوں اور روک نہ سکوں۔ اپنے سامنے اسے لٹتا ہوا دیکھوں...... اسے ٹوٹتا پھوٹتا اور بکھرتا ہوا دیکھو......؟

اور کچھ نہ کر سکوں......؟

مگر میں کیا کر سکتی ہوں؟

تو سب کر سکتی ہے......؟

کس طرح سے کروں......؟

exponovels

بس ذرا عقل کی ضرورت ہے۔

کہاں سے لاؤں عقل......کہاں سے لاؤں عقل......؟

عقل کا پودا دکھ کے بیج سے نکلتا ہے اور کرب کی ہوا اس کی ٹھوکر تی ہے آندھیاں اسے پروان چڑھاتی ہیں اور اسے محرومیوں کی چھایا کی ضرورت ہوتی ہے۔

اتنی دیر سے تجلک راستوں سے گذری چلی آ رہی ہے۔ تار تار دامن کو بار بار چھڑا رہی ہے۔

اور ابھی پوچھتی ہے۔ عقل کہاں سے آئے گی......؟'

رملی ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

بیوی بن جاؤ......

تو کیا میں بیوی نہیں ہوں۔

بیویاں ایسی نہیں ہوتیں......اتنی کھردری......اتنی دور......اتنی اجنبی......اتنی گم صم......

میں شرعاً اس کی بیوی ہوں۔ اس کو اس بات کا خیال ہونا چاہیے۔

مرد کو محبوبہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو دن رات اس سے کہہ سکے......میں تم پر مرتی ہوں۔ تم مجھے اچھے لگتے ہو۔ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔ تم مرے لئے دنیا کے خوبصورت ترین مرد ہو......

اف توبہ......یہ فلموں والے جملے بھلا کوئی شریف زادی کہہ سکتی ہے......

تو پھر شریف زادی فلموں کی ہیروئن کی طرح بار بار روتی کیوں ہے۔؟

میں......میں......رملی گھبرا کر کھڑی ہوگئی۔ اس کی آنکھوں میں پھر کڑوا کڑوا پانی جمع ہونے لگا۔

پھر دل کے آس پاس ٹھنڈی برف گرنے لگی۔

آج تم روؤ گی نہیں......!

رملی بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگی۔ کبھی کبھی جھانک کر تیار ہوتے ہوئے معاذ کو دیکھ لیتی اور جب دل رنج والم میں ڈوب جاتا تو آ کر دروازے کا پٹ تھام کر کھڑی ہو جاتی۔

فیصلے کی گھڑی قریب آتی جا رہی ہے......

For more visit (exponovels.com)

تو میں کیا کروں......؟

جو بھی کرنا ہے آج ہی کرنا ہے......

تو میں کیا کروں......

سہاگن بن جاؤں......

کس طرح......کس طرح......رملی نے اپنی پیشانی دروازے کے ساتھ لگا دی۔

اس کے پاس جاؤ اسے منا کے لاؤ......اس سے کہہ دو۔ میں تمہاری تعریف کر سکتی ہوں میں تمہیں ساری رات خوشامد کا جھولا جھلا سکتی ہوں میں تمہیں اپنے بازوؤں میں پناہ دے سکتی ہوں۔ میں تم پر اپنا پل پل نثار کر سکتی ہوں......

لیکن میرے بن کے رہو......مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ ایک بیوی کے لئے دنیا کی سب سے بڑی اذیت کیا ہے......؟

نہیں......نہیں......میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتی۔ ان میں سے تو ایک لفظ بھی ادا نہیں کر سکتی۔

میں اتنی بہادر نہیں ہوں کہ یہ سب باتیں کہہ سکوں......؟

یہ سب باتیں زبان سے کہنے کی نہیں ہیں......

تو پھر......

رملی نے گھبرا کر چاروں طرف دیکھا......

تو پھر......

سارے دروازے اور کھڑکیاں زور زور سے قہقہے لگانے لگے۔ تو اتنی ہی نادان ہے اتنی ہی بے وقوف ہے......احمق ہے یا بدنصیب......

خدایا میری مدد کر!

رملی دل پکڑ کر پھر بستر پر بیٹھ گئی......

پل پل گذر رہا ہے......چھم چھم کرتی رات تیرے ٹھٹھے اُڑا رہی ہے، رات پھر جاگے گی، دل جلائے گی......سولی پہ لٹکے گی۔ ایک انا کا ناگ نہیں مارا جاتا۔

پر میں کیا کروں......

جاؤ اس کا بازو تھام لو......روک لو اپنے ساجن کو......اس کے راستے میں پھولوں کی طرح بچھ جاؤ......

exponovels

دروازے دھڑ دھڑ بجنے لگے......وہ گھبرا کر کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی......

حلیمی اور انکساری عورت کے زیور ہیں۔میاں بیوی کے بیچ کوئی انا کی دلدل نہیں ہوتی۔

آج اس کے گلے میں بانہیں ڈال دو......کھڑکی نے پتے کی بات کہی......

میں......

ہاں تم......آج میں کی ندی پار کرلو۔اور اس سے کہہ دو مجھے تمہارے باطن کا حسن نظر آ گیا ہے......

میں......یعنی میں......

اتنی گر جاؤں......؟

یہ گرنا نہیں ہے۔ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا نے کہا۔محبوب کے قدموں میں رہنا گرنا نہیں ہے۔

اس کے دل میں جگہ پانا ہے۔

مگر میں نے کیا برا کیا ہے......؟مجھے کس بات کی سزا مل رہی ہے۔

اسے سزا کیوں کہتی ہو۔اگر سہہ سکتی ہو تو اسے ایک رویہ جانو......ایسا رویہ جو تم نے پہلے پہل اپنے شوہر کے ساتھ اختیار کیا تھا۔

میں نے جو ٹھوکر کھانا تھی کھالی۔

آؤ......اب مل کر چلیں......اس طرح کہ میں تمہارا سایا بن کے پیچھے رہوں۔

اف توبہ......!

اس آدمی سے......!

اور کیا اس آدمی کے بغیر رہ سکتی ہے تو......ذرا غور سے دیکھ اس آدمی کو رلی چل کے آئی۔کوریڈور میں کھڑے ہو کر دیکھا۔معاذ بیچ درمیان کے کھڑا اپنا جائزہ لے رہا تھا۔

❁❁❁

For more visit (exponovels.com)

اگر یہ بدصورت آدمی ہے تو پھر اسے دنیا کے میلے میں گنوادے۔ یہ اپنے پلو میں افسوس کی گرہ کیوں لگائے پھرتی ہے۔

نہیں......

رملی پھر تڑپ اٹھی۔ اسے گنوانے کے خیال سے دل میں ہوک سی اٹھتی ہے اور دم گھٹنے لگتا ہے۔

پھر اعتراف کرلے......

کس بات کا......؟

محبت کا......

محبت......؟

ہاں یہی محبت ہے۔ اس خلش کا نام محبت ہے۔ اسی دکھن کو تعلق کہتے ہیں اسی روگ کو رفاقت کہتے ہیں اور یہ محبت عجیب ہے۔ کسی وقت بس اپنے آپ چپ چاپ ہوجاتی ہے۔

دیکھو نا کتنا بدصورت آدمی ہے۔ مگر تمہارے دل میں گھر کیے بیٹھا ہے۔ تم تو اس کے چہرے کی طرف دیکھنے کی روادار نہیں تھیں۔ آج اس کے بازوؤں میں مچلنے کو بے تاب نظر آتی ہو۔

محبت کی زبان نہیں ہوتی......

اور اظہار محبت کے لئے کسی زبان کی ضرورت نہیں ہوتی۔

سوال یہ ہے کہ تو خاک بن کر راہوں میں بچھ سکتی ہے......یا نہیں......؟

رملی نے لپک کر کمرے کا دراوازہ کھولا اور باہر نکل گئی۔ معاذ نے اپنے اوپر اتنی خوشبوئیں چھڑک لی تھیں کہ لپٹیں باہر تک آ رہی تھیں وہ چپ چاپ چلتی ہوئی معاذ کے قریب گئی اور وہاں جا کر کھڑی ہوگئی۔ معاذ نے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا......اور پھر اپنا آپ درست کرنے لگ گیا۔ اف اس کے انداز میں کتنی بے باکی اور کتنی سفاکی تھی۔ مرد کا یہ روپ بھی ہوتا ہے یہ سوچ کر رملی تھرا گئی۔

اس نے پلنگ پر سوئے ہوئے موجو کو دیکھا۔ وہ گہری نیند سو رہا تھا اور پھر ایک قہر کی رات اس کے دروازے پر دستک دے رہی تھی۔

رملی نے بڑھ کر اپنے کپڑوں کی الماری کھولی۔ ایک خوبصورت سا سوٹ نکالا اور غسل خانے میں چلی گئی۔ بڑی محبت سے کپڑے بدل کر باہر نکلی تو دیکھا

For more visit (exponovels.com)

معاذ اپنی جیب سے کچھ کاغذات نکال کے انھیں اپنی اسٹیڈی میں رکھنے جا رہا تھا۔ گویا وہ اب بالکل تیار تھا اور باہر جانے والا تھا۔

رملی آئینے کے آگے کھڑی ہوگئی۔ اس نے اپنے بال کھول دیئے اور کنگھی سے انھیں سلجھا کے شانوں پر ڈال لیا۔ پھر معاذ کی خوشبو اٹھا کے اپنے اوپر چھڑک لی......

ایک گہری سوچ نے اس کے پپوٹے بوجھل کر دیئے تھے مگر پھر بھی وہ ایک فیصلہ کن انداز میں معاذ کے پیچھے اسٹڈی میں چلی گئی۔

معاذ فائل میں اپنے کاغذ لگا رہا تھا۔ اس نے نظر اٹھا کر رملی کی طرف دیکھا اور پھر بے پروائی سے اپنا کام کرنے لگ گیا۔ رملی دروازے میں کھڑی رہی۔ معاذ نے اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ رملی کے دل میں غصے کی ایک لہر اٹھی......

اس نے کمرے کے اندر قدم رکھ لئے اور اپنے پیچھے دروازہ بند کر لیا۔ معاذ نے کام ختم کر کے پھر رملی کی طرف دیکھا۔ رملی نہ جانے کن جذبوں سے تلی کھڑی تھی۔ مگر معاذ نے اس کی طرف دیکھ کر زیادہ غور کرنا مناسب نہ سمجھا...... بلکہ اپنے ہاتھوں کے کف لنگ ٹھیک کرنے لگا۔ رملی کو امید تھی وہ اس سے اس کے آنے کی وجہ دریافت کرے گا۔ پھر دروازہ بند کرنے کی وجہ معلوم کرنا چاہے گا۔ مگر وہ تو رملی کو نظر انداز کیے اپنے اوپر خوشبوئیں چھڑک کے بڑا بے نیاز بنا کھڑا تھا......

رملی بھی اسے دیکھتی رہی۔ بالآخر وہ گھبرا کے رملی کی آنکھوں میں دیکھنے لگا......

اس کی آنکھیں جذبوں سے خالی تھیں اور اس کی کالی رنگت میں کوئی جلتا ہوا پیغام نہ تھا......

رملی اس کے چہرے کو غور سے دیکھتی رہی۔ پھر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی قریب آ گئی۔ قریب آ کے بڑے آرام سے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کے سفید کوٹ کے دونوں کالر پکڑ لیے......

ساحل پر سکون سے پہلے ایک طغیانی آتی ہے۔

لہریں اچھل اچھل کر آپے سے باہر ہو جاتی ہیں۔ غصے سے جھاگ جھاگ ہو جاتی ہیں ا

طیش میں آ کر سمندر کے منہ پر زور زور سے تھپڑ مارنے لگتی ہیں......

چھینٹے شور مچاتے ہیں......

لہریں اور سمندر آپس میں گتھم گتھا ہو جاتے ہیں۔

بس ایک پل کا ہوتا ہے یہ منظر......

For more visit (exponovels.com)

پھر دوسر پھروں میں ایک خاموش سمجھوتہ ہو جاتا ہے۔لہریں سمندر کے سینے سے لپٹ جاتی ہیں۔لوٹ پوٹ ہو جاتی ہیں۔سما جاتی ہیں۔اس طرح کہ دوئی کا شائبہ تک نہیں رہتا۔دونوں ایک ہو جاتے ہیں۔سمندر بانہیں پھیلا دیتا ہے اور لہر سر ٹیک دیتی ہے۔

محبت کا یہی چلن رہا ہے۔

طغیانی کے بعد سکون......!

اور دکھ کے بعد سکھ......!

رملی کی جب آنکھ کھلی تو اس نے شرماتے شرماتے نظر اٹھائی معاذ اپنی مست آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

رملی نے پہلی بار ان آنکھوں کی خوبصورتی کو محسوس کیا۔سیاہ کالی آنکھیں......

مڑی ہوئی پلکیں......اور ان آنکھوں میں بے پناہ شرارت......اس کے ساتھ جیت لینے والا سارا غرور......!

وہ آنکھیں کہہ رہی تھیں تم بہت چالاک عورت ہو......اپنے حقوق کی حفاظت کرنا جان گئی ہو۔

رملی نے شرما کر اپنا رخسار معاذ کے ہاتھ پر رکھ دیا......جو انگارے کی طرح تپ رہا تھا۔

افوہ!

رملی نے گہری سانس لی۔زندگی تو ان آنکھوں کے ساتھ بھی گذر سکتی تھی۔ان انگارہ صفت ہاتھوں کے ساتھ بھی گزر سکتی تھی۔

مگر اس لمحے بغیر نہیں۔

یہ لمحہ جس میں ہار کر میں خوبصورت ہوئی اور معاذ جیت کر خوبصورت ہوا۔

exponovels

آج رملی نے نیا جنم لیا تھا۔ آج کی صبح رملی کے گھر میں نئی طلوع ہوئی تھی۔ اس صبح کو اس نے اپنی ادراک کی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ زندگی کے سارے اندھیرے آپ ہی آپ دور ہو گئے تھے۔ رملی ایک نئے نویلے نشے سے مدہوش ہو کر بستر سے نکل آئی۔ نیا لے رنگ کی صبح میں رنگ برنگی چڑیاں چہچہا رہی تھیں۔ گویا اسے بدھائی دے رہی تھیں۔

سہاگن مبارک ہو......!

صبح مبارک ہو......!

دولہا مبارک ہو......!

تو جنم جنم رہے شاد کام...... تیری نظر اتارے آسمان......!

رملی ایک دم کھل کھلا کر ہنس پڑی۔ اس کا دل چاہا مسکراتی گنگناتی چڑیوں کو لپک کر پکڑ لے پھر ایک ایک کو چوم کر رہا کر دے۔

اس نے لمبی سی انگڑائی لی تو بدن کا ایک ایک عضو مسکرایا۔

پھر وہ باورچی خانے میں چلی گئی۔ آج معاذ کا ناشتہ بناتے ہوئے عجیب طرح کی لذت محسوس ہوئی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ کھانے کی چیزوں میں وہ اپنا دل پرو رہی ہے۔ ہائے قرب کا نشہ کیسا دو آتشہ ہوتا ہے۔

معاذ تیار ہو کر میز پر آ گیا تو وہ ناشتہ لگانے لگی۔ مارے شرم کے معاذ کی طرف دیکھنے کا حوصلہ نہ ہوا تو محض اسے ایک شرمیلی اور کم گو لڑکی سمجھتا تھا وہ کیا جانتا تھا کہ یہ چپ چاپ سی لڑکی جذبوں کا سمندر ہے اور محبت کی اتھاہ کو جان چکی ہے۔

شرمائے شرمائے انداز میں اس کے آگے مکھن اور توس رکھتی چلی گئی۔ مگر کبھی کبھی ان انکھیوں سے اس کو بھی دیکھ لیتی۔

اف آج معاذ کس قدر خوبصورت لگ رہا تھا۔

اس نے پستے رنگ کا دھاری دار سوٹ پہنا ہوا تھا۔ اندر گلابی سلک کی قمیض تھی آج اس نے ٹائی نہیں لگائی تھی۔ تھوڑا سا گریبان کھلا تھا۔ جس میں اس کے بال نظر آ رہے تھے۔ اس کے ہاتھ صاف ستھرے اور چکنے تھے۔ ناخن قرینے سے کٹے ہوئے سانولہ چہرہ چمک رہا تھا۔

پتہ نہیں خوشی کے مارے...... یا گذری ہوئی شب کی ابھی روشنی تھی اس پر......

رملی اسے بار بار دیکھتی اور سوچتی...... یہی وہ شخص ہے جو اسے پہلی رات اتنا اُکھڑا ہوا ...... آدمی لگا تھا جسے دیکھتے ہی اس کی آنکھیں...... تھیں مگر اب اتنا اچھا

For more visit (exponovels.com)

کیوں لگ رہا ہے۔وہی چہرہ ہے۔وہی نقوش...... چہرے پر چھوٹی چھوٹی کٹوریاں بھی وہی......

لیکن اب اسے انسانوں کی شناخت ہوگئی تھی۔لوگ شکل وصورت سے نہیں انسانوں سے پیار کرتے ہیں۔محبت کی دنیا میں شکل وصورت ثانوی درجہ اختیار کر لیتی ہے۔

رملی ٹھوڑی پر ہاتھ جمائے اسے ایسے پیار سے دیکھ رہی تھی کہ معاذ چونک اٹھا پھر مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

کیا میں بہت خوبصورت ہوگیا ہوں رمو......!

رملی نے شرما کر نظریں جھکا لیں۔

اس طرح دیوانہ وار مجھے کیوں دیکھ رہی ہو......؟

پلیز کسی غلط فہمی میں نہ مبتلا کر دینا۔مجھے تو ابھی تک رات کی باتوں کا یقین نہیں آ رہا؟

آپ کو ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔رملی نے شرماتے ہوئے انداز میں کہا......

اور چھ باتیں کرنے کی نہیں بس محسوس کرنے کی ہوتی ہیں۔

معاذ ہنسنے لگا۔

آج دفتر میں جانے کو جی نہیں چاہ رہا......شاید یہ پہلا موقع ہے۔معاذ نے کھڑے ہو کر کہا۔

نہ جائیں......ایک دم رملی کے منہ سے نکل گیا۔

ہرگز نہ جاتا مگر میں نے خود ہی آج ایک میٹنگ بلوائی ہے۔دفتر میں......نہیں جاؤں گا تو وہ لوگ کیا کہیں گے۔اچھا پھر کوشش کر کے جلدی آ جاؤں گا......!

ہاں یہ ہو سکتا ہے۔معاذ نے بریف کیس اٹھاتے ہوئے کہا......

ویسے کیا کوئی خاص بات آج بھی ہے......؟ یہ کہہ کر معاذ نے شرارت سے رملی کی طرف دیکھا۔مگر رملی نے ہنس کر منہ پھیر لیا۔

خدا حافظ......رملی نے آہستہ سے کہا۔پھر دہلیز میں بیٹھ گئی اور دور تک اس کی موٹر کو جاتا ہوا دیکھتی رہی۔

تھوڑی دیر بیٹھی کل رات کی باتیں دہراتی رہی۔پھر ایک دم کھڑی ہوگئی۔آج ہر کام جلدی جلدی ختم کرنا تھا۔رات کے لئے کوئی خاص کھانا پکانا تھا۔آج اس نے اپنے ساجن کو منا لیا تھا اور اسے پرچانا چاہتی تھی۔اس لئے کھڑی ہوگئی۔جلدی سے سارے گھر کی صفائی کروالی۔خاص طور پر سٹیڈی کو صاف کر کے نئے طور پر سجایا۔موجو کو نہلا دھلا کر کپڑے بدل لیئے دوپہر کا کھانا بڑا پرتکلف سا پکا کے معاذ کو دفتر میں بھیج دیا اور پھر تیار ہونے کے لئے غسل خانے میں چلی گئی۔

For more visit (exponovels.com)

آج اس نے اپنے لئے ایک خوبصورت سرخ رنگ کا جوڑا چنا جس کے دوپٹے پر جال بنا ہوا تھا۔ پچھلے دنوں اسے اپنے جہیز اور بری کے کپڑے پہننے سے نفرت ہوگئی تھی۔ مگر آج وہ معاذ کے استقبال میں دولہن کی طرح تیار ہونا چاہتی تھی۔ نہانے کے بعد اس نے اپنے لمبے لمبے بالوں کو سکھایا اور شیشے کے آگے کھڑے ہو کر خوب اچھا سا میک اپ کیا۔ آئینے میں اپنے آپ کو دیکھ کر وہ خود شرمائی۔ جب سے اس کی شادی ہوئی تھی۔ وہ اس طرح بن ٹھن کے کبھی نہ رہتی تھی۔ آج معاذ دیکھے گا تو جھوم جائے گا۔

اپنے اوپر بہت سی خوشبوئیں چھڑک کر وہ برآمدے میں نکل آئی...... آتے ہی ٹھٹھک گئی۔ جیسے زمین نے اس کے قدم پکڑ لیے ہوں۔ نہ آگے جا سکی نہ پیچھے ہٹ سکی۔

بے جی ٹیکسی سے نیچے اتر رہی تھیں اور ملازم ان کا سامان اتار رہا تھا۔

یہ ضرور ہے کہ پچھلے چھ مہینوں میں اس نے بے جی کی بہت تمنا کی تھی۔ بے جی کے جانے سے اس کی زندگی میں ایک خلا سا ہوگیا تھا۔ وہ بار بار ان کی خواہش کرتی۔

مگر آج...... اچانک بے جی کو دیکھ کر اس کا رنگ اڑ گیا۔ ساری تمنائیں زمین بوس ہوگئیں۔ نہ جانے اس وقت بے جی کا اچانک چلے آنا اس کو برا کیوں لگا......

آج...... آج محض آج۔ اگر بے جی نہ آتیں۔ رات ہی تو اس نے معرکہ سر کیا تھا۔ اپنے معاذ کو جیت لیا تھا۔ آج کا سارا دن وہ اس کے ساتھ گزارنا چاہتی تھی۔ بے جی کے لئے اس کے دل میں ذرا سا حسد ابھرا...... اسے معلوم تھا معاذ بے جی کی زیادہ عزت کرتا ہے ان کو زیادہ وقت دیتا ہے اور اتنے دنوں بعد وہ آئی ہیں تو پھر زیادہ تر ان کے ساتھ ہی رہے گا۔

ان سب باتوں نے رملی پر یوں اچانک حملہ کر دیا کہ وہ برآمدے میں کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ نہ حسب عادت آگے بڑھ کر بے جی کی پیشوائی کی نہ ان کے ہاتھ سے سامان پکڑا۔

بے جی دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اس کے قریب آگئیں۔

اور بڑی حیرت سے بولیں۔

دو ہتی! کیا حال ہے تمہارا......

تب رملی ایک دم چونک اٹھی۔ آگے بڑھ کر بے جی کے گلے سے لگ گئی اور کافی دیر گلے سے چمٹی رہی۔

For more visit (exponovels.com)

exponovels

پھر کہنے لگی......

بے جی اس طرح اچانک آ کے آپ نے مجھے حیران کر دیا ہے۔ سچ سچ خوشی کے مارے میرے منہ سے بات بھی نہیں نکل رہی۔

لیکن آنا تو مجھے اسی طرح تھا وہٹی۔ میں نے معاذ سے کہلوا دیا تھا کہ اس ہفتے کے کسی دن آ جاؤں گی۔

اچھا! انہوں نے مجھے نہیں بتایا تھا۔ ویسے بہت اچھا ہوا آپ آ گئیں......ہم سب آپ کے لئے بہت اداس تھے۔

موجو کہاں ہے......؟ بے جی نے ادھر ادھر دیکھ کر پوچھا۔

پچھواڑے نوکروں کے بچوں کے ساتھ کھیل رہا ہوگا۔ بلا لاؤں۔

نہیں وہ خود ہی آ جائے گا۔ بے جی ٹانگیں اوپر کر کے تخت پر بیٹھ گئیں اور ان کے چہرے پر تھکاوٹ کے آثار نمودار ہوئے۔

رملی نے بے جی کا سارا سامان اٹھا کر ان کے کمرے میں لگا دیا اور پھر بولی۔ آپ کے لئے گرم گرم چائے بنا لاؤں۔

بے جی چپ رہیں۔

وہ باورچی خانے میں چلی گئی۔ چائے کا پانی چولہے پر رکھ کر اس نے اپنے خوبصورت کپڑوں کی طرف دیکھا۔ آج وہ ایک خاص انداز سے معاذ کا استقبال کرنا چاہتی تھی۔ جس طرح محبت کرنے والی بیویاں اپنے ساجنوں کی راہ تکا کرتی ہیں۔ آج اس کے جی میں بہت اچھی اچھی باتیں تھیں۔ آج وہ صرف معاذ کے پاس بیٹھنا چاہتی تھی اور آج ہی تو تقدیر کے دروازے اس پر کھلے تھے۔

اور بے جی تو خود اس کی ہمدرد تھیں۔ بے جی نے ہی تو یہ سارا موقع دیا تھا۔ افوہ......بے جی کو تو ہر بات کا پتہ تھا۔ پتہ نہیں اب کیا ہوگا......؟

اپنے خیالوں سے الجھتی رملی نے چائے بنائی اور ٹرالی پر رکھ کے لے آئی۔ بے جی باہر تخت پر نہیں تھیں۔ جانے کہاں اٹھ کر چلی گئی تھیں۔ رملی اپنے کمرے میں آ گئی۔ دیکھا تو بے جی ہر ایک کمرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔ غسل خانے تک دیکھے۔ شاید موجو کو ڈھونڈ رہی ہوں گی۔

موجو تو باہر ہے بے جی......

اتنے میں موجو ہی دوڑتا ہوا آیا اور آ کے بے جی کی ٹانگوں سے لپٹ گیا۔ بے جی اس کے لئے بے شمار کھلونے اور گاؤں کی سوغاتیں لائی تھیں۔ کھول کھول کر دینے لگیں۔ ایک پوٹلی میں ستو تھے، ایک میں شکر اور ایک میں گڑ......رملی نے جلدی جلدی یہ چیزیں پکڑیں اور اندر جا کر خالی کنستروں میں ڈال دیں۔ بے جی جو چیز بھی دیتیں اسے احتیاط سے پکڑ لیتی۔ پھر اندر جا کر رکھ آتی۔

بے جی چائے پی کر لیٹ گئیں۔ رملی جلدی سے ان کی پائنتی کی طرف جا بیٹھی۔

exponovels

کیا تم کہیں جا رہی تھیں وو بٹی......

بے جی نے رملی کا سنگھار دیکھ کر پوچھا......

نہیں بے جی رملی شرما گئی۔ یونہی......بس......شام کو کوئی آ جاتا ہے۔تو تیار ہو جاتی ہوں۔

کوئی بات نہیں بے جی نے کہا......اگر تم دونوں کا کہیں جانے کا پروگرام ہو تو ضرور چلے جانا۔

رملی بے جی کے قریب کھسک آئی اور ان کے پاؤں اٹھا کے اپنی گود میں رکھ لئے اور دبانے لگی۔

بے جی آپ کی وہ سہیلی آئی تھی مسز بیگ......؟

اچھا......کیا کہتی تھی۔

حج پر جا رہی تھی۔آپ سے ملنے آئی تھی۔

اب تو جا چکی ہوگی۔

جی ہاں کہتی تھی وہاں جا کر خط لکھوں گی۔

وہ جیں نا مسز مسعود ان کے ہاں پوتا ہوا ہے۔انہوں نے بڑا شاندار عقیقہ کیا تھا۔آپ تو یہاں تھیں نہیں۔

میں ہو آئی تھی۔

بہت اچھا۔بے جی نے کہا۔

اور بے جی وہ جو سامنے فلیٹ میں ایک خاتون رہتی ہے۔وہ ہمیشہ آپ کا پوچھنے آیا کرتی تھی۔

پھر رملی نے رفتہ رفتہ بے جی کو سارے محلے کی چیدہ چیدہ خبریں سنا دیں کہ ان کی عدم موجودگی میں کیا کچھ ہوتا رہا۔

بے جی چپ چاپ سنتی رہیں۔کبھی کبھی بس ہوں ہاں کر دیتیں۔رملی نے محسوس کیا بے جی کے چہرے پر بہت سنجیدگی تھی۔ایسی سنجیدگی اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔اس لئے دل ہی دل میں ڈر رہی تھی اور اللہ سے دعائیں بھی مانگ رہی تھی کہ اب کوئی اور افتاد نہ پڑ جائے اس نے تو اپنی انا کو کچل کے اپنے ساجن کو منا لیا تھا۔اس نے تو سر جھکا کے جینے کا ایک انداز اپنا لیا تھا۔پتہ نہیں بے جی کیوں اتنی خاموش اور سنجیدہ تھیں،ان کو تو سارے واقعے کا علم ہے۔ کہیں......کہیں......پھر اسے جھرجھری آ جاتی اور وہ بے جی کے سوکھے پاؤں اپنے نرم نرم ہاتھوں سے دبانے لگی......پھر ادھر ادھر کی باتیں کرتی......اپنے کپڑوں کو دیکھنے لگتی......اور اپنے چہرے کا دھیان کرتی جسے اس نے معاذ کے لئے سجایا تھا۔

exponovels

حقیقی معنوں میں اسے بتانا چاہتی تھی کہ وہی اس کے من مندر کا دیوتا ہے...... کہ اوپر سے بے جی آ گئیں۔

پتہ نہیں اب بے جی کیا کریں گی......

پتہ نہیں اب معاذ کے آنے تک کیا ہوگا......

وہ ابھی بیٹھی اپنے آپ سے الجھ رہی تھی کہ بے جی نے اس کی گود میں سے پاؤں یوں کھینچے جیسے چھڑائے ہوں۔ اس پر رملی ایک دم چونک اٹھی۔ بے جی کی طرف حیرت سے دیکھا ان کے چہرے پر کرختگی تھی۔

رملی بے بسی کے عالم میں رونے لگی۔

بے جی اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہو تو پلیز معاف کر دیں۔

بے جی تھوڑی دیر چپ بیٹھی اس کے چہرے کو دیکھتی رہیں۔ پھر اپنا ہاتھ اس کے زانو پر رکھا۔ زانو کو تھپتھپایا اور بولیں۔

پتر! چپ کر جا...... کیوں روتی ہے۔ اب تیرے رونے کا وقت گذر چکا ہے۔

میں تو جب سے آئی ہوں۔ حیران ہو رہی ہوں۔ تجھے شاید معلوم نہیں میں جان بوجھ کر تجھے تنہا اپنے گھر میں چھوڑ کر گئی تھی۔ کیونکہ جب سے تو آئی تھی اس گھر کی کوئی ذمہ داری قبول نہیں کر رہی تھی۔ اور یہ سب میرا قصور تھا۔ میں تجھے کچھ کرنے کا موقع نہیں دے رہی تھی۔ پھر میں جان بوجھ کر کچھ عرصے کے لئے گاؤں رک گئی۔ تا کہ تجھ پر ذمہ داریوں کا بوجھ پڑے اور تجھے پتہ چلے کہ شادی کیا ہوتی ہے...... آج تمہارا گھر دیکھ کر میں بہت خوش ہوئی ہوں۔ سب کمرے چم چم کر رہے ہیں۔ میلے کپڑے جا بجا ڈھیر نہیں۔ باورچی خانے سے بو نہیں آ رہی...... پھر بھی صاف ستھرا ہے۔ سارے محلے سے تم ملتی رہی ہو...... ادھر ادھر کی خبریں رکھتی ہو اور یقیناً تم نے معاذ کا دل بھی جیت لیا ہوگا۔

اس فقرے پر رملی نے اپنا سر بے حد جھکا لیا۔

کچھ شرمندگی کے مارے......

اور کچھ فطری شرم کے مارے۔

بے جی نے اپنا ہاتھ رملی کے سر پر رکھ دیا اور بولیں۔

زندگی تو سب کی ایک ہی جیسی ہوتی ہے۔ کوئی عقلمندی سے اسے جنت بنا لیتا ہے۔ اور کوئی بے وقوفی سے اسے دوزخ بنا لیتا ہے۔ اللہ نے جنتی نعمتیں دے رکھی ہوں۔ ان کی قدر کرنی چاہیئے...... اور اللہ کی طرف سے جو نہیں ملا اس کا کبھی گلا نہیں کرنا چاہیئے...... سچ مجھے دیکھ کر اب خوشی ہوئی ہے کہ تو سیانی ہوگئی ہے

For more visit (exponovels.com)

جب تیری شادی ہوئی تھی اور ہم تجھے اس گھر میں لے کے آئے تھے۔تو سب لوگ آ آ کر مجھے مبارکباد دیتے تھے اور سب کہتے تھے ماشاءاللہ آپ کی بہو تو چاند کا ٹکڑا ہے۔تیری حقیقت اس وقت تھی بھی چاند کے ٹکڑے جیسی......جس طرح پتھر کا ٹکڑا بے حس اور فضول ہوتا ہے......لیکن جب اسی پتھر کے ٹکڑے کو تراش خراش کے اس کی مورتی بنالی جائے تو کس قدر خوبصورت ہوتا ہے......یہ فطرت کا علم ہے اس کے بغیر انسان ادھورے ہیں۔ہم چاہیں تو اپنے آپ کو خوبصورت بنالیں۔چاہیں تو بدصورتوں میں شامل ہو جائیں۔آج میں تجھے جس حالت میں دیکھ رہی ہوں تو دل سے دعا نکل رہی ہے۔

آج تو میری نظر میں دنیا کی خوبصورت ترین عورت ہے۔وہ عورت جو اپنے شوہر کو اپنا گرویدہ کرلے۔گھر کو جنت کی طرح رکھے اور بچوں کے ساتھ جان مارتی رہے،بلاشبہ خوبصورت عورت ہوتی ہے۔

شدت جذبات سے رملی کی آنکھیں بھر آئیں۔وہ ایک دم زمین پر بیٹھ گئی۔اور بے اختیار اس نے اپنا سر بے جی کے پاؤں پر رکھ دیا......اس وقت ہنستا ہوا معاذ موجو کی انگلی پکڑے گھر میں یوں داخل ہوا جیسے گھپ بادلوں کے گھپا ٹوپ اندھیرے کو چیر کر اچانک سورج نکل آئے اور ہر شے کی اصل نظر آنے لگے۔

❁❁❁

exponovels